نرملا

1

یوں تو بابو اودے بھان لال کا خاندان بیسیوں افراد پر مشتمل تھا۔کوئی میرا بھائی، کوئی پھپھیرا، کوئی بھانجا تھا، کوئی بھتیجا، لیکن یہاں ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں، وہ کامیاب وکیل تھے۔ لکشمی خوش تھیں اور خاندان کے مفلس افراد کو سہارا دینا ان کا فرض بھی تھا، ہماری کہانی ان لڑکیوں سے متعلق ہے، جن میں بڑی کا نام نرملا اور چھوٹی کا کرشنا تھا۔ ابھی کل تک دونوں ساتھ ساتھ گڑیاں کھیلتی تھیں، نرملا کا پندرہواں سال تھا۔ کرشنا کا دسواں، پھر بھی دونوں کی فطرت میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ دوں شوخ، کھلنڈری اور سیر وتفریح پر جان دیتی تھیں۔ دونوں دھوم دھام سے گڑیوں کا بیاہ رچاتی تھیں اور کام سے جی چراتی تھیں۔ ماں پکارتی رہتی تھی لیکن دونوں کوٹھے پر جمی بیٹھی رہتی تھیں کہ نہ جانے کس کام کے لیے بلاتی ہیں۔ دونوں اپنے بھائیوں سے لڑتی تھیں۔ نوکروں کو ڈانٹتی تھیں اور باجے کی آواز سنتے ہی دروازے پر آ کر کھڑی ہو جاتی تھیں، لیکن آج یکا یک ایک ایسی بات ہوگئی ہے جس نے بڑی کو بڑی اور چھوٹی کو چھوٹی بنا دیا ہے۔ کرشنا وہی ہے، لیکن نرملا متین، تنہائی پسند اور شرمیلی ہوگئی ہے۔ ادھر مہینوں سے بابو اودھے بھان لال نرملا کے بیاہ کی بات کر رہے تھے۔ آج ان کی محنت ٹھکانے لگی ہے۔ بابو بھال چندر کے بڑے لڑکے بھون موہن سنہا سے بات پکی ہوگئی ہے۔ بر کے پتا نے کہہ دیا ہے کہ آپ کی خوشی ہے جہیز دیں یا نہ دیں، مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ ہاں بارات میں جو لوگ جائیں ان کی خاطر تواضع اچھی طرح ہونی چاہیے۔ جس میں میری اور آپ کی جگ ہنسائی نہ ہو۔ بابو اودے بھان لال تھے تو وکیل، لیکن روپیہ جمع کرنے کے فن سے ناواقف تھے۔ جہیز ان کے سامنے کٹھن مسئلہ تھا۔ اس لیے اب بر کے پتا نے خود کہہ دیا کہ مجھے جہیز کی پرواہ نہیں تو انہیں آنکھیں مل گئیں۔ ڈرتے تھے، نہ جانے کس کے سامنے

ہاتھ پھیلانا پڑے۔ دو تین مہاجنوں کو ٹھیک کر رکھا تھا۔ ان کا اندازہ تھا کہ ہاتھ روکنے پر بھی بیس ہزار سے کم خرچ نہیں ہوں گے۔ اتنی تسلی پا کر وہ خوشی سے پھولے نہیں سمائے۔

اسی اطلاع نے الھڑ لڑکی کا منہ ڈھانپ کر ایک کونے میں بٹھا رکھا ہے۔ اس کے دل میں ایک عجیب خدشے نے گھر کر لیا ہے۔ روئیں روئیں میں ایک نامعلوم خوف سرائت کر گیا ہے۔ نجانے کیا ہو گا؟ اس کے دل میں وہ امنگیں نہیں ہیں جو جوان لڑکیوں کی آنکھوں میں ترچھی چتون بن کر، ہونٹوں پر میٹھی سی ایک مسکراہٹ بن کر اور اعضا میں اضمحلال بن کر ظاہر ہوتی ہیں۔ نہیں وہاں آرزوئیں نہیں ہیں، وہاں صرف خدشات، تفکرات اور خوف زدہ تصورات ہیں۔ جوانی ابھی پورے جوبن پر نہیں ہے۔

کرشنا کچھ کچھ جانتی ہے اور کچھ کچھ نہیں جانتی۔ جانتی ہے کہ بہن کو اچھے اچھے گہنے ملیں گے۔ دروازے پر باجے بجیں گے۔ مہمان آئیں گے۔ ناچ ہو گا، یہ جان کر خوش ہے اور یہ بھی جانتی ہے کہ بہن سب کے گلے مل کر روئے گی، یہاں سے رو دھو کر وداع ہو جائے گی اور میں اکیلی رہ جاؤں گی، یہ جان کر رکھی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتی کہ یہ سب کس لیے ہو رہا ہے۔ ماتا جی اور پتا جی کیوں بہن کو گھر سے نکالنے کے لیے اس قدر بے قرار ہیں۔ بہن نے تو کسی کو کچھ نہیں کہا، کسی سے لڑائی نہیں کی، کیا اسی طرح ایک دن مجھے بھی یہ لوگ نکال دیں گے؟ میں بھی اسی طرح کونے میں بیٹھ کر روؤں گی اور کسی کو مجھ پر رحم نہیں آئے گا؟ اس لیے وہ ڈری ہوئی بھی ہے۔

شام کا وقت تھا۔ نرملا چھت پر جا کر اکیلی بیٹھی حسرت بھری نگاہوں سے آسمان کی طرف تاک رہی تھی۔ اس کے دل میں آئی تھی کہ پر ہوتے تو اڑ جاتی اور ان تمام جھنجھٹوں سے چھوٹ جاتی۔ اس وقت اکثر دونوں بہنیں کہیں سیر کرنے جایا کرتی تھیں۔ بگھی خالی نہ ہوتی تو باغیچے میں ٹہلا کرتیں۔ اس لیے کرشنا اسے کھوجتی پھرتی

تھی۔ جب کہیں نہ پایا تو چھت پر آئی اور اسے دیکھتے ہی ہنس کر بولی ”تم یہاں آ کر چھپی بیٹھی ہو اور میں ڈھونڈتی پھرتی ہوں، چلو بگھی تیار کرا آئی ہوں“

نرملا نے اداس لہجہ میں کہا ”تو جا، میں نہیں جاؤں گی“

کرشنا: ”نہیں میری اچھی دیدی، آج ضرور چلو۔ دیکھو کیسی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے“

نرملا: ”میرا من نہیں چاہتا تو چلی جا“

کرشنا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ کانپتی ہوئی آواز میں بولی ”آج تم کیوں نہیں چلتیں؟ مجھ سے کیوں نہیں بولتیں؟ کیوں ادھر ادھر چھپی چھپی پھرتی ہو؟ میرا جی اکیلے بیٹھے بیٹھے دل گھبراتا ہے۔ تم نہ چلو گی تو میں بھی نہ جاؤں گی۔ یہیں تمہارے پاس بیٹھی رہوں گی“

نرملا: ”اور جب میں چلی جاؤں گی، تب کیا کرے گی؟ تب کس کے ساتھ کھیلے گی، کس کے ساتھ گھومنے جائے گی، بتا؟“

کرشنا: ”میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی، اکیلے مجھ سے یہاں نہ رہا جائے گا؟“

نرملا مسکرا کر بولی ”تجھے اماں نہ جانے دیں گی“

کرشنا: ”تو میں بھی تمہیں نہ جانے دوں گی، تم اماں سے کہہ کیوں نہیں دیتیں، کہ میں نہ جاؤں گی“

نرملا ”کہہ تو رہی ہوں کوئی سنتا ہی نہیں ہے“

کرشنا: ”تو کیا یہ گھر تمہارا نہیں ہے؟“

نرملا: ”نہیں میرا گھر ہوتو کوئی زبردستی نکال دیتا؟“

کرشنا: ”اس طرح کسی دن میں بھی نکال دی جاؤں گی؟“

نرملا: ”اور نہیں کیا تو بیٹھی رہے گی؟ ہم لڑکیاں ہیں، ہمارا گھر کہیں نہیں ہوتا“

کرشنا: ”چندر بھی نکال دیا جائے گا؟“

نرملا: ''چندر تو لڑکا ہے، اسے کون نکالے گا؟''

کرشنا: ''تو لڑکیاں بڑی خراب ہوتی ہوں گی؟''

نرملا: ''خراب نہ ہوتیں تو گھر سے بھگائی کیوں جاتیں''

کرشنا: ''چندر تو اتنا بدمعاش ہے، اسے کوئی نہیں بھگاتا، ہم تم تو کوئی بدمعاشی بھی نہیں کرتیں''

یکا یک چندر دھم دھم کرتا ہوا چھت پر آ پہنچا اور نرملا کو دیکھ کر بولا ''اچھا، آپ یہاں بیٹھی ہیں، اوہو! آج تا باجے بجیں گے، دیدی دلہن بنیں گی، پالکی پر چڑھیں گی، اوہو! اوہو!''

چندر کا پورا نام چندر بھان سنہا تھا۔ نرملا سے تین سال چھوٹا اور کرشنا سے دو سال بڑا تھا۔

نرملا: ''چندر تم چڑاؤ گے تو ابھی جا کر اماں سے کہہ دوں گی''

چندر: ''تو چڑتی کیوں ہو؟ تم بھی باجے سننا، اوہو، ہو! اب تم دلہن بنو گی۔ کیوں کشنی، تو باجے سنے گی نا؟ ایسے باجے تو نے کبھی نہ سنے ہوں گے!''

کرشنا: ''کیا بینڈ سے بھی اچھے ہوں گے؟''

چندر: ''ہاں ہاں بینڈ سے بھی اچھے، ہزار گنا اچھے، لاکھ گنا اچھے! تم جانو کیا؟ ایک بینڈ سن لیا تو سمجھنے لگیں کہ اس سے اچھے باجے ہی نہیں ہوتے! باجا بجانے والے سرخ سرخ وردیاں اور سیاہ سیاہ ٹوپیاں پہنے ہوں گے۔ ایسے خوبصورت ہوں گے کہ تم سے کیا کہوں۔ آتش بازی بھی ہوگی۔ ہوائیاں آسمان پر اڑ جائیں گی اور وہاں تاروں میں لگیں تو لال پیلے، ہرے نیلے تارے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں گے۔ بڑا مزہ آئے گا''

کرشنا: ''اور کیا کیا ہوگا، چندر؟ بتا دے میرے بھیا!''

چندر: ''میرے ساتھ گھومنے چل تو راستہ میں ساری باتیں بتا دوں۔ ایسے ایسے

تماشے ہوں گے کہ دیکھ کر تیری آنکھیں کھل جائیں گی۔ ہوا میں اڑتی ہوئی پریاں ہوں گی، سچ مچ کی پریاں!''

کرشنا: ''اچھا چلو، لیکن نہ بتاؤ گے تو ماروں گی''

چندر بھان اور کرشنا چلے گئے۔ مگر نرملا تنہا بیٹھی رہ گئی۔ کرشنا کے چلے جانے پر اس وقت اسے بہت رنج ہوا، کرشنا، جسے وہ جان سے زیادہ پیار کرتی تھی، آج اتنی بے مروت ہوگئی کہ تنہا چھوڑ کر چلی گئی! بات کچھ نہ تھی مگر دکھی دل دکھتی ہوئی آنکھ ہے جس میں ہوا سے بھی درد ہوتا ہے۔ نرملا بڑی دیر تک بیٹھی روتی رہی۔ بھائی، بہن، ماں، باپ سبھی اسی طرح مجھے بھول جائیں گے، سب کی آنکھیں پھر جائیں گی! پھر شاید انہیں دیکھنے کو بھی ترس جاؤں۔

باغ میں پھول کھلے ہوئے تھے۔ آسمان پر تارے چھٹکے ہوئے تھے۔ نرملا انہیں دکھ بھرے خیالات میں پڑے پڑے سو گئی اور آنکھ لگتے ہی اس کا خیال عالم خواب میں گشت کرنے لگا۔ کیا دیکھتی ہے کہ سامنے ایک دریا موجیں مار رہا ہے اور وہ اس کے کنارے پر کشتی کا انتظار کر رہی ہے۔ شام کا وقت ہے، تاریکی کسی خوفناک جانور کی طرح بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ وہ سخت تفکرات میں مبتلا ہے کہ کس طرح اس پار جا کر گھر پہنچوں گی۔ رو رہی ہے کہ کہیں رات نہ ہو جائے۔ ورنہ میں اکیلی کیسے رہوں گی۔ دفعتاً اسے ایک عمدہ کشتی گھاٹ کی طرف آتی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہ خوشی سے اچھل پڑتی ہے اور جونہی کشتی گھاٹ پر آتی ہے، وہ اس پر چڑھنے کے لیے بڑھتی ہے لیکن جونہی کشی کے تخت پر قدم رکھنا چاہتی ہے، ملاح بول اٹھتا ہے کہ تیرے لیے یہاں جگہ نہیں ہے۔ وہ ملاح سے منت کرتی ہے۔ اس کے پیروں پڑتی ہے۔ روتی ہے، وہ برابر یہی کہتا جاتا ہے کہ تیرے لیے یہاں جگہ نہیں ہے۔ ایک لمحہ میں کشتی کھل جاتی ہے۔ وہ زار و قطار رونے لگتی ہے۔ دریا کے سنسان کنارے پر تمام رات کیسے رہے گی۔ یہ سوچ کر وہ دریا میں کود کر اس کشتی کو پکڑنا چاہتی ہے کہ اتنے میں

کہیں سے آواز آتی ہے، ٹھہرو، ٹھہرو! ندی گہری ہے، ڈوب جاؤ گی۔ وہ کشتی تمہارے لیے نہیں ہے۔ میں آتا ہوں، میری کشتی پر بیٹھو، میں اس پار پہنچا دوں گا۔ وہ خوف زدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھتی ہے کہ یہ آواز کہاں سے آئی۔ ذرا دیر بعد ایک چھوٹی سی ڈونگی آتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس میں نہ پال ہے اور نہ پتوار اور نہ مستول۔ پلندا پھٹا ہوا، تختے ٹوٹے ہوئے اور کشتی میں پانی بھرا ہوا! ایک شخص اس میں سے پانی باہر پھینک رہا ہے۔ وہ اس سے کہتی ہے۔ یہ تو ٹوٹی ہوئی ہے، کیسے پار لگے گی؟ ملاح کہتا ہے، تمہارے لیے یہی بھیجی ہے۔ آ کر بیٹھ جاؤ۔ وہ ایک لمحہ سوچتی ہے کہ اس میں بیٹھوں یا نہ بیٹھوں۔ بالآخر وہ بیٹھنے کا تہیہ کر لیتی ہے۔ یہاں تنہا پڑی رہنے سے کشتی میں بیٹھ جانا پھر بھی اچھا ہے۔ کسی خوفناک جانور کا لقمہ ہونے سے تو یہی بہتر ہے کہ ندی میں ڈوب جاؤں۔ کون جانے، کشتی پار لگ ہی جاوے۔ یہ سوچ کر وہ جان کو مٹھی میں لیے ہوئے کشتی میں بیٹھ جاتی ہے۔ کچھ دیر تک کشتی ڈگمگاتی ہوئی چلتی ہے مگر لمحہ بہ لمحہ اس میں پانی بھرتا جاتا ہے۔ وہ بھی ملاح کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے پانی باہر پھینکنے لگتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اب ڈوبی اور تب ڈوبی! اس وقت وہ کسی نادیدہ سہارے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتی ہے۔ کشتی نیچے سے کھسک جاتی ہے اور اس کے پیر اکھڑ جاتے ہیں۔ وہ زور سے چلاتی ہے اور چلاتے ہی اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھا تو مالن سامنے کھڑی ہو کر اس کا شانہ پکڑ کر اسے ہلا رہی تھی۔

2

بابو اودے بھان لال کا مکان بازار میں واقع ہے۔ برآمدہ میں سونار کے ہتھوڑے اور کمرہ میں درزی کی سوئیاں چل رہی ہیں۔ سامنے نیم کے درخت کے نیچے بڑھئی چارپائیاں بنا رہا ہے۔ کھپریل کے تلے حلوائی کے لیے بھٹہ کھودا گیا ہے۔ مہمانوں کے لیے علیحدہ ایک مکان کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہ بندوبست کیا جا رہا

ہے کہ ہر ایک مہمان کے لیے ایک ایک چارپائی، ایک ایک کرسی اور ایک ایک میز ہو۔ ہر تین مہمانوں کے لیے ایک ایک کہار مقرر کرنے کی تجویز ہو رہی ہے۔ ابھی بارات کے آنے میں ایک ماہ کا وقفہ ہے، مگر تیاریاں ابھی سے ہو رہی ہیں۔ براتیوں کی ایسی خاطر کی جاوے کہ کسی کو زبان ہلانے کی ضرورت نہ ہو۔ وہ لوگ بھی یاد کریں کہ کسی کے یہاں بارات میں گئے تھے۔ ایک پورا مکان برتنوں سے بھرا ہوا ہے۔ چائے کے سیٹ ہیں، ناشتہ کی طشتریاں، تھال، لوٹے اور گلاس، جو لوگ روزانہ چارپائیوں پر پڑے حقہ پیتے رہتے تھے، وہ بڑی مستعدی سے کام کر رہے ہیں۔ اپنی کارپردازی ثابت کرنے کا ایک ایسا عمدہ موقع انہیں پھر بہت روز بعد ملے گا۔ جہاں ایک آدمی کو جانا ہوتا ہے، پانچ دوڑتے ہیں۔ کام کم ہوتا ہے، شور و غل زیادہ۔ ذرا ذرا سی بات پر گھنٹوں حجت ہوتی ہے۔ اور بالآخر وکیل صاحب کو تصفیہ کرنا پڑتا ہے۔ ایک کہتا ہے، یہ گھی خراب ہے۔ دوسرا کہتا ہے، اس سے اچھا بازار میں مل جاوے تو ٹانگ کے راہ نکل جاؤں۔ تیسرا کہتا ہے اس میں تو بدبو آتی ہے۔ چوتھا کہتا ہے کہ تمہاری ناک ہی سڑ گئی ہے، تم کیا جانو کہ گھی کسے کہتے ہیں۔ جب سے یہاں آئے ہو، گھی ملنے لگا ہے ورنہ گھی کے درشن بھی نہ ہوتے تھے۔ اس پر تکرار بڑھ جاتی ہیاور وکیل صاحب کو نبٹارا کرنا پڑتا ہے۔

رات کے نو بجے تھے۔ اودے بھان لال اندر بیٹھے ہوئے مصارف کا تخمینہ لگا رہے تھے۔ وہ عموماً روز تخمینہ لگاتے تھے مگر روز ہی اس میں کچھ نہ کچھ ترمیم یا اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ سامنے کلیانی چیں بہ جبیں کھڑی تھی۔ بابو صاحب نے بڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور بولے دس ہزار سے کم نہیں ہوتا بلکہ شاید اور بڑھ جاوے۔

کلیانی: ''دس دن میں پانچ ہزار سے دس ہزار ہوئے۔ ایک مہینہ میں تو شاید ایک لاکھ کی نوبت آجاوے''

اودے بھان: ''کیا کروں؟ جگ ہنسائی بھی تو اچھی نہیں لگتی۔ کوئی شکایت ہوئی تو

لوگ کہیں گے کہ نام بڑے اور درشن تھوڑے۔ پھر جب وہ مجھ سے جہیز کے نام پر ایک پائی نہیں لیتے تو میرا بھی فرض ہے کہ مہمانوں کی خاطر و مدارت میں، میں کوئی بات نہ اٹھا رکھوں''

کلیانی: ''جب سے برہما جی نے دنیا کو بنایا تب سے آج تک کوئی براتیوں کو خوش نہیں کر سکا۔ انہیں عیب نکالنے اور برائی کرنے کا کوئی نہ کوئی موقع مل ہی جاتا ہے۔ جسے اپنے گھر سوکھی روٹیاں بھی نصیب نہیں، وہ بھی بارات میں جا کر تانا شاہ بن جاتا ہے۔ تیل خوشبودار نہیں، صابن ٹکے سیر کا جانے کہاں سے بٹورلائے، کہار بات نہیں سنتے، لالٹینیں دھواں دیتی ہیں، کرسیوں میں کھٹمل ہیں، چارپائیاں ڈھیلی ہیں، جنواسہ کی جگہ ہوادار نہیں، ایسی ایسی ہزاروں شکائتیں ہوتی رہتی ہیں۔ انہیں آپ کہاں تک روکیے گا۔ اگر یہ موقع نہ ملا تو اور کئی عیب نکال لیے جاویں گے۔ بھئی یہ تیل تو رنڈیوں کے لگانے لائق ہے، ہمیں تو سادہ تیل چاہیے۔ جناب، یہ صابن نہیں بھیجا ہے اپنی امارت کی شان دکھائی ہے، گویا ہم نے صابن دیکھا ہوا نہیں۔ یہ کہار نہیں یم دوت (ملک الموت) ہیں؟ جب دیکھیے سر پر سوار! لالٹینیں ایسی بھیجی ہیں کہ آنکھیں جھپکنے لگتی ہیں۔ اگر دس پانچ روز اسی روشنی میں بیٹھنا پڑے تو آنکھیں پھوٹ جائیں۔ جنواسہ کیا ہے ابھاگے کا بھاگ ہے، جس میں چاروں طرف سے جھونکے آتے رہتے ہیں۔ میں تو پھر یہی کہوں گی کہ براتیوں کے نخرے کا خیال ہی چھوڑ دو''

ادے بھان: ''تو آخر تم مجھے کیا کرنے کو کہتی ہو؟''

کلیانی: ''کہہ تو رہی ہوں کہ پختہ ارادہ کر لو کہ پانچ ہزار سے زیادہ نہ خرچ کریں گے۔ گھر میں ٹکا ہے نہیں۔ قرض ہی کا بھروسہ ٹھہرا۔ تو پھر اتنا قرض کیوں لو کہ زندگی میں ادا نہ ہو۔ آخر میرے اور اور بھی بچے ہیں، ان کے لیے بھی تو کچھ چاہیے''

اودے بھان: ''تو کیا آج میں مرا جاتا ہوں؟''

کلیانی: ''جینے مرنے کا حال کوئی نہیں جانتا''

اودے بھان: ''تو تم بیٹھی یہی منایا کرتی ہو؟''

کلیانی: ''اس میں بگڑنے کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ مرنا ایک دن سبھی کو ہے۔ یہاں امر ہو کر تھوڑا ہی آیا ہے۔ آنکھیں بند کر لینے سے تو ہونے والی بات نہ ٹلے گی۔ روز آنکھوں سے دیکھتی ہوں کہ باپ مرجاتا ہے اور اس کے بچے گلی گلی ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ آدمی ایسا کام ہی کیوں کرے''

اودے بھان نے جھلا کر کہا ''تو اب سمجھ لوں میرے دن قریب آ گئے۔ یہ تمہاری پیشنگوئی ہے۔ سہاگ سے عورتوں کو اکتاتے نہیں سنا تھا، آج یہ نئی بات معلوم ہوئی۔ رنڈاپے (بیوگی) میں بھی کوئی سکھ ہوگا ضرور''

کلیانی: ''تم سے دنیا کی بھی کوئی بات کہتی جاتی ہے تو زہر اگلنے لگتے ہو۔ اسی لیے نہ کہ جانتے ہو اس کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے، میری ہی روٹیوں پر پڑی ہوئی ہے۔ یا اور کچھ؟ جہاں کوئی بات کہی کہ بس سر ہو گئے۔ گویا میں گھر کی لونڈی ہوں۔ میرا صرف روٹی کپڑا کا ناطہ ہے۔ جتنا ہی میں دبتی ہوں تم اور بھی دباتے ہو۔ مفت خورے مال اڑائیں، کوئی منہ نہ کھولے۔ شراب کباب میں روپے اڑیں کوئی زبان نہ ہلائے۔ یہ سارے کانٹے میرے بچوں ہی کے لیے تو بوئے جا رہے ہیں۔''

اودے بھان: ''تو میں کیا تمہارا غلام ہوں؟''

کلیانی: ''تو کیا میں تمہاری لونڈی ہوں؟''

اودے بھان: ''ایسے مرد اور ہوں گے جو عورتوں کے اشاروں پر ناچتے ہیں''

کلیانی: ''تو ایسی عورتیں بھی اور ہوں گی جو مردوں کی جوتیاں سہا کرتی ہیں''

اودے بھان: ''میں کما کر لاتا ہوں، جیسے چاہوں ویسے خرچ کر سکتا ہوں۔ کسی کو بولنے کا اختیار نہیں ہے''

کلیانی: ''تو آپ اپنا گھر سنبھالیے، ایسے گھر کو میرا دور ہی سے سلام ہے، جہاں

میری کوئی پوچھ نہیں، گھر میں تمہارا جتنا اختیار ہے اتنا میرا بھی ہے۔ اس سے جو بھر بھی کم نہیں۔ اگر تم اپنے من کے راجہ ہو تو میں بھی اپنے من کی رانی ہوں۔ تمہارا گھر تمہیں مبارک رہے۔ میرے لیے پیٹ کی روٹیوں کی کمی نہیں ہے۔ تمہارے بچے ہیں، مارو یا جلاؤ۔ نہ آنکھوں سے دیکھوں گی نہ درد ہوگا۔ آنکھ پھوٹی پیر (درد) گئی''

اودے بھان: ''کیا تم سمجھتی ہو کہ تم نہ سنبھالو گی تو میرا گھر ہی نہ سنبھلے گا؟ میں تنہا ایسے ایسے دس گھر سنبھال سکتا ہوں''

کلیانی: ''کون! اگر آج کے تیسویں دن مٹی میں نہ مل جائے تو کہنا کوئی کہتی تھی''

یہ کہتے کہتے کلیانی کا چہرہ تمتما اٹھا۔ وہ جھپک کر اٹھی اور کمرہ کے دروازہ کی طرف چلی۔ وکیل صاحب مقدمات میں تو خوب ''ہندی چندی'' نکالتے تھے مگر عورتوں کے مزاج سے انہیں کچھ تھوڑی ہی سی واقفیت تھی۔ یہی ایک ایسا علم ہے جس سے آدمی مسن ہونے پر بھی نابلد رہ جاتا ہے۔ اگر اب بھی، وہ نرم پڑ جاتے اور کلیانی کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیتے تو شاید وہ رک جاتی۔ لیکن آپ سے یہ تو ہو نہ سکا۔ الٹا چلتے چلاتے ایک اور چرکا دیا۔ بولے ''مائکہ کا گھمنڈ ہوگا''

کلیانی نے دروازہ پر ٹھہر شوہر کی طرف سرخ سرخ آنکھوں سے دیکھا اور بپھر کر بولی ''مائکہ والے میرے تقدیر کے ساتھی نہیں ہیں اور نہ میں اتنی کمینی ہوں کہ ان کی روٹیوں پر جا پڑوں''

اودے بھان: ''تب کہاں جا رہی ہو؟''

کلیانی: ''تم یہ پوچھنے والے کون ہوتے ہو۔ ایشور کی دنیا میں بیشمار آدمیوں کے لیے جگہ ہے تو پھر کیا میرے لیے جگہ نہیں ہے؟''

یہ کہہ کر کلیانی کمرے کے باہر نکل گئی۔ صحن میں جا کر اس نے ایک بار آسمان کی طرف دیکھا، گویا ستاروں کو گواہ کر رہی ہے کہ اس گھر میں کتنی بے دردی سے نکالی جا رہی ہوں۔ رات کے گیارہ بج گئے تھے۔ گھر میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دونوں لڑکوں کی

چارپائی اسی کمرہ میں رہتی تھی۔ وہ اپنے کمرہ میں آئی۔ دیکھا چندر بھان سویا ہے۔ سب سے چھوٹا سورج بھان چارپائی پر سے اٹھ بیٹھا ہے۔ ماں کو دیکھتے ہی وہ بولا" تم یہاں (کہاں) دئی (گئی) تھیں، اماں؟"

کلیانی دور ہی کھڑی ہوئی بولی "کہیں نہیں بیٹا، تمہارے بابو جی کے پاس گئی تھی"

سورج: "تم تلی دئیں، مجھے اتیلے ڈر لدتا، تم تیوں تلی دئی تیں؟ بتاؤ"

یہ کہہ کر بچہ نے گود میں جانے کے لیے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ کلیانی اب ضبط نہ کر سکی۔ مہر مادری کی امرت دھارا سے اس کا جلتا ہوا دل تر بتر ہو گیا۔ دل کا نازک پودا جو غصہ کی آنچ سے مرجھا گیا تھا۔ پھر شاداب ہو گیا۔ آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے بچہ کو گود میں اٹھالیا۔ سینہ سے لگا کر بولی "تم نے مجھے پکار کیوں نہ لیا بیٹا؟"

سورج: "پکالتا تو تا، تم چھنتی ہی نہ تیں، بتاؤ، اب تو تبھی نہ داؤ دی؟"

کلیانی؟ "نہیں بھیا، اب کبھی نہ جاؤں گی"

یہ کہہ کر کلیانی سورج بھان کو لے کر چارپائی پر لیٹی۔ ماں کے سینہ سے لپٹتے ہی بچہ بے کھٹکے ہو کر سو گیا۔ کلیانی کے دل میں وسوسے ہونے لگے۔ شوہر کی باتیں یاد آتیں تو جی میں آتا کہ گھر کو یکدم چھوڑ کر چلی جاؤں۔ مگر بچوں کا منہ دیکھتی تو پیار سے دل پر رقت طاری ہو جاتی۔ بچوں کو کس پر چھوڑ کر جاؤں؟ میرے ان لالوں کو کون پالے گا؟ یہ کس کے ہو کر رہیں گے؟ کون بڑے سویرے انہیں دودھ اور حلوا کھلائے گا؟ کون ان کی نیند سوئے گا، ان کی نیند جاگے گا۔ بیچارے کوڑی کے تین ہو جائیں گے۔ نہیں پیارے بچو! میں چھوڑ کر نہ جاؤں گی۔ تمہارے لیے سب کچھ سہہ لوں گی۔ بے عزتی، ذلت، جلی کٹی، کھوٹی کھری، دھمکی، جھڑکی، یہ سب تمہارے لیے سہوں گی۔

کلیانی تو بچے کو لے کر لیٹی مگر بابو صاحب کو نیند نہ آئی۔ انہیں چوٹ کرنے والی باتیں بڑی مشکل سے بھولتی تھیں اف! یہ مزاج، گویا میں ہی ان کی بیوی ہوں۔ بات

منہ سے نکالنی مشکل ہے۔ اب میں ان کا غلام ہو کر رہوں۔ گھر میں تنہا یہ رہیں اور باقی جتنے یگانے بیگانے ہیں وہ سب نکال دیئے جائیں۔ جلا کرتی ہیں، مناتی ہیں کہ یہ کسی طرح مرے تو آرام سے رہوں۔ دل کی بات منہ سے نکل ہی آتی ہے۔ خواہ کوئی کتنا ہی چھپائے۔ کئی روز سے دیکھ رہا ہوں، ایسی جلی کٹی سنایا کرتی ہیں کہ بس، مائکہ کا گھمنڈ ہو گا، لیکن وہاں کوئی بات بھی نہ پوچھے گا۔ ابھی سب آؤ بھگت کرتے ہیں، جب جا کر سر پڑ جائیں گی تو آٹا دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ روتی ہوئی آئیں گی۔ واہ رے گھمنڈ، سوچتی ہیں کہ میں ہی یہ گرہستی چلاتی ہوں۔ ابھی چار دن کو چلا جاؤں تو معلوم ہو۔ تب دیکھوں کیا کرتی ہیں۔ بس چار ہی دن تو معلوم ہو جائے گا۔ ساری شیخی کرکری ہو جائے گی۔ ایک بار تو ان کا گھمنڈ توڑ ہی دوں۔ ذرا بیوگی کا مزاہ بھی چکھا دوں۔ نہ جانے ان کی ہمت کیسے پڑتی ہے کہ مجھے اس طرح کوسنے لگتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ محبت انہیں چھو نہیں گئی۔ یا سمجھتی ہیں کہ یہ گھر سے اتنا لپٹا ہوا ہے کہ اسے چاہے جتنا کوسوں، ٹلنے کا نام نہ لے گا۔ یہی بات ہے، مگر یہاں دنیا سے لپٹنے والے نہیں ہیں۔ جہنم میں جائے وہ مگر جہاں ایسے آدمیوں سے پالا پڑے گھر ہے یا نرگ! آدمی باہر سے تھکا ماندہ آتا ہے تو گھر میں اسے آرام ملتا ہے یہاں آرام کے عوض کوسنا سننا پڑتا ہے! میری موت کے لیے برت کیے جاتے ہیں۔ یہ ہے پچیس سال کی ازدواجی زندگی کا نتیجہ! بس چل ہی دوں۔ جب دیکھ لوں گا کہ ان کا سارا گھمنڈ مٹی میں مل گیا اور مزاج ٹھنڈا ہو گیا تو لوٹ آؤں گا۔ چار پانچ روز کافی ہوں گے۔ لو تم بھی کیا یاد کرو گی کہ کسی سے کام پڑا تھا۔

یہی سوچتے ہوئے بابو صاحب اٹھے، ریشمی چادر گلے میں ڈالی، کچھ روپے لیے۔ اپنا کارڈ نکال کر دوسرے کرتے کی جیب میں رکھا، چھڑی اٹھائی اور چپکے سے باہر نکلے۔ سب نوکر نیند میں مست تھے۔ کتا آہٹ پا کر چونک پڑا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔

مگر کون جانتا تھا کہ یہ ساری باتیں کارکنان قضا قدرت کے ہاتھوں ہو رہی ہیں۔ زندگی کے اسٹیج کے بے درد منتظمین کسی نامعلوم مخفی مقام پر بیٹھے ہوئے اپنی ناقابل فہم بے دردی کا تماشا دکھا رہے ہیں؟ یہ کون جانتا تھا کہ نقل اصل ہونے جا رہی ہے، تماشا سچائی کی صورت اختیار کرنے والا ہے۔

شب دیجور نے چاند کو شکست دے کر اپنا عملدرآمد قائم رکھا تھا۔ اس کی شیطانی فوج قدرت پر اپنا رعب جمائے ہوئے تھی۔ روحی جذبات منہ چھپائے پڑے تھے اور نفسانی جذبات غرور نخوت سے اکڑتے پھرتے تھے۔ جنگلوں میں درندے شکار کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔ شہروں میں بدمعاش لوگ کوچہ بکوچہ منڈلاتے پھرتے تھے۔

بابو اودے بھان لال تیزی سے گنگا کی طرف چلے جا رہے تھے۔ انہوں نے اپنا کرتا گھاٹ پر رکھ کر پانچ روز کے لیے مراد پور چلے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ ان کے کپڑے دیکھ کر لوگوں کو ان کے ڈوب جانے کا یقین ہو جائے گا۔ کارڈ کرتے کی جیب میں تھا، پتہ لگنے میں کوئی دقت نہ ہو سکتی تھی۔ آن واحد میں سارے شہر میں خبر مشہور ہو جائے گی۔ آٹھ بجتے بجتے تو سارا شہر میرے دروازے پر جمع ہو جائے گا، تب دیکھوں کہ دیوی جی کیا کرتی ہیں۔

یہی سوچتے ہوئے بابو صاحب گلیوں میں چلے جا رہے تھے۔ دفعتاً انہیں اپنے پیچھے کسی دوسرے آدمی کے آنے کی آہٹ ملی۔ سمجھے کوئی ہو گا، آگے بڑھے لیکن جس گلی سے وہ مڑتے اسی طرف وہ آدمی بھی مڑتا تھا۔ اس وقت بابو صاحب کو اندیشہ ہوا کہ یہ آدمی میرا ہی پیچھا کر رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوا کہ اس کی نیت صاف نہیں ہے۔ انہوں نے فوراً جیبی لالٹین نکالی اور اس کی روشنی میں آدمی کو دیکھا۔ ایک طاقت ور شخص کندھے پر لٹھ رکھے چلا آتا تھا۔ بابو صاحب اسے دیکھتے ہی چونک پڑے۔ یہ شہر کا مشہور بدمعاش تھا۔ تین سال قبل اس پر ڈاکہ کا مقدمہ چلا تھا۔ اودے بھان

نے اس مقدمہ میں سرکار کی طرف سے پیروی کی تھی اور اس بدمعاش کو تین برس کی سزا دلائی تھی۔ جبھی سے وہ ان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ کل ہی وہ چھوٹ کر آیا تھا۔ آج اتفاقاً بابو صاحب تہارات کو دکھائی دیئے تو اس نے سوچا کہ ان سے بولہ لینے کا اچھا موقع ہے۔ ایسا موقع شاید ہی پھر کبھی ملے۔ فوراً پیچھے ہو لیا اور حملہ کرنے کی گھات ہی میں تھا کہ بابو صاحب نے لالٹین جلائی بدمعاش ذرا کھٹک کر بولا ''کیوں بابو جی، پہچانتے ہو نہ؟ میں ہوں متی''

بابو صاحب نے ڈانٹ کر کہا ''تم میرے پیچھے پیچھے کیوں آ رہے ہو؟''

متی: ''کیوں، کسی کو راہ چلنے کی مناہی (ممانعت) ہے۔ یہ گلی تمہارے باپ کی ہے؟''

بابو صاحب جوانی میں کشتی لڑتے تھے۔ اب بھی ہٹے کٹے آدمی تھے۔ دل کے بھی کچے نہ تھے۔ چھڑی سنبھال کر بولے۔ ''ابھی شاید جی نہیں بھرا؟ اب کے سات سال کو جاؤ گے''

متی: ''میں سات سال کو جاؤں یا چودہ سال کو مگر تمہیں جیتا نہ چھوڑوں گا ہاں اگر تم میرے پیروں پر گر کر قسم کھاؤ کہ اب کسی کو سزا نہ کراؤں گا تو چھوڑوں، بولو منظور ہے؟''

اودے بھان: ''تیری شامت تو نہیں آئی ہے''

متی: ''شامت میری نہیں آئی تمہاری آئی ہے، بولو کھاتے ہو قسم ایک دو''

اودے بھان (گرج کر) ہٹ جا بدمعاش سامنے سے

متی: ''تین''

منہ سے تین کی آواز نکلتے ہی بابو صاحب کے سر پر لٹھ کا ایسا تلا ہوا ہاتھ پڑا کہ وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ منہ سے صرف اتنا ہی نکلا ہائے مار ڈالا۔

متی نے پاس جا کر دیکھا تو سر پھٹ گیا تھا اور خون کی دھار بہہ رہی تھی۔ نبض کا

کہیں پتہ نہ تھا۔ سمجھ گیا کہ کام تمام ہو گیا۔ اس نے کلائی سے سونے کی گھڑی کھولی کرتے سے سونے کے بٹن کاٹ لیے۔ انگلی سے انگوٹھی اتاری اور اپنی راہ چلا گیا۔ گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔ البتہ اتنا تو کیا کہ لاش کو راستے سے کھینچ کر ایک طرف ڈال دیا۔ ہائے بیچارے گھر سے کیا سوچ کر گئے تھے اور کیا ہو گیا۔ زندگی تجھ سے زیادہ ناپائیدار بھی دنیا میں کوئی چیز ہے؟ کیا وہ اس چراغ کی طرح نہیں ہے جو ہوا کے ایک جھونکے سے بجھ جاتا ہے؟ پانی کے اس بلبلے کو دیکھتے ہو مگر اس کے ٹوٹنے پر بھی کچھ دیر لگتی ہے۔ زندگی میں اتنی پائیداری بھی نہیں۔ سانس کا بھروسہ ہی کیا؟ اور اسی بھروسے پر ہم اپنی آرزوؤں کا کتنا عالی شان محل بناتے ہیں! یہ نہیں جانتے کہ اندر جانے والی سانس باہر آئے گی یا نہیں مگر سوچتے اتنی دور کی ہیں کہ گویا ہمیں فنا نہیں!

3

بیوہ کی فریاد اور یتیموں کی گریہ وزاری سنا کر ہم ناظرین کا دل نہ دکھائیں گے، جس پر پڑتی ہے وہ روتا ہے، چلاتا ہے، پچھاڑیں کھاتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اگر آپ چاہیں تو کلیانی کے اس سخت روحانی قلق کا اندازہ کر سکتے ہیں، جو اس کو خیال سے ہو رہا تھا کہ میں ہی اپنے دل و جان کے مالک کی قاتلہ ہوں! وہ کلمے جو غصے کے جوش میں اس کی بے لگام زبان سے نکلے تھے، اب اس کے دل کو تیر بن کر چھلنی کیے دیتے تھے۔ اگر شوہر نے اس کی گود میں کراہ کراہ کر جان دی ہوتی تو اسے تسکین ہوتی کہ میں نے ان کے متعلق اپنا فرض ادا کر دیا۔ غم زدہ دلوں کو اس سے زیادہ تسکین اور کسی بات سے نہیں ہوتی۔ اسے یہ خیال کر کے کتنا اطمینان ہوتا کہ میرے مالک مجھ سے خوش ہو کر گئے۔ آخر وقت تک ان کے دل میں میری محبت برقرار رہی۔ کلیانی کو یہ اطمینان نصیب نہ تھا۔ وہ سوچتی کہ ہائے میری پچیس سال کی ریاضت ضائع ہو گئی میں آخر وقت میں مالک کی محبت سے محروم رہی۔ اگر میں نے انہیں ایسے الفاظ نہ کہے ہوتے تو وہ رات کو گھر سے باہر ہرگز نہ جاتے۔ نہ جانے ان کے دل میں کیا

کیا خیال پیدا ہوئے ہوں گے۔ ان کے خیالات کا اندازہ اور اپنے گناہ میں اضافہ کر کے وہ آٹھوں پہر کڑھتی رہتی تھی۔ جن بچوں پر وہ جان دیتی تھی، اب ان کی صورت سے چڑھتی تھی۔ انہیں کے سبب مجھ کو اپنے مالک سے جھگڑا مول لینا پڑا۔ یہی میرے دشمن ہیں۔ جہاں آٹھوں پہر کچہری سی لگی رہتی تھی وہاں اب خاک اڑتی تھی۔ وہ میلا ہی اٹھ گیا تھا۔ جب کھلانے والا ہی نہ رہا تو کھانے والے وہاں کیسے پڑے رہتے۔ رفتہ رفتہ ایک ماہ کے اندر سبھی بھانجے بھتیجے رخصت ہو گئے۔ جن کو دعویٰ تھا کہ ہم پسینہ کی جگہ لہو بہانے والوں میں ہیں، وہ ایسا سرپٹ بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ دنیا ہی دوسری ہو گئی۔ جن بچوں کو دیکھ کر پیار کرنے کو جی چاہتا تھا ان کے چہروں پر اب مکھیاں بھنبھناتی تھیں۔ نہ جانے وہ رونق کہاں چلی گئی تھی۔

رنج گھٹا تو نرملا کے بیاہ کا مسئلہ درپیش ہوا۔ کچھ لوگوں نے رائے دی شادی اس سال ملتوی کی جائے لیکن کلیانی نے کہا کہ اتنی تیاریوں کے بعد شادی ملتوی کر دینے سے سب کیا دھرا خاک میں مل جائے گا۔ اور دوسرے سال پھر یہی تیاریاں کرنی پڑیں گی۔ جس کی کوئی امید نہ تھی۔ بیاہ کر دینا ہی بہتر ہے۔ کچھ لینا دینا تو ہے نہیں، براتیوں کی مہمانداری کا کافی بندوبست ہو چکا ہے۔ پس توقف سے نقصان ہی نقصاف ہے۔ پس بابو بھال چندر کو اس حادثہ کی خبر کے ساتھ ہی یہ پیغام بھی بھیج دیا گیا کلیانی نے اپنے خط میں لکھا اس بے کس پر رحم کیجیے اور ڈوبتی ہوئی ناؤ کو پار لگائیے۔ سوامی جی کے دل میں بڑے بڑے حوصلے تھے مگر ایشور کو کچھ اور منظور تھا۔ اب میری لاج آپ کے ہاتھ میں ہے۔ لڑکی آپ کی ہو چکی۔ میں آپ لوگوں کی خاطر داری کرنے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتی ہوں، لیکن اگر اس میں کچھ کمی ہو یا کوئی غلطی سرزد ہو تو میری حالت کا خیال کر کے مجھے معاف کیجئے گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ خود مجھ بے کس کی بدنامی نہ ہونے دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

کلیانی نے یہ خط ڈاک سے نہ بھیجا بلکہ پروہت جی سے کہا۔ آپ کو تکلیف تو ہوگی

مگر آپ خود جا کر یہ خط دیجیے گا دوسری جانب سے نہایت عاجزی کے ساتھ کہو جتنے کم لوگ آئیں اتنا ہی اچھا۔ یہاں کوئی انتظام کرنے والا نہیں ہے۔ پروہت جی یہ خط لے کر تیسرے روز لکھنو جا پہنچے۔

شام کا وقت تھا۔ بابو بھال چندر دیوان خانے کے سامنے آرام کرسی پر برہنہ لیٹے ہوئے حقہ پی رہے تھے۔ بہت موٹے اور بلند قامت شخص تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کالا دیو ہے یا کوئی حبشی افریقہ سے پکڑ کر آیا ہے۔ سر سے پیر تک ایک ہی رنگ تھا۔ سیاہ چہرہ اتنا سیاہ تھا کہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ ماتھے کی انتہا کہاں ہے اور اس کی ابتدا کہاں۔ بس کوئلے کی ایک زندہ عیوب تھی۔ آپ کو گرمی بہت ستاتی تھی۔ دو آدمی کھڑے پنکھا جھل رہے تھے۔ اس پر بھی پسینہ کا تار بندھا ہوا تھا۔ آپ محکمہ آب کاری کے کسی بڑے عہدہ پر تھے۔ پانچ سو مشاہرہ ملتا تھا۔ ٹھیکہ داروں سے خوب رشوت بھی لیتے تھے۔ ٹھیکہ دار شراب کے نام پر پانی فروخت کریں، چوبیس گھنٹے دکان کھلی رکھیں، آپ کو صرف خوش رکھنا کافی تھا۔ سارا قانون آپ کی خوشی تھی۔ اتنی بھانک شکل تھی کہ چاندنی رات میں انہیں دیکھ کر دفعتاً لوگ چونک پڑتے تھے۔ صرف بچے اور عورتیں نہیں، مرد تک ڈرتے تھے۔ چاندنی راست اس لیے کہی گئی کہ اندھیری رات میں تو انہیں کوئی دیکھ ہی نہ سکتا تھا، سیاہی تاریکی میں جذب ہو جاتی تھی۔ صرف آنکھوں کا رنگ سرخ تھا۔ جیسے پکا مسلمان پانچ بار نماز پڑھتا ہے۔ اسی طرح آپ پانچ بار شراب پیتے تھے۔ مفت کی شراب تو قاضی کو حلال ہے، پھر آپ تو شراب پر افسر ہی تھے، جتنی چاہیں پئیں کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ تھا۔ جب پیاس لگتی شراب پی لیتے جیسے کچھ رنگوں میں باہمی رفاقت ہے اسی طرح کچھ رنگوں میں باہمی مخالفت شراب کے مل جانے سے سیاہی اور بھی خوفناک ہو جاتی ہے۔

بابو صاحب نے پنڈت جی کو دیکھتے ہی کرسی سے اٹھ کر کہا ''اخا! آپ ہیں، آیئے آیئے، زہے نصیب! کوئی ہے؟ کہاں چلے گئے سب کے سب؟ جھکڑو، گوردین،

چھکوڑی، بھوانی، رام، غلام، کوئی ہے؟ کیا سب کے سب مر گئے؟''

چلو رام غلام، بھوانی، چھکوڑی، گوردین، جھکڑو! کوئی نہیں بولتا۔ سب مر گئے درجن بھر آدمی ہیں مگر وقت پر ایک کی بھی صورت نظر نہیں آتی۔ نہ سب کہاں غائب ہو جاتے ہیں آپ کے واسطے کرسی لاؤ۔

بابو صاحب نے یہ نام کئی بار دہرائے لیکن یہ نہ ہوا کہ پنکھا جھلنے والے دونوں آدمیوں میں سے کسی کو کرسی لانے کے لیے بھیج دیتے۔ تین چار منٹ کے بعد ایک کالا آدمی کھانستا ہوا آ کر بولا ''سرکار، اے تنا کی نوکری ہمارا کیں نا ہوئی۔ کہاں کہاں تلک ادھار باری لے لے کھائی مانگت مانگ تھتھر ہوتی گئیں''

بھال چندر: ''مت بکو، جا کر کرسی لاؤ۔ جب کوئی کام کرنے کو کہا گیا تو رونے لگتا ہے۔ کہیے پنڈت جی، وہاں سب خیریت ہے؟''

موٹے رام: ''کیا خیریت کہاں، بابو جی! اب خیریت کہاں؟ سارا گھر مٹی میں مل گیا''

اتنے میں کہار نے ایک ٹوٹا ہوا چیڑ کا صندوق لا کر رکھ دیا اور بولا

''کرسی میز ہمارا اٹھائے نا ہیں اتھٹ ہے''

پنڈت جی شرماتے ہوئے ڈرتے ڈرتے اس پر بیٹھے کہ مبادا کہیں ٹوٹ نہ جائے اور کلیانی کا وہ خط بابو صاحب کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

بھال چندر: ''اب اور کیسے مٹی میں ملے گا۔ اس سے بڑی اور کون مصیبت پڑے گی؟''

بابو اودے بھان لال سے میری پرانی دوستی تھی۔ آدمی نہیں ہیرا تھا۔ کیا دل تھا، کیا ہمت تھی (آنکھیں پونچھ کر) میرا تو جیسے داہنا ہاتھ ہی کٹ گیا۔ کھانے بیٹھتا ہوں تو لقمہ منہ میں نہیں جاتا۔ ان کی صورت آنکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ منہ جھوٹا کر کے اٹھ آتا ہوں۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ بھائی کے مرنے کا رنج بھی اس

سے کم ہی ہوتا۔ آدمی نہیں ہیرا تھا!

موٹے رام: ''سرکار، نگر میں اب ایسا کوئی رئیس ہی نہیں رہا''

بھال چندر: ''میں خوب جانتا ہوں پنڈت جی، آپ مجھ سے کیا کہتے ہیں۔ ایسے آدمی لاکھ دو لاکھ میں ایک ہوتا ہے۔ جتنا میں ان کو جانتا تھا، دوسرا نہیں جان سکتا۔ وہی تین بار کی ملاقات میں ان کا معتقد ہو گیا اور مرتے دم تک رہوں گا۔ آپ سمدھن صاحبہ کو کہہ دیجیے گا کہ مجھ دلی رنج ہے''

موٹے رام: ''آپ سے ایسی امید تھی۔ آپ جیسے بھلے آدمیوں کا ملنا مشکل ہے ورنہ آج کل بلا جہیز کے لڑکے کا بیاہ کون کرتا ہے''

بھال چندر: ''جہیز کی گفتگو ایسے راست باز لوگوں سے نہیں کی جاتی۔ ان سے تو رشتہ ہو جانا ہی لاکھ روپے کے برابر ہے۔ میں اسی کو اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ آہ دل کتنا فیاض تھا! روپیہ کو انہوں نے کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس کی تنکے کے برابر بھی پرواہ نہیں کی! برا رواج ہے! بے حد برا، میرا بس چلے تو جہیز لینے والوں اور دینے والوں دونوں ہی کو گولی سے اڑا ڈالوں۔ ہاں صاحب صاف گولی ماروں! پھر چاہے پھانسی کیوں نہ ہو جائے۔ پوچھو، آپ لڑکے کی شادی کرتے ہیں کہ اسے بیچتے ہیں۔ اگر آپ کو لڑکے کی شادی میں دل کھول کر خرچ کرنے کا ارمان ہے تو شوق سے خرچ کیجیے وہ اپنے بل بوتے پر۔ یہ کیا لڑکی کے باپ کا گلہ کاٹنا کمینہ پن ہے، بے حد کمینہ پن، میرا بس چلے تو ان پاجیوں کو گولی مار دوں''

موٹے رام: ''دھنیہ ہو سرکار! بھگوان نے آپ کو بڑی بدھی دی ہے۔ یہ دھرم کی برکت ہے۔ مالکن کی خواہش ہے کہ بیاہ کا مہورت وہی رہے اور تو انہوں نے ساری باتیں خط میں لکھ دی ہیں۔ بس اب آپ ہی ہاتھ لگائیں تو ہمارا بیڑا پار ہو سکتا ہے۔ اس طرح تو بات میں جتنے لوگ جائیں گے ان کی خاطر وہ کریں گے ہی مگر حالت اب بہت بدل گئی ہے۔ سرکار کوئی کرنے دھرنے والا نہیں ہے۔ بس ایسی بات کیجیے

کہ وکیل صاحب کے نام پر بٹہ نہ لگے۔''

بھال چند ایک منٹ کے لیے آنکھیں بند کیے بیٹھے رہے، پھر ایک لمبی سانس کھینچ کر بولے، ''ایشور کو منظور ہی نہ تھا۔ کہ وہ لکشمی میرے گھر آتی ورنہ کیوں یہ مصیبت نازل ہوتی؟ سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا کہ وہ مبارک وقت قریب آ رہا ہے۔ مگر کیا معلوم تھا کہ ایشور کے دربار میں کچھ اور سازش ہو رہی ہے۔ مرنے والے کی یاد ہی رولانے کے لیے کافی ہے۔ اسے دیکھ کر تو زخم اور بھی ہرا ہو جائے گا۔ اس حالت میں نہ جانے کیا کر بیٹھوں۔ اسے وصف سمجھیے یا عیب کہ جس سے ایک بار میری دوستی ہوگئی پھر اس کی یاد دل سے نہیں بھولتی۔ ابھی تو خیر اتنا ہی ہے کہ ان کی صورت آنکھوں میں گھومتی رہتی ہے مگر وہ لڑکی گھر میں آ گئی اس وقت تو میرا زندہ رہنا مشکل ہو جاوے گا۔ سچ مانیے روتے روتے میری آنکھیں پھوٹ جائیں گی۔ جانتا ہوں کہ رونا دھونا فضول ہے، جو مر گیا وہ لوٹ کر نہیں آ سکتا، صبر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے، مگر دل سے مجبور ہوں۔ اس اناتھ لڑکی کو دیکھ کہ میرا کلیجہ پھٹ جاوے گا''

موٹے رام: ''ایسا نہ کہیے، سرکار! وکیل صاحب نہیں ہیں تو کیا، آپ تو ہیں۔ اب آپ ہی اس کے باپ کی طرح ہیں۔ وہ اب وکیل صاحب کی نہیں آپ کی لڑکی ہے، آپ کے دل کی تو کوئی جانتا ہی نہیں، لوگ سمجھیں گے کہ وکیل صاحب کے مر جانے کی وجہ سے آپ اپنے وعدہ سے پھر گئے۔ اس میں آپ کی بدنامی ہے۔ دل کو ڈھارس دیجیے اور ہنسی خوشی سے لڑکی کو بیاہ لائیے۔ ہاتھی مرے بھی تو لاکھ کا۔ لاکھ مصیبت پڑی ہے مگر مالکن صاحبہ آپ لوگوں کا آدر ستکار کرنے میں کوئی بات اٹھا نہ رکھیں گی''

بابو صاحب سمجھ گئے کہ پنڈت موٹے رام صرف پوتھی ہی کے پنڈت نہیں بلکہ بات بیوپار میں بھی ہوشیار ہیں۔ بولے ''پنڈت جی، حلیفہ کہتا ہوں کہ مجھے اس لڑکی

سے جتنی محبت ہے اتنی اپنی لڑکی سے بھی نہیں جانب سے ہم کو ملی ہے۔ یہ کسی آنے والی مصیبت کی غیبی آواز ہے۔ ایشور صاف الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ یہ شادی مبارک نہ ہوگی۔ ایسی حالت میں آپ ہی سوچیے کہ یہ رشتہ کہاں تک مناسب ہے۔ آپ تو ودان آدمی ہیں۔ سوچیے جس کی شروعات ہی بدشگونی سے ہو، اس کا اخیر بھلا مبارک ہوسکتا ہے؟ نہیں، جان بوجھ کر مکھی نہیں نگلی جاتی۔ سمدھن صاحبہ سے سمجھا کر کہہ دیجیے گا کہ میں ان کا حکم ماننے کو تیار ہوں مگر اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ خود غرض بن کر میں اپنے دلی دوست کی اولاد کے ساتھ یہ بے انصافی نہیں کرسکتا۔''

اس منطق نے پنڈت جی کو لاجواب کر دیا۔ مدعی نے وہ تیر سر کیا تھا جس کی کوئی کاٹ ان کے پاس نہ تھی۔ دشمن نے انہیں کے ہتھیار سے ان پر وار کیا تھا اور وہ اس کا دفعیہ نہ کر سکتے تھے۔ وہ ابھی کوئی جواب سوچ ہی رہے تھے کہ بابو صاحب نے پھر نوکروں کو پکارنا شروع کیا ''ارے تم سب پھر غائب ہو گئے! جھکڑو، چھکوڑی، بھوانی، گردین، رام غلام ایک بھی نہیں بولتا، سب کے سب مر گئے۔ پنڈت کے واسطے کچھ پانی وانی کی بھی کچھ فکر ہے؟ نہ جانے ان سبھوں کو کوئی کہاں تک سمجھائے۔ عقل چھو تک نہیں گئی۔ دیکھ رہے ہیں کہ بھلا آدمی دور سے تھکا ماندہ چلا آ رہا ہے۔ مگر کسی کو ذرا بھی پروا نہیں! لاؤ پانی وانی رکھو! پنڈت جی! آپ کے لیے شربت تیار کراؤں یا پھلاہاری مٹھائی منگوادوں؟''

موٹے رام مٹھائیوں کے متعلق قیود کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ان کا اصول تھا کہ گھی سے سبھی چیزیں پاک ہو جاتی ہیں۔ رس گلے اور بیسنی لڈو انہیں بہت پسند تھے، مگر شربت سے انہیں رغبت نہ تھی۔ پانی سے پیٹ بھرنا ان کے اصول کے خلاف تھا۔ مائل سے بولے ''شربت پینے کی تو میری عادت نہیں، مٹھائی کھالوں گا''

بھال چندر: ''پھلاہاری نہ؟''

موٹے رام: ''اس کا مجھے کوئی خیال نہیں''

بھال چندر: ''ہے تو یہی بات، چھوت چھات سب ڈھکوسلا ہے۔ میں خود اس کا قائل نہیں، ارے ابھی تک کوئی نہیں آیا۔ چھکڑو، بھوانی، گردین، رام غلام کوئی تو بولے''

اب کے بھی وہی بوڑھا کہار کھانستا ہوا آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا ''سرکار! مور طلب دیدیں جائے۔ ایسی نوکری مو سے نہ ہوئی۔ کہاں تو (تک) دوری؟ دورت دورت گوڑ پیڑ ے لگت ہیں''

بھال چندر: ''کام کچھ کرو یا نہ کرو مطلب طلب پہلے چاہیے۔ دن بھر پڑے پڑے کھانسا کرو۔ طلب تو تمہاری چڑھ ہی رہی ہے۔ جا کر بازار سے ایک آنہ کی کوئی تازہ مٹھائی لا دوڑتا ہوا جا۔''

کہار کو یہ حکم دے کر بابو صاحب گھر میں گئے اور بیوی سے بولے ''وہاں سے ایک پنڈت جی آئے ہیں۔ یہ خط لائے ہیں، ذرا پڑھو تو''

بیوی صاحبہ کا نام، رنگیلی بائی تھا۔ گورے رنگ کی خوش دل عورت تھی۔ حسن و شباب اس سے رخصت ہو رہے تھے مگر کسی محبت کرنے والے کسی دوست کی طرح مچل مچل کر تیس سال تک جس کے گلے کا ہار رہے، اس کو چھوڑتے نہ بنتا تھا۔

رنگیلی بائی بیٹھی پان لگا رہی تھیں بولیں ''کہہ دیا نا کہ ہمیں وہاں بیاہ کرنا منظور نہیں؟''

بھال چندر: ''ہاں کہہ تو دیا مگر شرم کے مارے منہ سے لفظ نہ نکلتا تھا جھوٹھ موٹھ کا حیلہ کرنا پڑا''

رنگیلی: ''صاف بات کہنے میں شرم کیا؟ ہماری مرضی ہے نہیں کرتے کسی کا کچھ لیا تو نہیں ہے؟ جب دوسری جگہ دس ہزار نقد مل رہے ہیں تو وہاں کیوں نہ کروں؟ ان کی لڑکی کوئی سونے کی تھوڑی ہے۔ وکیل صاحب جیتے ہوتے تو شرماتے شرماتے بھی پندرہ بیس ہزار دے نکلتے اب وہاں کیا دھرا ہے؟''

بھال چندر: ''ایک مرتبہ قول دے کر پھر جانا اچھی بات نہیں۔ کوئی منہ پر کچھ نہ کہے مگر بدنامی ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ پھر بھی تمہاری ضد سے مجبور ہوں''

رنگیلی بائی نے پان کھا کر خط کھولا اور پڑھنے لگی۔ ہندی کی مہارت بابو صاحب کو تو بالکل نہ تھی اور اگرچہ رنگیلی بھی شاید ہی کبھی کوئی کتاب پڑھتی ہو، مگر خط وغیرہ پڑھ لیتی تھی۔ پہلی ہی سطر پڑھ کر اس کی آنکھیں آبگوں ہو گئیں اور خط کے خاتمہ پر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ایک ایک لفظ میں رقت تھی، ایک ایک حرف سے بے کسی ٹپک رہی تھی۔ رنگیلی بائی کا کڑا اپن پتھر کا نہیں لاکھ کا تھا جو ایک ہی آنچ میں پگھل جاتی ہے۔ کلیانی کی رقت آمیز تحریر نے اس کے خودغرض دل کو پگھلا دیا۔ بھرائی ہوئی آواز سے بولی ''ابھی براہمن بیٹھا ہے نا؟''

بھال چندر بیوی کے آنسوؤں کو دیکھ کر خشک ہوئے جاتے تھے۔ اپنے اوپر جھلا رہے تھے کہ ناحق میں نے یہ خط اس کو دکھایا۔ اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ ایسی غلطی ان سے کبھی نہ ہوئی تھی۔ مشتبہ لہجہ میں بولے، ''شاید بیٹھا ہو، میں نے تو جانے کو کہہ دیا تھا''

رنگیلی نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ پنڈت موٹے رام جی بگلے کی طرح دھیان لگائے بازار کے راستے کی طرف تاک رہے تھے۔ شوق سے مضطرب ہو کر کبھی یہ پہلو بدلتے کبھی وہ پہلو۔ ایک آنہ کی مٹھائی نے امید کی کمر تو پہلے ہی توڑ دی تھی۔ اس میں بھی تاخیر تو قیامت ہی تھی۔ انہیں بیٹھا دیکھ کر رنگیلی بول اٹھی۔ ''ہے ہے۔ ابھی ہے، جا کر کہہ دو کہ ہم بیاہ کریں گے، ضرور کریں گے۔ بیچاری بڑی مصیبت میں ہے''

بھال چندر: ''تم کبھی کبھی بچوں کی سی باتیں کرنے لگتی ہو۔ ابھی اس سے کہہ آیا ہوں کہ مجھے بیاہ کرنا منظور نہیں، جس کے لیے مجھے ایک لمبی چوڑی تمہید باندھنی پڑی۔ اب جا کر یہ بات کہوں گا تو وہ اپنے دل میں کیا کہے گا؟ ذرا سوچو تو یہ بیاہ کا

معاملہ ہے، لڑکوں کا کھیل نہیں ہے کہ ابھی ایک بات طے کی اور ابھی پلٹ گئے۔ بھلے آدمی کی بات نہ ہوئی، دل لگی ہوئی"

رنگیلی: "اچھا تم اپنے منہ سے مت کہو۔ اس برہم کو میرے پاس بھیج دو میں اس طرح سمجھا دوں گی کہ تمہاری بات بھی رہ جائے اور میری بھی۔ اس میں تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے"

بھال چندر: "تم تو اپنے سوا ساری دنیا کو نادان سمجھتی ہو۔ تم کھویا میں کہوں۔ بات ایک ہی ہے۔ جو بات طے ہو گئی۔ وہ ہو گئی، اب میں اسے پھر نہیں اٹھانا چاہتا۔ تمہیں تو بار بار کہتی تھیں کہ میں وہاں بیاہ نہ کروں گی۔ تمہارے ہی سبب مجھے اپنی بات پلٹنی پڑی۔ اب تم پھر رنگ بدلتی ہو، یہ تو میری چھاتی پر مونگ دلنا ہے۔ آخر تمہیں کچھ تو میری عزت بے عزتی کا خیال ہونا چاہیے"

رنگیلی: "تو مجھے کیا معلوم تھا کہ بیوہ کی حالت اتنی بری ہو گئی ہے۔ تمہیں نے تو کہا تھا کہ اس نے اپنے شوہر کی ساری دولت چھپا رکھی ہے اور اپنی غریبی کا ڈھونگ رچا کر کام نکالنا چاہتی ہے، ایک ہی چھٹی ہوئی عورت ہے۔ تم نے جو کہا اسے میں نے مان لیا۔ بھلائی کر کے برائی کرنے میں تو شرم و غیرت ہے۔ برائی کر کے بھلائی کرنے میں کوئی شرم و غیرت نہیں۔ اگر تم ہاں کر آئے ہوتے اور میں نہیں کرنے کو کہتی تو تمہارا ہچکچانا مناسب ہوتا۔ نہیں کرنے کے بعد ہاں کرنے میں تو اور اپنی بڑائی ہی ہے"

بھال چندر: "تمہیں بڑائی معلوم ہوتی ہو، مگر مجھے کمینہ پن ہی معلوم ہوتا ہے۔ پھر تم نے یہ کیسے مان لیا کہ میں نے وکیل صاحب کی بیوہ کے بارے میں جو بات کہی تھی۔ وہ جھوٹی تھی کیا یہ خط پڑھ کر؟ تم جیسے خود سیدھی سادی ہو ایسے ہی دوسروں کو سمجھتی ہو"

رنگیلی: "اس خط میں بناوٹ نہیں معلوم ہوتی۔ بناوٹ کی بات دل میں بیٹھتی نہیں۔

اس میں بناوٹ کی بو ضرور رہتی ہے‘‘

بھال چندر: ’’بناوٹ کی بات تو دل میں ایسی بیٹھتی ہے کہ سچ بات اس کے سامنے بالکل پھیکی معلوم ہوتی ہے۔ یہ قصہ کہانی لکھنے والے جن کی کتابیں پڑھ پڑھ کر گئی گھنٹوں روتی ہو، کیا سچ باتیں لکھتے ہیں؟ سراسر جھوٹ کا طوفان باندھتے ہیں، یہ بھی ایک ہنر ہے‘‘

رنگیلی: کیوں جی تم مجھ سے بھی اڑتے ہو؟ دائی سے پیٹ چھپاتے ہو؟ میں تمہاری باتیں مان لیتی ہوں تو تم سمجھتے ہو کہ اس کو چکما دے دیا مگر میں تمہاری ایک ایک رگ پہچانتی ہوں۔ تم اپنا عیب میرے سر منڈھ کر خود بے داغ بننا چاہتے ہو؟ بولو کچھ جھوٹ کہتی ہوں؟ جب وکیل صاحب جیتے تھے تو تم نے سوچا تھا کہ قرار کی ضرورت ہی کیا ہے، جتنا مناسب سمجھیں گے دے دیں گے۔ بلکہ بلا قرار کے اور زیادہ ملنے کی امید ہوگی۔ اب جو وکیل صاحب کا سورگباش ہو گیا تو طرح طرح کے حیلے کرنے لگے۔ یہ شرافت نہیں کمینہ پن ہے۔ اس کا الزام بھی تمہارے ہی سر ہے۔ میں اب شادی بیاہ کے قریب نہ جاؤں گی۔ تمہاری جیسی مرضی ہو کرنا۔ ڈھونگی آدمیوں سے مجھے چڑھ ہے۔ جو بات کرو صفائی سے کرو، برا ہو یا بھلا ’’ہاتھی کے دانت کھانے کے اور‘‘ والی مثال پر چلنا تمہارے لیے بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ بولو اب بھی وہاں شادی کرتے ہو یا نہیں؟‘‘

بھال چندر: ’’جب میں بے ایمان، دغا باز اور جھوٹا ٹھہرا تو مجھ سے پوچھنا ہی کیا؟ مگر خوب پہچانتی ہو آدمیوں کو! کیا کہنا ہے، تمہاری اس سوجھ بوجھ کے بلہاری!‘‘

رنگیلی: ’’ہو بڑے حیادار، اب بھی نہیں شرماتے، ایمان سے کہو، میں نے بات تاڑ لی کہ نہیں؟‘‘

بھال چندر: ’’اجی جاؤ، دوسری عورتیں ہوتی ہیں جو مردوں کو پہچانتی ہیں۔ اب تک میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ عورتوں کی نگاہ بہت باریک ہوتی ہے، مگر وہ آج بھرم

جاتا رہا، اور مہاتماؤں نے عورتوں کے بارے میں جو اہم باتیں کہی ہیں ان کو ماننا پڑا''

رنگیلی: ''ذرا آئینہ میں صورت دیکھ آؤ تمہیں میری قسم ہے۔ ذرا دیکھ لو۔ کتنا جھینپے ہوئے ہو''

بھال چندر: ''سچ کہنا کتنا جھینپا ہوا ہوں''

رنگیلی: ''اتنا ہی جتنا کوئی بھلا مانس چور چوری کھل جانے پر جھینپتا ہے''

بھال چندر: ''خیر جھینپنا ہی مگر شادی وہاں نہ ہوگی''

رنگیلی: ''میری بلا سے! جہاں چاہے کرو۔ کیوں، بھون سے ایک بار کیوں نہیں پوچھ لیتے؟''

بھال چندر: ''اچھی بات ہے اسی پر فیصلہ رہا''

رنگیلی: ''ذرا بھی اشارہ نہ کرنا''

بھال چندر: ''اجی میں اس کی طرف دیکھوں گا بھی نہیں''

اتفاقاً ٹھیک اسی وقت بھون موہن بھی آ پہنچا۔ ایسے شکیل، سڈول اور مضبوط نوجوان کالج میں کم نظر آتے ہیں بالکل ہی مشابہ تھا۔ وہی گورا صاف رنگ، وہی نازک گلاب کے پنکھڑی جیسے ہونٹ، وہی چوڑا ماتھا، وہی بڑی بڑی آنکھیں، البتہ قد باپ کا سا تھا۔ اونچا کوٹ، بریچز ٹائی، بوٹ، ہیٹ اس کے بدن پر بہت بھلے لگتے تھے۔ ہاتھ میں ایک ہاکی اسٹک بھی، رفتار میں شباب کا غرور تھا اور آنکھوں میں خود داری کی جھلک۔ رنگیلی نے کہا'' آج تم نے بڑی دیر کی۔ یہ دیکھو، تمہاری سسرال سے ایک خط آیا ہے۔ تمہاری ساس کا لکھا ہوا۔ صاف صاف بتلا دو، ابھی وقت ہے، کہ تمہیں وہاں بیاہ کرنا منظور ہے کہ نہیں''

بھون: ''کرنا تو چاہیے اماں، مگر میں کروں گا نہیں''

رنگیلی: ''کیوں؟''

بھون: ''کہیں ایسی شادی کروایئے کہ خوب روپے ملیں۔ اور نہ سہی، کم سے کم ایک لاکھ تو ملیں۔ وہاں اب کیا رکھا ہے؟ وکیل صاحب تو اب رہے نہیں، بڑھیا کے پاس کیا ہوگا؟''

رنگیلی: ''تمہیں ایسی باتیں منہ سے نکالتے شرم نہیں آتی؟''

بھون: ''اس میں شرم کی کونسی بات ہے؟ روپے کسے کاٹتے ہیں؟ لاکھ روپے تو لاکھ جنم میں بھی نہ جمع کر پاؤں گا۔ اس سال پاس بھی ہوگیا تو کم از کم پانچ سال تک تو روپے کی صورت نہ دکھائی پڑے گی۔ پھر سو دوسو روپے ماہوار کمانے لگوں گا۔ پانچ چھ سو تک پہنچتے پہنچتے عمر کا تین چوتھائی حصہ ختم ہو جاوے گا، روپے جمع کرنے کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ دنیا کا کچھ لطف نہ حاصل کر سکوں گا۔ کسی امیر کی لڑکی سے شادی ہو جاتی تو چین سے گزرتی، میں زیادہ نہیں چاہتا بس ایک لاکھ نقد ہو یا پھر کوئی ایسی جائیداد والی بیوہ ملے، جس کی ایک ہی لڑکی ہو!''

رنگیلی: ''چاہے عورت کیسی ہی ملے؟''

بھون: ''روپیہ سارے عیبوں کو چھپائے گا۔ مجھے دو گالیاں بھی سنائے تو چوں نہ کروں۔ دودھار گائے کی لات کسے بری معلوم ہوتی ہے؟''

بابو صاحب نے تعریف کے لہجہ میں کہا ''تمہیں ان لوگوں سے ہمدردی ہے اور رنج ہے کہ ایشور نے انہیں مصیبت میں ڈالا۔ لیکن عقل سے کام لے کر ہی کوئی بات طے کرنی چاہیے۔ ہم کتنے ہی پھٹے حالوں سے جائیں پھر بھی اچھی خاصی بارات ہو جائے گی۔ وہاں کھانے تک ٹھکانا نہیں۔ سوائے اس کے کہ لوگ ہنسیں اور کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔''

رنگیلی: ''تم باپ بیٹے دونوں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ دونوں اس غریب لڑکی کے گلے پر چھری چلانا چاہتے ہو''

بھون: ''جو غریب ہے اسے غریبوں ہی کے یہاں رشتہ بندی کرنا چاہیے۔ اپنی

حیثیت سے بڑھ کر''

رنگیلی: ''چپ بھی رہ۔ آیا ہے وہاں سے حیثیت لے کر، تم کہاں کے ایسے دھنی سیٹھ ہو؟ کوئی آدمی دروازے پر آ جائے تو ایک لوٹا پانی کو ترس جائے بڑی حیثیت والے بنے ہیں''

یہ کہہ کر رنگیلی وہاں سے اٹھ کر رسوئی ٹھیک کرنے چلی گئی۔ بھون موہن مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا اور بابو صاحب اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے باہر آئے کہ موٹے رام کو آخری فیصلہ سنا دیا۔ مگر ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔

موٹے رام جی کچھ دیر تک تو کہار کا انتظار کرتے رہے۔ جب اس کے آنے میں بہت دیر ہو گئی تو ان سے بیٹھا نہ گیا، سوچا یہاں بیٹھے بیٹھے کام نہ چلے گا۔ کچھ تدبیر کرنی چاہیے۔ تقدیر کے بھروسے یہاں اڑے بیٹھے رہے تو بھوکوں مر جائیں گے۔ یہاں تمہاری دال نہیں گلنے کی! چپکے سے چھڑی اٹھائی اور جدھر وہ کہار گیا تھا اس طرف چلے۔ بازار ذرا ہی دور تھا۔ ایک لمحہ میں جا پہنچے۔ دیکھا تو بڈھا کہار ایک حلوائی کی دکان پر بیٹھا چلم پی رہا ہے۔ اسے دیکھتے ہی آپ نے بڑی بے تکلفی سے کہا ''ابھی کچھ تیار نہیں ہے کیا مہرا؟ سرکار وہاں بیٹھے بگڑ رہے ہیں کہ جا کر سو گیا یا کہیں تاڑی پینے لگا۔ میں نے کہا کہ سرکار یہ بات نہیں، بڈھا آدمی ہے آتے ہی آتے تو آئے گا۔ عجب آدمی ہیں، نہ جانے ان کے یہاں نوکر کا کیسے نباہ ہوتا ہے''

کہار: ''مجھے چھوڑ کر آج تک تو دوسرا ٹکا نہیں اور نہ ٹکے گا۔ سال بھر سے طلب نہیں ملی۔ کسی کی طلب نہیں دیتے۔ جہاں کسی نے طلب مانگی اور لگے ڈانٹنے، بے چارہ نوکر چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ وہ دونوں آدمی جو پنکھا جھل رہے تھے۔ سرکاری نوکر ہیں۔ سرکار سے دو آدمی ملے ہیں۔ اس لیے پڑے ہوئے ہیں، میں بھی سوچتا ہوں کہ جیسا تیرا تانا ویسی میری بھرنی۔ دس سال کٹ گئے ہیں۔ سال دو سال اور اس طرح کٹ جائیں گے''

موٹے رام: ''تو تم اکیلے ہی ہو؟ نام تو کئی کہاروں کا سنتے ہیں''

کہار: ''وہ سب ان دو تین مہینوں کے اندر آئے اور چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے یہ اپنا رعب جمانے کو ابھی ان کا نام جپا کرتے ہیں۔ کہیں نوکری دلائیے گا؟ چلوں؟''

موٹے رام: ''اجی بہت نوکری ہیں۔ کہار تو آج کل ڈھونڈے نہیں ملتے تم تو پرانے آدمی ہو۔ تمہارے لیے نوکری کی کون کمی ہے۔ وہاں کوئی تازہ چیز مجھ سے کہنے لگے کچھڑی بنایئے گا یا باٹی لگایئے۔ میں نے کہہ دیا سرکار وہ بڈھا آدمی ہے۔ رات کو اسے میرا کھانا پکانے میں تکلیف ہوگی۔ میں بازار میں کھا لوں گا۔ اس کی آپ فکر نہ کریں۔ بولے اچھی بات ہے۔ کہار آپ کو دکان پر ملے گا۔ بولو شاہ جی کچھ تر مال ہے؟ لڈو تو تازہ معلوم ہوتے ہیں، تول دو ایک سیر بھر، آ جاؤں وہیں پر نہ؟''

یہ کہہ کر موٹے رام جی حلوائی کی دکان پر جا بیٹھے اور لگے تر مال چکھنے۔ خوب چکھ کر کھایا۔ ڈھائی تین سیر چٹ کر گئے۔ کھاتے جاتے اور حلوائی کی تعریف کرتے جاتے تھے ''شاہ جی تمہاری دکان کا جیسا نام سنا تھا ویسا ہی مال بھی پایا۔ بنارس والے ایسے رس گلے نہیں بناتے۔ قلاقند را چھی بناتے ہیں۔ پر تمہاری ان سے بری نہیں۔ مال ڈالنے سے اچھی چیز نہیں بن جاتی۔ ہنر چاہیے۔''

حلوائی: ''کچھ اور لیجیے مہاراج تھوڑی سی ربڑی میری طرف سے لے لیجیے''

موٹے رام: ''بھوک تو نہیں ہے، لیکن دے دو پاؤ بھر!''

حلوائی: ''پاؤ بھر کیا کیا کیجیے گا، چیز اچھی ہے، آدھ سیر تو لیجیے''

خوب شکم سیر ہونے کے بعد پنڈت جی نے تھوڑی دیر بازار کی سیر کی۔ اور نو بجتے بجتے مکان پر پہنچے۔ یہاں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ایک لالٹین جل رہی تھی۔ آپ نے بستر جمایا اور سو گئے۔

صبح اپنی عادت کے موافق کوئی آٹھ بجے اٹھے۔ دیکھا کہ بابو صاحب ٹہل رہے ہیں۔ انہیں جگا ہوا دیکھ کر وہ پالاگن کر کے بولے ''مہاراج، آپ کہاں چلے گئے؟

میں بڑی رات تک آپ کی راہ دیکھتا رہا۔ کھانے کا سب سامان بڑی دیر تک رکھا رہا۔ جب آپ نہ آئے تو رکھوا دیا گیا۔ آپ نے کچھ بھوجن کیا تھا یا نہیں؟"

موٹے رام: "حلوائی کی دکان سے کچھ کھا آیا تھا"

بھال چندر: "اجی پوری مٹھائی میں وہ مزہ کہاں جو بھاٹی اور دال میں ہے۔ دس بارہ آنے خرچ ہوئے ہوں گے اور پھر بھی پیٹ نہ بھرا ہو گا۔ آپ میرے مہمان ہیں، جتنے پیسے لگے ہوں لے لیجیے گا"

موٹے رام: "آپ ہی کے حلوائی کی دکان پر کھا آیا تھا۔ وہ جونکڑ پر بیٹھا ہے"

بھال چندر: "کتنے پیسے دینے پڑے؟"

موٹے رام: "آپ کے حساب میں لکھ دیئے ہیں"

بھال چندر: "جتنی مٹھائی لی ہو۔ مجھے بتا دیجیے ورنہ بعد کو بے ایمانی کرنے لگے گا۔ ایک ہی ٹھگ ہے"

موٹے رام: "کوئی ڈھائی سیر مٹھائی تھی اور آدھ سیر ربڑی"

بابو صاحب نے تعجب آمیز نگاہوں سے پنڈت جی کو دیکھا گویا کوئی انوکھی بات سنی ہو۔ تین سیر تو یہاں کبھی مہینہ بھر کا ٹوٹل بھی نہ ہوتا تھا اور یہ حضرت ایک ہی بار کوئی چار روپے کا مال اڑا گئے۔ اگر ایک آدھ روز اور رہ گئے تو دیوالہ ہی نکل جائے گا۔ پیٹ ہے یا شیطان کی قبر۔ تین سیر! کچھ ٹھکانا ہے ایک پریشانی کی حالت میں دوڑے ہوئے اندر گئے اور رنگیلی سے بولے کچھ سنتی ہو۔ یہ حضرت کل تین سیر مٹھائی اڑا گئے۔ سیر پکی تول!

رنگیلی بائی نے متحیر ہو کر کہا "اجی نہیں، تین سیر بھلا کیا کھائے گا، آدمی ہے یا بیل؟"

بھال چندر: "تین سیر تو وہ اپنے منہ سے کہہ رہا ہے۔ چار سیر سے کم نہ کھایا ہو گا، پکی تول"

رنگیلی: ''پیٹ میں سنیچر ہے کیا؟''

بھال چندر: ''آج اور رہ گیا تو چھ سیر پر ہاتھ صاف کرے گا''

رنگیلی: ''تو آج رہے کیوں؟ خط کا جواب جو دینا ہو، دے کر رخصت کرو۔ اگر رہے تو صاف کہہ دینا کہ ہمارے یہاں مٹھائی مفت نہیں آتی، کھچڑی بنانا ہو تو بنائیں ورنہ اپنی راہ لیں۔ جنہیں ایسے پیٹوؤں کو کھلانے سے مکتی (نجات) ملتی ہو وہ کھلائیں۔ ہمیں ایسی مکتی نہ چاہیے''

مگر پنڈت جی رخصت ہونے کو تیار بیٹھے تھے اس لیے بابو صاحب کو کسی چالاکی سے کام لینے کی ضرورت نہ پڑی پوچھا کیا تیاری کر دی مہاراج

موٹے رام: ''ہاں سرکار، اب چلوں گا۔ نو بجے کی گاڑی ملے گی نا؟''

بھال چندر: ''بھلا آج تو اور رہیے''

یہ کہتے کہتے بابو صاحب کو خوف ہوا کہ کہیں یہ مہاراج سچ مچ نہ رہ جائیں اس لیے اس جملہ کو یوں پورا کیا، ''وہاں لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے''

موٹے رام: ''ایک دو دن کی تو بات نہ تھی۔ اور ارادہ بھی یہی تھا کہ گومتی میں اشنان کروں گا۔ مگر برا نہ مانیے تو کہوں۔ آپ لوگوں میں برہمنوں کی کچھ بھی بھگتی نہیں ہے۔ ہمارے ججمان ہیں جو ہمارا منہ جوہتے رہتے ہیں کہ پنڈت جی کوئی آگیا (حکم) دیں تو اس کا پالن (تعمیل) کریں۔ ہم ان کے دروازہ پر پہنچ جاتے ہیں تو وہ اپنا دھنیہ بھاگ مانتے ہیں اور سارا گھر مع چھوٹے بڑوں کے ہماری خاطر کرنے میں لگ جاتا ہے۔ جہاں اپنا آدر نہیں ایک چھن (لمحہ) بھی ہمیں ٹھہرنا ناگوار ہے، جہاں برہمن کا آدر نہیں وہاں کلیان نہیں ہو سکتا۔''

بھال چندر: ''مہاراج! ہم سے تو ایسا اپرادھ (قصور) نہیں ہوا''

موٹے رام: ''اپرادھ نہیں ہوا! اپرادھ کسے کہتے ہیں؟ ابھی آپ ہی نے گھر جا کر کہا کہ یہ حضرت تین سیر مٹھائی چٹ کر گئے۔ پکی تول! آپ نے ابھی کھانے

والے دیکھے کہاں؟ ایک بار کھلایئے تو آنکھیں کھل جائیں۔ ایسے ایسے مہمان (بڑے) پرش پڑے ہوئے ہیں، جو پنسیری بھر مٹھائی کھانے کے لیے ہماری خوشامد کی جاتی ہے۔ روپے دیئے جاتے ہیں۔ ہم فقیر نہیں جو آپ کے دروازے پر پڑے رہیں۔ آپ کا نام سن کر آئے تھے۔ یہ نہ جانتے تھے کہ یہاں بھوجن کے بھی لالے پڑیں گے۔ جایئے بھگوان آپ کا بھلا کریں''

بابو صاحب اس قدر نادم ہوئے کہ منہ سے بات نہ نکلی۔ زندگی میں انہیں کبھی ایسی لعنت ملامت نہ کی گئی تھی، بہت باتیں بنائیں۔ ''آپ کا ذکر نہ تھا۔ ایک دوسرے ہی شخص کی بات تھی، لیکن پنڈت کا غصہ فرو نہ ہوا۔ وہ سب کچھ برداشت کرسکتے تھے مگر اپنے پیٹ کی مت نہیں۔ عورتوں کو عورت کی مذمت جتنی بری لگتی ہے، اس سے کہیں بری مردوں کو اپنے پیٹ کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔ بابو صاحب سناتے تو تھے مگر یہ کھٹکا بھی لگا ہوا تھا کہ یہ ٹھہر نہ جائیں۔ ان کے بخل کا پردہ فاش ہو گیا تھا۔ اب اس میں کچھ شک نہ تھا۔ اس پردہ کو ڈھکنا ضروری تھا۔ اپنے بخل کی پردہ داری کے لیے انہوں نے کوئی بات اٹھا نہ رکھی تھی۔ مگر شدنی ہو کر رہی! پچھتا رہے تھے کہ کہاں سے گھر میں اس کی بات کہنے گیا اور کہا بھی تو بلند آواز میں۔ یہ کمبخت بھی کان لگائے سنتا رہا! مگر پچھتانے سے کیا ہوسکتا تھا؟ نہ جانے کس منحوس کی شکل دیکھی تھی کہ یہ مصیبت پڑی۔ اگر اس وقت یہاں سے خفا ہو کر چلا گیا تو وہاں جا کر بدنام کرے گا اور میرا سارا پردہ فاش ہو جائے گا۔ اب تو اس کا منہ بند کر دینا ہی پڑے گا۔''

یہ سوچتے ہوئے گھر میں جا کر رنگیلی بائی سے بولے ''اس دشٹ نے ہماری تمہاری باتیں سن لیں۔ روٹھ کر چلا رہا ہے''

رنگیلی: ''جب تم جانتے تھے کہ دروازے پر کھڑا ہے تو آہستہ کیوں نہ بولے؟''

بھال چندر: ''مصیبت آتی ہے تو اکیلے نہیں آتی۔ میں کیا جانتا تھا کہ دروازے پر

کان لگائے کھڑا ہے''

رنگیلی: ''نہ جانے کس کا منہ دیکھا تھا''

بھال چندر: ''وہی دشٹ سامنے لیٹا ہوا تھا۔ جانتا تو ادھر دیکھتا ہی نہ' اب تو اسے کچھ دے دلا کر راضی کرنا پڑے گا''

رنگیلی: ''اونہہ، جانے بھی دو۔ جب تمہیں وہاں شادی ہی نہیں کرنی تو کیا پرواہ ہے۔ جو چاہے سمجھے، جو چاہے کہے''

بھال چندر: ''یوں نہ جان بچے گی۔ لاؤ دس روپے رخصتانہ کے بہانے دے دوں۔ ایشور پھر اس منحوس کی صورت نہ دکھائے۔ رنگیلی نے بہت پچھتاتے ہوئے دس روپے نکالے اور بابو صاحب نے جا کر پنڈت جی کے قدموں پر رکھ دیئے پنڈت جی نے دل میں کہا دھت تیرے مکھی چوس کی! ایسا رگڑا کہ یاد ہی کرو گے۔ تم سمجھتے ہو گے کہ دس روپے دے کر اسے الو بنا لوں گا۔ اس پھیر میں نہ رہنا۔ یہاں تمہاری نس نس پہچانتے ہیں۔ روپے جیب میں رکھ لیے اور آشیر واد (دعا) دے کر اپنی راہ لی۔''

4

کلیانی کے لیے اب ایک مشکل سوال پیدا ہو گیا تھا۔ شوہر کی وفات کے بعد اسے اپنی بری حالت کا یہ پہلا اور تلخ تجربہ ہوا۔ غریب بیوہ کے لیے اس سے بڑھ کر اور کونسی مصیبت ہو سکتی ہے کہ جوان لڑکی سر پر موجود ہو؟ لڑکے برہنہ پا، پڑھنے جا سکتے ہیں، چوکا برتن بھی اپنے ہاتھ سے کیا جا سکتا ہے؟ جھونپڑے میں دن گزارے جا سکتے ہیں۔ مگر جوان لڑکی گھر میں نہیں بٹھائی جا سکتی۔ کلیانی کو بھال چندر پر ایسا غصہ آتا تھا کہ میں خود جا کر اس کے منہ میں کالکھ لگاؤں۔ اس کے سر کے بال نوچ ڈالوں۔ کہوں ''تو اپنی بات سے پھر گیا تو اپنے باپ کا بیٹا نہیں!'' پنڈت موٹے رام نے ان کی قلعی اچھی طرح کھول دی تھی۔

وہ غصہ میں بھری بیٹھی تھی کہ کرشنا کھیلتی ہوئی آئی اور بولی'' کے دن میں بارات آئے گی، اماں؟ پنڈت جی تو آ گئے''

کلیانی: ''بارات کا سپنا دیکھ رہی ہے کیا''

کرشنا: ''وہی چندر تو کہہ رہا ہے کہ دو تین دن میں بارات آئے گی۔ کیا نہ آئے گی اماں؟''

کلیانی: ''ایک بار تو کہہ دیا سر کیوں کھاتی ہے؟''

کرشنا: ''سب کے گھر تو بارات آ رہی ہے۔ ہمارے یہاں کیوں نہیں آتی''

کلیانی: ''تیرے یہاں جو بارات لانے والا تھا اس کے گھر میں آگ لگ گئی''

کرشنا: ''سچ اماں تب تو سارا گھر جل گیا ہوگا۔ کہاں رہتے ہوں گے؟ بہن کہاں جا کر رہے گی؟''

کلیانی: ''ارے پگلی تو تو بات نہیں سمجھتی آگ نہیں لگی۔ وہ ہمارے یہاں بیاہ نہ کرے گا''

کرشنا: ''یہ کیوں اماں؟ پہلے تو وہاں ٹھیک ہو گیا تھا نہ؟''

کلیانی: ''بہت سے روپے مانگتا ہے۔ میرے پاس اسے دینے کو روپے نہیں ہیں''

کرشنا: ''کیا وہ بڑے لالچی ہیں اماں؟''

کلیانی: ''لالچی نہیں تو اور کیا ہیں۔ پورا قصائی، بے درد، دغا باز!''

کرشنا: ''تب تو اماں بہت اچھا ہوا۔ بہن ان کے ساتھ کیسے رہتی؟ یہ تو خوش ہونے کی بات ہے، اماں تو رنج کیوں کرتی ہو''

کلیانی نے لڑکی کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔ اس کا کہنا کتنا سچ ہے۔ بھولے بھالے لفظوں میں سوال کا کتنا اثر کر دینے والا جواب ہے، سچ سچ یہ خوش ہونے کی بات ہے کہ ایسے برے لوگوں سے ناطہ نہیں ہوا۔ اس میں رنج کی تو کوئی بات نہیں، ایسے برے آدمیوں میں بیچاری نرملا کی نہ جانے کیا دردشا ہوتی۔ اپنے بھاگ کو

روتی۔ ذرا سا گھی دال میں زیادہ پڑ جاتا تو سارے گھر میں شور مچ جاتا۔ ذرا کھانا زیادہ پک جاتا تو ساس دنیا سر پر اٹھا لیتی۔ لڑکا بھی ایسا ہی لالچی ہے۔ بڑی اچھی بات ہوئی۔ ورنہ بیچاری کو تمام عمر رونا پڑتا۔ کلیانی یہاں سے ابھی تو اس کا دل ہلکا ہو گیا تھا۔

مگر شادی تو کرنی ہی تھی اور ممکن ہوا اس سال ورنہ دوسرے سال تو پھر نئے سال سے تیاریاں کرنی پڑیں گی۔ اب تو اچھے گھر کی ضرورت نہ تھی، اچھے بر کی ضرورت نہ تھی۔ بدنصیب کو اچھا گھر اور بر کہاں ملتا ہے؟ اب تو کسی طرح سر کا بوجھ اتارنا تھا۔ کسی طرح لڑکی کو پار لگانا تھا۔ اسے کنوئیں میں دھکیلنا تھا! وہ خوب صورت ہے، خوش خو ہے، ہوشیار ہے؟ معزز ہے تو ہوا کرے، جہیز نہیں تو اس کے جملہ اوصاف عیوب ہیں۔ اور جہیز ہے تو جملہ عیوب اوصاف ہیں۔ انسان کی کوئی قدر نہیں، صرف جہیز کی قدر ہے! قسمت کا کتنا دل ہلا دینے والا کھیل ہے!

کلیانی کا کچھ قصور نہ تھا۔ بے کس اور بیوہ ہونا ہی اسے الزام سے بری نہیں کر سکتا تھا۔ اس کو اپنے لڑکے اپنی لڑکیوں سے کہیں زیادہ عزیز تھے۔ لڑکے ہل کے بیل ہیں۔ بھوسہ کھلی پر پہلا حق ان کا ہے۔ پھر ان کے کھانے سے جو بچ رہے وہ گائیوں کا! مکان تھا، کچھ نقد تھا۔ کئی ہزار کے گہنے تھے۔ مگر اسے ابھی دو لڑکوں کی پرورش کرنی تھی، انہیں پڑھانا لکھانا تھا۔ ایک اور لڑکی چار پانچ سال میں بیاہ کے لائق ہو جاوے گی۔ اس لیے وہ کوئی بڑی رقم جہیز میں نہ دے سکتی تھی۔ آخر لڑکوں کو بھی تو کچھ چاہیے، وہ کیا سمجھیں گے کہ ہمارا بھی کوئی باپ تھا۔

پنڈت موٹے رام کو لکھنو سے لوٹے پندرہ روز گزر چکے تھے۔ لوٹنے کے بعد وہ دوسرے ہی روز سے لڑکے کی کھوج میں نکلے تھے۔ انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ ان لکھنو والوں کو دکھا دوں گا کہ دنیا میں تمہیں اکیلے نہیں ہو بلکہ تمہارے جیسے بہت پڑے ہوئے ہیں۔ کلیانی روز دن گنا کرتی تھی۔ آج اس نے ان کو خط لکھنے کا تہیہ کر

لیا تھا۔ وہ قلم دوات لے کر بیٹھی ہی تھی کہ پنڈت موٹے رام نے قدم رنجہ فرمایا

کلیانی: آیئے پنڈت جی ''میں تو آپ کو خط لکھنے جا رہی تھی کب لوٹے؟''

موٹے رام: ''لوٹا تو بڑے سویرے ہی تھا۔ مگر اسی وقت ایک سیٹھ کے یہاں سے بلاوا آ گیا۔ کئی روز سے تر مال نہ ملا تھا۔ میں نے کہا کہ لگے ہاتھ اس کام کو نبٹاتا چلوں۔ ابھی وہیں سے چلا آ رہا ہوں۔ کوئی پانچ سو برہمنوں کا بھوجن تھا۔''

کلیانی: ''کچھ کام بھی ٹھیک ہوا یا راستہ ہی ناپنا پڑا''

موٹے رام: ''کام کیوں ٹھیک نہ ہوتا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ پانچ جگہ بات چیت کر آیا ہوں۔ پانچوں کی نقل لایا ہوں۔ ان میں سے آپ جسے چاہیں پسند کر لیں۔ یہ دیکھئے لڑکے کا باپ ڈاک کے محکمہ میں سو روپیہ ماہوار کا ملازم ہے لڑکا ابھی کالج میں پڑھ رہا ہے مگر نوکری ہی کا بھروسہ ہے۔ گھر میں کوئی جائیداد نہیں۔ لڑکا ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ خاندان بھی اچھا ہے، دو ہزار میں بات طے ہو جائے گی۔ مانگتے تو وہ تین ہزار ہیں''

کلیانی: ''لڑکے کے اور بھی بھائی ہیں؟''

موٹے رام: ''نہیں مگر تین بہنیں ہیں اور تینوں کنواری، ماں زندہ ہیں۔ اچھا، اب دوسری نقل دیکھئے۔ یہ لڑکا ریل کے محکمہ میں پچاس روپیہ ماہوار پاتا ہے، ماں باپ نہیں ہیں، نہایت خوبصورت، بہت اچھے سو بھاؤ والا خوب مضبوط بدن کا کسرتی جوان ہے، مگر خاندان اچھا نہیں، کوئی کہتا ہے، ماں نائن تھی کوئی کہتا ہے ٹھکرانی تھی، باپ کسی ریاست میں مختار تھے۔ گھر پر کچھ زمین داری ہے مگر اس پر کئی ہزار کا قرضہ ہے۔ یہاں کچھ لینا۔ دینا نہ پڑے گا۔ عمر کوئی بیس سال ہوگی''

کلیانی: ''خاندان میں داغ نہ ہوتا تو منظور کر لیتی۔ دیکھ کر تو مکھی نہیں نگلی جاتی''

موٹے رام: ''تیسری نقل دیکھیے، ایک زمین دار کا لڑکا ہے۔ کوئی ایک ہزار سالانہ منافع ہے۔ کچھ کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ لڑکا پڑھا لکھا تھوڑا ہی ہے۔ مگر کچہری عدالت

کے کام میں ہوشیار ہے۔ دوسرا بیاہ ہوگا۔ پہلی عورت کو مرے دو سال ہوئے۔ اس سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ لیکن رہن سہن (طرز معاشرت) موٹا ہے۔ پیسنا کوٹنا گھر میں ہوتا ہے''

کلیانی: ''کچھ جہیز بھی مانگتے ہیں؟''

موٹے رام: ''اس کی کچھ نہ پوچھیے۔ چار ہزار سناتے ہیں۔ اچھا یہ چوتھی نقل دیکھیے۔ لڑکا وکیل ہے۔ عمر کوئی پینتیس سال کی ہوگی۔ تین چار سو کی آمدنی ہے، پہلی عورت مر چکی ہے، اس سے تین لڑکے بھی ہیں۔ اپنا گھر بنوایا ہے، کچھ جائیداد بھی خریدی ہے۔ یہاں بھی لینے دینے کا جھگڑا نہیں ہے۔''

کلیانی: ''خاندان کیسا ہے؟''

موٹے رام: ''بہت اچھا، نرالے رئیس ہیں۔ اچھا یہ پانچویں دیکھئے۔ باپ کا چھاپہ خانہ ہے۔ لڑکا پڑھا تو بی اے تک ہے مگر چھاپہ خانہ کا کام کرتا ہے۔ عمر 18 سال ہوگی۔ گھر میں چھاپہ خانہ کے سوائے کوئی جائیداد نہیں۔ مگر کسی کا قرضہ سر پر نہیں۔ خاندان بہت اچھا ہے نہ برا۔ لڑکا بہت خوبصورت اور اچھے چال وچلن کا ہے۔ مگر ایک ہزار سے کم پر معاملہ طے نہ ہوگا۔ مانگتے تو وہ تین ہزار ہیں۔ اب بتائیے، آپ کون سا بر پسند کرتی ہیں؟''

کلیانی: ''آپ کو سب میں سے کون پسند ہے؟''

موٹے رام: ''مجھے تو دو بر پسند ہیں ایک وہ جو ریلوے میں ہے اور دوسرا یہ جو چھاپہ خانہ میں کام کرتا ہے''

کلیانی: ''مگر پہلے کے خاندان میں آپ عیب بتلاتے ہیں''

موٹے رام: ''ہاں یہ بات تو ہے، تو پھر چھاپہ خانہ والے ہی کو رہنے دیجیے''

کلیانی: ''یہاں ایک ہزار دینے کو کہاں سے آئے گا؟ ایک ہزار تو آپ کا اندازہ ہے، شاید وہ اور بھی منہ پھیلائے۔ آپ تو گھر کی حالت دیکھ رہے ہیں، کھانا مل جاتا

ہے یہی غنیمت ہے۔روپے کہاں سے آئیں گے؟ زمیندار صاحب چار ہزار سناتے ہیں۔ ڈاک بابو بھی دو ہزار کا سوال کرتے ہیں۔ ان کو جانے دیجیے۔بس وکیل صاحب ہی بچ رہتے ہیں۔پینتیس سال کی عمر بھی کچھ ایسی زیادہ نہیں۔انہیں کو کیوں نہ رکھیے؟''

موٹے رام: ''آپ خوج سوچ بچار لیں، میں تو آپ کی مرضی کا تابعدار ہوں، جہاں کہیے گا وہاں ٹیکہ کراؤں گا۔مگر ہزار ڈیڑھ ہزار کا منہ نہ دیکھیے ۔ چھاپہ خانہ والا لڑکا ہیرا ہے؟ اس کے ساتھ لڑکی کی زندگی سپھل ہو جائے گی۔ جیسے یہ روپ اور گن کی پوری ہے۔ویسا لڑکا بھی سندر اور سوشیل ہے۔''

کلیانی: ''پسند تو مجھے بھی یہی ہے مہاراج ،مگر روپے کس کے گھر سے لاؤں۔کون دینے والا ہے؟ ہے کوئی! ایسا دانی ؟ کھانے والے تو کھا پی کر چل دیئے۔اب کسی کی صورت بھی دکھائی نہیں دیتی۔ بلکہ اور مجھے برا مانتے ہیں کہ ہمیں نکال دیا۔جو بات اپنے بس کے باہر ہے، اس کے لیے ہاتھ ہی کیوں پھیلاؤں؟ اولاد کس کو پیاری نہیں ہوتی؟ کون اسے سکھی دیکھنا نہیں چاہتا؟ پر جب اپنا کوئی بس بھی ہو۔آپ ایشور کا نام لے کر وکیل صاحب کو ٹیکہ کر آیئے۔عمر کچھ زیادہ ہے، مگر مرنا جینا ایشور کے ہاتھ ہے۔پینتیس سال کا آدمی بڈھا نہیں کہلاتا اگر لڑکی کے نصیب میں سکھ بھوگنا بدا ہے تو جہاں جائے گی سکھی رہے گی۔اور دکھ بھوگنا ہے تو جہاں جائے گی دکھ جھیلے گی۔ ہماری نرملا کو بچوں سے محبت ہے، ان کے بچوں کو اپنا سمجھے گی۔آپ اچھی ساعت دیکھ کر ٹیکہ کر آئیں۔''

5

نرملا کا بیاہ ہو گیا۔سسرال آ گئی۔وکیل صاحب کا نام تھا منشی طوطا رام۔سانولے رنگ کے موٹے تازے آدمی تھے۔عمر تو ابھی چالیس سال سے زیادہ نہ تھی۔مگر وکالت کی سخت محنت نے سر کے بال سفید کر دیئے تھے۔ورزش کرنے کی انہیں

فرصت نہ تھی۔ یہاں تک کہ کبھی کہیں گھومنے بھی نہ جاتے تھے۔ اس لیے پیٹ بڑھ گیا تھا۔ بدن کے فربہ ہونے پر بھی آئے دن کوئی نہ کوئی شکایت بنی رہتی۔ بدہضمی اور بواسیر سے مستقل رفاقت تھی۔ پس بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ بڑا منسارام سولہ سال کا اور چھوٹا سیارام سات سال کا تھا۔ تینوں انگریزی پڑھتے تھے۔ گھر میں وکیل کی بیوہ بہن کے سوا کوئی عورت نہ تھی۔ وہی گھر کی مالکہ تھی، اس کا نام تھا رکمنی اور اس کی عمر پچاس سال سے زائد نہ تھی۔ سسرال میں کوئی نہ تھا۔ مستقل طور پر یہیں رہتی تھی۔

طوطارام علم ازدواج سے خوب واقف تھے۔ نرملا کو خوش کرنے کے لیے ان میں جو قدرتی کمی تھی اسے وہ تحفہ جات سے پوری کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ کفایت شعار آدمی تھے مگر نرملا کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ روز لایا کرتے۔ موقع پر روپیہ کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ خود کبھی ناشتہ نہ کرتے تھے، لڑکوں کے لے تھوڑا تھوڑا دودھ آتا تھا مگر نرملا کے لیے میوے، مربے، مٹھائیاں کسی کی کمی نہ تھی۔ وہ زندگی میں سیر تماشے کے لیے نہ گئے تھے۔ مگر تعطیل میں نرملا کو سینما، سرکس اور تھیٹر دکھلانے لے جاتے۔ اپنے بیش قیمتی وقت کا تھوڑا سا حصہ اس کے ساتھ بیٹھ کر گراموفون بجانے میں بھی گزارتے۔

لیکن نرملا کو نہ جانے کیوں طوطارام کے پاس بیٹھنے اور ان سے ہنسنے بولنے میں تامل ہوتا تھا۔ اس کا شاید یہ سبب تھا کہ اب تک اسی قسم کا ایک شخص اس کا باپ تھا۔ جس کے سامنے وہ سر جھکا کر اور بدن چھپا کر نکلتی تھی۔ اب اسی عمر کا ایک شخص اس کا شوہر تھا۔ وہ اسے محبت کی چیز نہیں، عزت کی چیز سمجھتی تھی۔ ان سے بھاگتی پھرتی، ان کو دیکھتے ہی اس کی خوشی کافور ہو جاتی تھی۔

وکیل صاحب کو ان کے علم ازدواج نے سکھلایا کہ نوجوان عورت سے خوب محبت بھری باتیں کرنی چاہئیں۔ اس کے سامنے دل نکال کر رکھ دینا چاہیے۔ یہی اس کی

تسخیر کا خاص منتر ہے۔ پس وکیل صاحب اپنے اظہار محبت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ مگر نرملا کو ان باتوں سے نفرت ہوتی تھی۔ وہی باتیں جنہیں کسی نوجوان کے منہ سے سن کر اس کا دل نشہ محبت سے سرشار ہو جاتا جب وکیل صاحب کے منہ سے نکلتی تھیں تو اس کے دل میں تیر سے جا کر لگتی تھیں۔ ان میں مزا نہ تھا، لطف نہ تھا، دل نہ تھا بلکہ تصنع تھا فریب تھا، اور روکھا پھیکا لفظی تلازمہ! اسے عطر روغن برے نہ لگتے۔ سیر و تماشے برے نہ لگتے، بناؤ سنگار کرنا بھی برا نہ لگتا، البتہ اسے برا لگتا تھا طوطا رام کے پاس بیٹھنا! وہ اپنا حسن و شباب انہیں نہ دکھانا چاہتی تھی۔ کیونکہ وہاں دیکھنے والی آنکھیں نہ تھیں! وہ انہیں ان نعمتوں سے لذت اندوز ہونے کے قابل ہی نہ سمجھتی تھی۔ غنچہ نسیم ہی کے مس سے شگفتہ ہوتا ہے، دونوں میں یکساں تازگی ہے، مگر نرملا کے لیے وہ نسیم سحری کہاں تھی۔

پہلا مہینہ گزرتے ہی طوطا رام نے نرملا کو اپنی خزانچی بنا لیا۔ کچہری سے آ کر دن بھر کی کمائی دیتے۔ ان کا خیال تھا کہ نرملا ان روپوں کو دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سمائے گی۔ نرملا بڑے شوق سے اس عہدہ کا کام سرانجام دیتی۔ ایک ایک پیسہ کا حساب رکھتی۔ اگر کبھی روپے کم ملتے تو پوچھتی کہ آج کم کیوں ہیں؟ اور خانہ داری کے متعلق ان سے خوب باتیں کرتی۔ انہی باتوں کے لائق وہ ان کو سمجھتی تھی لیکن جوں ہی کوئی تفنن آمیز کلمہ ان کی زبان سے نکل جاتا، اس کا چہرہ اداس ہو جاتا تھا۔

نرملا جب گہنے کپڑوں سے اپنا سنگار کر کے آئینہ کے سامنے کھڑی ہوتی اور اس میں اپنے حسن روح افزا کا عکس دیکھتی تو اس کا دل ایک حسرت بھری امنگ سے بے قرار ہو جاتا تھا۔ اس وقت اس کے سینے میں آگ سی جل اٹھتی تھی۔ جی میں آتا کہ اس گھر کو آگ لگا دوں۔ ماں پر غصہ آتا، باپ پر غصہ آتا، اپنی قسمت پر آتا اور سب سے زیادہ اسے غصہ آتا بیچارے بے قصور طوطا رام پر! وہ ہمیشہ اسی کوفت میں مبتلا رہتی۔ بانکا سوار بوڑھے لدو ٹٹو پر سوار ہونا کب پسند کرے گا، خواہ اسے پیدل ہی

کیوں نہ چلنا پڑے؟ نرملا کی حالت اس بانکے سوار کی سی تھی۔ وہ اس پر سوار ہو کر اڑنا چاہتی تھی۔ اس کی مسرت خیز برق رفتاری کا لطف اٹھانا چاہتی تھی۔ اسے ٹٹو کے ہنہنانے اور کنوتیاں کھڑی کرنے سے کیا امید ہوتی؟ ممکن تھا کہ بچوں کے ساتھ ہنس کھیل کر وہ ذرا دیر کے لیے اپنی حالت کو بھول جاتی، دل کچھ ہرا ہو جاتا مگر رکمنی دیوی بچوں کو اس کے پاس پھٹکنے بھی نہ دیتی تھیں گویا وہ کوئی ڈائن ہے جو انہیں کھا جائے گی۔ رکمنی کا مزاج ساری دنیا سے نرالا تھا۔ یہ پتہ لگانا مشکل تھا کہ وہ کس بات سے خوش ہوتی تھیں اور کس بات سے ناراض۔ ایک بار جس بات سے خوش ہو جاتی تھیں، دوسری بار اسی بات سے ناراض ہوتی تھیں۔ اگر نرملا اپنے کمرے میں بیٹھی رہتی تو کہتیں کہ نہ جانے کہاں کی منحوس ہے۔ اگر وہ کوٹھے پر جاتی یا مہریوں سے باتیں کرتی تو سینہ کوبی کرنے لگتیں۔

لاج ہے نہ شرم، نگوڑی نے حیا بھون کھائی ہے، اب کیا؟ کچھ دنوں میں بازار بازار ناچے گی۔ جب سے وکیل صاحب نے نرملا کے ہاتھ میں روپے پیسے دینے شروع کیے، رکمنی اس کی نکتہ چینی پر آمادہ ہو گئی تھی۔ اسے معلوم ہوتا تھا کہ اب قیامت ہونے میں بہت تھوڑی کسر رہ گئی ہے۔ لڑکوں کو بار بار پیسے کی ضرورت پڑتی۔ جب تک وہ خود مالک تھی، انہیں بہلا دیا کرتی تھی، اب ان کو سیدھے نرملا کے پاس بھیج دیتی۔ نرملا کو لڑکوں کا چٹورا پن اچھا نہ لگتا تھا، کبھی کبھی پیسے دینے سے انکار کر دیتی۔ رکمنی کو اپنے لفظی تیر سر کرنے کا موقع مل جاتا، اب تو مالکن ہوئی ہیں، لڑکے کاہے کو، جئیں گے۔ بلنا ماں کے بچوں کو کون پوچھے؟ روپیوں کی مٹھائیاں کھا جاتے تھے۔ اب دھیلے دھیلے کو ترستے ہیں! نرملا اگر چڑھ کر کسی دن بلا پوچھے پیسے دیتی تو دیوی جی اس کی اور ہی طرح نکتہ چینی کرتیں۔ انہیں کیا؟ لڑکے مریں یا جئیں، ان کی بلا سے۔ ماں کے بغیر کون سمجھائے کہ بیٹا، بہت مٹھائی مت کھاؤ؟ آئی گئی تو میرے سر جاوے گی۔ انہیں کیا؟ یہیں تک ہوتو شاید نرملا شاید ضبط کر لیتی مگر دیوی جی خفیہ پولیس کے

سپاہی کی طرح نرملا کا پیچھا کرتی رہتی تھیں۔ اگر وہ کوٹھے پر کھڑی ہے تو ضروری کر پر نظر دوڑا رہی ہوگی۔ مہری سے بات کرتی ہے تو ضرور ہی ان کی برائی کرتی ہوگی۔ بازار سے کچھ منگواتی ہے تو ضرور کوئی شوق کی چیز ہوگی وہ برابر اس کے خطوط کو پڑھنے کی کوشش کیا کرتیں، چھپ چھپ کر اس کی باتیں سنا کرتیں نرملا ان کی دو دھاروالی تلوار سے کانپتی رہتی۔ یہاں تک کہ ایک روز اس نے شوہر سے کہا ''آپ ذرا جی جی کو سمجھا دیں، کیوں میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں؟''

طوطارام نے تیز لہجے میں کہا ''کیا تمہیں کچھ کہا ہے کیا؟''

''روز ہی کہتی ہیں۔ بات منہ سے نکلنی مشکل ہے! اگر انہیں اس بات کی جلن ہو کہ یہ مالکہ کیوں بنی ہوئی ہے تو آپ انہیں کو روپے پیسے دیجیے، مجھے نہیں چاہیے، وہی مالکہ بنی رہیں۔ میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ کوئی مجھے طعنے نہ دیا کرے''

یہ کہتے کہتے نرملا کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ طوطارام کو اپنی محبت ظاہر کرنے کا بہت اچھا موقع ملا۔ بولے ''میں آج ہی ان کی خبر لوں گا۔ صاف کہہ دوں گا کہ اگر منہ بند کر کے رہنا ہے، تو رہو ورنہ اپنی راہ لو۔ اس گھر کی مالکہ وہ نہیں ہیں، تم ہو! وہ محض انہیں مدد دینے کے لیے ہیں اگر مدد کرنے کی بجائے تمہیں دق کرتی ہیں تو ان کے یہاں رہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ میں تو سوچتا تھا کہ بدھوا ہیں، اناتھ ہیں، پاؤ بھر آٹا کھائیں گی اور پڑی رہیں گی۔ جب اور نوکر چاکر کھا رہے ہیں تو یہ تو اپنی بہن ہی ہے۔ لڑکوں کی دیکھ بھال کے لیے ایک عورت کی ضرورت بھی تھی، رکھ لیا لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ تمہارے اوپر حکومت کریں''

نرملا نے پھر کہا ''لڑکوں کو سکھا دیتی ہیں کہ جا کر ماں سے پیسے مانگو، کبھی کچھ لڑکے آ کر میری جان کھاتے ہیں۔ گھڑی بھر لیٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ڈانٹتی ہوں تو وہ آنکھیں لال پیلی کر کے دوڑتی ہیں۔ مجھے سمجھتی ہیں کہ یہ لڑکوں کو دیکھ نہیں سکتی۔ ایشور جانتا ہے کہ میں بچوں کو کتنا چاہتی ہوں۔ آخر میرے ہی بچے تو ہیں، مجھے ان

سے کیوں جلن ہونے لگی‘‘

طوطارام غصہ سے کانپ اٹھے، بولے ’’تمہیں جو دق کرے اسے پیٹ دیا کرو۔ میں بھی دیکھتا ہوں کہ لڑکے شریر ہو گئے ہیں۔ منسا رام کو تو میں بورڈنگ ہاؤس بھیج دوں گا، باقی دونوں کو ٹھیک کیے دیتا ہوں‘‘

اس وقت طوطارام کچہری جا رہے تھے، ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا موقع نہ تھا۔ لیکن کچہری سے واپس آتے ہی انہوں نے گھر میں جا کر رکمنی سے کہا ’’کیوں بہن، تمہیں اس گھر میں رہنا ہے یا نہیں؟ اگر رہنا ہے تو سیدھی طرح رہو، یہ کیا کہ دوسروں کا رہنا مشکل کر دو‘‘

رکمنی سمجھ گئی بہو نے اپنا وار کیا ہے مگر وہ دبنے والی عورت نہ تھی۔ ایک تو عمر کی بڑی، اس پر اسی گھر کی خدمت میں زندگی گزار دی تھی۔ کس کی مجال تھی کہ انہیں بے دخل کر دے؟ انہیں بھائی کی کم ظرفی پر تعجب ہوا۔ بولی ’’تو کیا لونڈی بنا کر رکھو گے؟ لونڈی بن کر رہنا ہے تو اس گھر کی لونڈی نہ بنوں گی۔ اگر تمہاری یہ مرضی ہو کہ گھر میں کوئی آگ لگا دے اور میں کھڑی دیکھا کروں، کسی کو بے راہ چلتے دیکھوں تو چپ سادھ لوں، جو جس کے دل میں آئے اور کرے میں مٹی کی مورت بنی بیٹھی رہوں تو یہ سب مجھ سے نہ ہوگا۔ یہ ہوا کیا جو تم آج آپے سے باہر ہو رہے ہو؟ نکل گئی ساری عقلمندی، کل کی چھوکری چوٹی پکڑ کر نچانے لگی! کچھ پوچھنا گچھنا، بس اس نے تار کھینچا اور تم کاٹھ کے سپاہی کی طرح تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے‘‘

طوطارام: ’’سنتا تو ہوں کہ تم ہمیشہ عیب نکالتی رہتی ہو، بات بات پر طعنے دیتی ہو۔ اگر کچھ دیکھ دینی ہو تو اسے پیار سے ملائم لفظوں میں دینی چاہیے۔ طعنے سے نصیحت ملنے کے بجائے اور الٹا جی جلنے لگتا ہے‘‘

رکمنی: ’’تو تمہاری یہی مرضی ہے کہ کسی بات میں نہ بولوں۔ یہی سہی، لیکن پھر نہ کہنا کہ تم تو ھر میں بیٹھی تھیں، کیوں نہیں صلاح دی؟ جب میری باتیں زہر معلوم ہوتی

ہیں تو مجھے کیا کتے نے کاٹا ہے کہ بولوں؟ مثل ہے ''ناٹوں کھیتی، بہریوں گھر، میں بھی دیکھوں، بہوریا کیسے گھر چلاتی ہے؟

اتنے میں سیارام اور جیارام اسکول سے آ گئے۔ آتے ہی آتے دونوں بوا کے پاس جا کر کھانا مانگنے لگے۔ رکمنی نے کہا ''جا کر اپنی نئی اماں سے کیوں نہیں مانگتے؟ مجھے بولنے کا حکم نہیں ہے''

طوطا رام: ''اگر تم لوگوں نے اس مکان میں قدم رکھا تو ٹانگ توڑ دوں گا۔ بدمعاشی پر کمر باندھی ہے''

جیارام ذرا شوخ تھا، بولا ''ان کو تو آپ کچھ نہیں کہتے، ہمیں کو دھمکاتے ہیں۔ کبھی پیسے نہیں دیتیں''

سیارام نے اس کی تائید کی ''کہتی ہیں کہ مجھے دق کرو گے تو کان کاٹ لوں گی۔ کہتی ہیں کہ نہیں جیا''

نرملا اپنے کمرہ سے بولی ''میں نے کب کہا تھا کہ تمہارے کان کاٹ لوں گی؟ ابھی سے جھوٹ بولنے لگے؟''

اتنا سننا تھا کہ طوطا رام نے سیارام کے کان پکڑ کر اس کو اٹھا لیا۔ لڑکا زور کی چیخ مار کر رو پڑا۔

رکمنی نے دوڑ کر بچہ کو منشی جی کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور بولیں ''بس رہنے بھی دو کیا مار ہی ڈالو گے؟ ہائے، ہائے، کان لال ہو گیا! سچ کہا ہے، نئی بیوی پا کر آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ ابھی سے یہ حال تو آگے اس گھر کے بھگوان ہی مالک ہیں''

نرملا اپنی فتح پر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی، لیکن جب منشی جی نے بچہ کا کان پکڑ اٹھا لیا تو اس سے صبر نہ ہو سکا۔ چھڑانے کو دوڑی مگر رکمنی پہلے ہی پہنچ گئی تھی، بولی ''پہلے آگ لگا دی اب بجھانے دوڑی ہو! جب اپنے لڑکے ہوں گے تب آنکھیں کھلیں گی، پرایا درد کیا جانو''

نرملا: ''کھڑے تو ہیں، پوچھ لونہ کہ میں نے کیا آگ لگا دی۔ میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ لڑکے مجھے بار بار پیسوں کے لیے دق کرتے ہیں۔ اس کے سوا جو میرے منہ سے کچھ اور نکلا ہو تو میری آنکھیں پھوٹ جائیں''

طوطا رام: ''میں خود ان لونڈوں کی شرارت دیکھا کرتا ہوں۔ اندھا تھوڑا ہی ہوں۔ تینوں ضدی اور شریر ہو گئے ہیں۔ بڑے میاں کو تو میں آج ہی ہوسٹل بھیجتا ہوں''

رکمنی: ''اب تک تو تمہیں ان کی کوئی شرارت نہ سوجھی تھی، آج آنکھیں کیوں اتنی تیز ہو گئیں؟''

طوطا رام: ''تمہی نے ان کو شوخ کر رکھا ہے''

رکمنی: ''تو میں ہی بس کی گانٹھ ہوں۔ میرے ہی کارن تمہارا گھر چوپٹ ہو رہا ہے۔ لو میں جاتی ہوں، تمہارے لڑکے ہیں، مارو چاہے کاٹو، میں کچھ نہ بولوں گی''

یہ کہہ کر رکمنی وہاں سے چلی گئی۔ نرملا بچے کو روتا دیکھ کر بے تاب ہو گئی۔ اس نے اس کو سینے سے لگا لیا اور گود میں لیے ہوئے اپنے کمرے میں لا کر اسے چمکارنے لگی۔ لیکن بچہ اور سسک سسک کر رونے لگا۔ اس کا معصوم دل اس پیار میں وہ مامتا نہ پاتا تھا، جس سے ایشور نے اس کا محروم کر دیا تھا، صرف رحم تھا۔ یہ وہ چیز تھی جس پر اس کا کوئی حق نہ تھا، جو صرف خیرات کی صورت میں اسے دی جا رہی تھی۔ باپ نے پہلے بھی دو ایک بار مارا تھا، جب اس کی ماں زندہ تھی۔ لیکن تب اس کی ماں اسے سینے سے لگا کر روتی نہ تھی، وہ ناخوش ہو کر اس سے بولنا ترک کر دیتی، یہاں تک کہ وہ خود ذرا اسی دیر بعد کچھ بھول کر پھر ماں کے پاس دوڑا جاتا تھا۔ شرارت کے لیے سزا پانا تو اس کی سمجھ میں آتا تھا۔ ماں کے پیار میں سختی ہوتی تھی مگر نرمی ملی ہوئی۔ اس پیار میں رحم تھا۔ مگر وہ سختی نہ تھی جو یگانگت کا خفیہ پیغام ہے۔ تندرست عضو کی پرواہ کون کرتا ہے؟ لیکن وہی عضو جب درد سے دکھنے لگتا ہے تو اسے ٹھیس اور دھکے سے

بچانے کی تدبیر کی جاتی ہے۔ نرملا کا رحم آمیز رونا بچے کو اس کے بے کس ہونے کی خبر دے رہا تھا۔ وہ بڑی دیر تک نرملا کی گود میں بیٹھا روتا رہا اور روتے روتے سو گیا۔ نرملا نے اسے چارپائی پر سلانا چاہا تو بچہ نے سوئے ہوئے اپنے دونوں نازک ہاتھ اس کی گردن میں ڈال دیئے اور اس سے ایسا لپٹ گیا گویا نیچے کوئی گڈھا ہو۔ اس کے چہرے پر خوف اور اندیشہ کے نشانات ظاہر ہو گئے۔ نرملا نے پھر بچے کو گود میں اٹھا لیا۔ چارپائی پر نہ سلا سکی۔ اس وقت بچے کو گود میں لیے ہوئے اسے وہ اطمینان قلبی ہو رہا تھا جو ابھی تک کبھی نہ ہوا تھا۔ آج اول مرتبہ اس کو اس دلی قدر کا احساس ہوا جس کے بغیر نہ آنکھیں کھلتیں، اپنے فرض کا راستہ نہیں سمجھائی دیتا۔ یہ راستہ اب دکھائی دینے لگا۔

6

اس دن اپنی گہری محبت کا زبردست ثبوت دینے کے بعد منشی طوطارام کو امید ہوئی تھی کہ نرملا کے دل پر میرا سکہ جم گیا، لیکن ان کی یہ امید ذرا بھی پوری نہ ہوئی، بلکہ پہلے تو وہ کبھی کبھی ان سے ہنس کر بولا بھی کرتی تھی اب بچوں ہی کی پرورش و پرداخت میں مصروف رہنے لگی۔ جب گھر میں جاتے تو بچوں کو اس کے پاس بیٹھا پاتے۔ کبھی دیکھتے کہ انہیں کھلا رہی ہے، کبھی کپڑے پہنا رہی ہے، کبھی کوئی کھیل کھیل رہی ہے اور کبھی کوئی کہانی سنا رہی ہے۔ نرملا کا آرزو مند دل اب محبت سے مایوس ہو کر اسی سہارے کو غنیمت سمجھنے لگا۔ بچوں کے ساتھ ہنسنے بولنے میں اس کی خیالی ممتا کو آسودگی ہوتی تھی۔ شوہر کے ساتھ ہنستے بولتے اسے جاتا مل، نفرت اور ناپسندیدگی ہوتی تھی یہاں تک کہ وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی، اس کے بجائے یہاں بچوں کی سچی سادہ محبت سے دل مسرور ہو جاتا تھا۔ پہلے منسارام اس کے پاس جاتے ہوئے، جھجکتا تھا، مگر اب وہ بھی کبھی کبھی جا بیٹھتا۔ یہ نرملا کا محسن تھا، لیکن باطنی ترمی میں پانچ سال چھوٹا۔ ہاکی اور فٹ بال ہی اس کی دنیا، اس کے تخیل کا وسیع میدان

اور اس کی تمناؤں کا ہرا بھرا باغ تھا۔ اکہرے بدن کا چھریرا، شکیل، ہنس مکھ اور حیادار لڑکا تھا۔ جس کا گھر سے صرف کھانے کا تعلق تھا، باقی تمام دن نہ جانے کہاں گھومتا رہتا۔ نرملا اس کی زبان سے کھیل کی باتیں سن کر ذرا دیر کے لیے اپنے تفکرات بھول جاتی اور چاہتی ایک بار پھر وہی دن آ جائے، جب وہ گڑیاں کھیلتی اور ان کا بیاہ رچایا کرتی تھی۔ اور جس کو ابھی تھوڑے، آہ بہت تھوڑے دن گزرے تھے۔

منشی طوطا رام دیگر تنہائی پسند انسانوں کی طرح نفس پرست انسان تھے۔ کچھ روز تو وہ نرملا کو سیر تماشے دکھاتے رہے، لیکن جب دیکھا کہ ان باتوں کا کچھ نتیجہ نہیں ہوتا تو انہوں نے گوشہ تنہائی اختیار کیا۔ دن بھر کی سخت دماغی محنت کے بعد ان کا دل تفریح کے لیے بے قرار ہو جاتا، لیکن جب اپنے تفریح خیز باغ میں داخل ہوتے اور اس کے پھولوں کو مرجھایا، پودوں کو سوکھا اور کیاریوں میں خاک اڑتی ہوئی دیکھتے تو ان کے دل میں آتا کہ کیوں نہ اس باغ کو اجاڑ دوں؟ نرملا ان سے کیوں مخاطب نہیں ہوتی، اس کا بھید ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ علم ازدواج کی ساری حکمتوں کو آزما چکے، مگر ان کی مقصد برآوری نہ ہوئی۔ اب کیا کرنا چاہیے یہ ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔

ایک روز اسی تردد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے ہم سبق دوست منشی سکھ رام آ کر بیٹھ گئے اور سلام کلام کے بعد مسکرا کر بولے "آج کل تو خوب گہری چھنتی ہوگی، نئی بیوی کو ہم آغوش کر کے جوانی کا مزہ آ جاتا ہوگا؟ بڑے خوش نصیب ہو! بھئی روٹھی ہوئی جوانی کو منانے کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ نیا بیاہ ہو جائے۔ یہاں تو زندگی وبال ہو رہی ہے۔ بیوی صاحبہ اس بری طرح لپٹی ہیں کہ کسی طرح پیچھا ہی نہیں چھوڑتیں۔ میں تو دوسری شادی کی فکر میں ہوں کہیں ڈول ہو تو ٹھیک ٹھاک کر دو۔ دستوری میں ایک روز تمہیں اس کے ساتھ کے بنے ہوئے پان کھلا دیں گے"

طوطا رام نے متانت سے کہا "کہیں ایسی حماقت نہ کر بیٹھنا ورنہ پچھتاؤ گے۔ لونڈیاں کچھ لونڈوں ہی سے خوش رہتی ہیں، ہم تم اب اس کام کے نہیں رہے۔ سچ

کہتا ہوں کہ میں شادی کر کے پچھتا رہا ہوں۔ بری بلا گلے پڑی۔ سوچا تھا دو چار سال اور زندگی کا لطف اٹھا لوں مگر الٹی آنتیں گلے پڑیں''

نین سکھ: ''تم کیا باتیں کرتے ہو؟ لونڈیوں کو قابو میں لانا کیا مشکل ہے؟ ذرا سیر تماشا دکھاؤ، اس کے رنگ روپ کی تعریف کر دو، بس رنگ جم گیا''

طوطا رام: ''یہ سب کر دھر کے ہار گیا''

نین سکھ: ''اچھا، کچھ عطر روغن، پھول پتے، چاٹ واٹ کا بھی مزہ چکھایا''

طوطا رام: ''اجی یہ سب کر چکا۔ علم از دواج کے سارے منتروں کو آزما چکا سب جھوٹ ہیں''

نین سکھ: ''اچھا اب میری ایک اور صلاح مانو، ذرا اپنی صورت بنوا لو۔ آج کل یہاں ایک بجلی کے ڈاکٹر آئے ہوئے ہیں، جو پیری کے نشانات مٹا دیتے ہیں۔ کیا مجال کہ چہرے پر ایک شکن یا سر کا ایک بال سفید رہ جائے۔ نہ جانے، ایسا کیا جادو کر دیتے ہیں کہ آدمی کا کایا پلٹ ہو جاتا ہے''

طوطا رام: ''فیس کیا لیتے ہیں؟''

نین سکھ: ''فیس تو سنا زیادہ لیتے ہیں۔ شاید پانچ سو روپے''

طوطا رام: ''اجی کوئی جعلساز ہوگا، بیوقوفوں کو لوٹ رہا ہوگا، کوئی روغن لگا کر دو چار روز کے لیے ذرا چہرہ چکنا کر دیتا ہوگا۔ اشتہاری ڈاکٹروں پر تو میرا اعتقاد ہی نہیں۔ دس پانچ کی بات ہوتی تو کہتا، ذرا دل لگی ہی سہی، پانچ سو تو بڑی رقم ہے''

نین سکھ: ''تمہارے لیے پانچ سو کون سی بڑی بات ہے، ایک ماہ کی آمدنی ہے۔ میرے پاس تو کبھی اگر پانچ سو ہوتے تو میں سب سے پہلا کام یہی کرتا۔ شباب کے ایک گھنٹہ کی قیمت پانچ سو سے کہیں زیادہ ہے''

طوطا رام: ''اجی کوئی سستا نسخہ بتاؤ کوئی فقیری جڑی بوٹی ہو کہ بلا ہر پھٹکری کے رنگ چوکھا ہو جاوے۔ بجلی اور ریڈم بڑے آدمیوں کے لیے رہنے دو، یہ انہیں

مبارک ہوں!''

نین سکھ: ''تو پھر رنگیلے پن کا سوانگ بھرو، یہ ڈھیلا ڈھالا کوٹ پھینکو۔ تن زیب کی چست اچکن ہو، چوڑی دار پاجامہ، گلے میں طلائی زنجیر، سر پر جے پوری صافہ، آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں حنا کا تیل پڑا ہو۔ پیٹ کا پچکنا بھی ضروری ہے، دوہرا کمر بند باندھو ذرا تکلیف تو ہوگی، مگر اچکن سج اٹھے گی خضاب میں لا دوں گا۔ سو پچاس غزلیں یاد کر لو اور موقع موقع سے اشعار پڑھو۔ باتوں میں چاشنی بھری ہو۔ ایسا معلوم ہو کہ تمہیں دین و دنیا کی کچھ فکر نہیں ہے بس جو کچھ ہو معشوق ہی ہے جواں مردی اور ہمت کے ساتھ کام کرنے کا موقع ڈھونڈھتے رہو۔ رات کو جھوٹ موٹ شور کرو کہ چور چور! اور تلوار لے کر اکیلے پل پڑو۔ ہاں ذرا موقع دیکھ لینا، ایسا نہ ہو کہ سچ مچ کوئی آ جاوے اور تم اس کے پیچھے دوڑ پڑو، ورنہ ساری قلعی کھل جاوے گی اور تم مفت میں احمق بنو گے۔ اس وقت تو جوانمری اسی میں ہے کہ دم سادھ کے پڑے رہو تا کہ وہ سمجھے کہ تمہیں خبر ہی نہیں ہوئی۔ لیکن جونہی چور بھاگ کھڑا ہو، تم بھی اچھل کر باہر نکلو اور تلوار لے کر کہاں کہاں کہتے دوڑو۔ زیادہ نہیں، ایک ہی ماہ میری باتوں کو آزما دیکھو اگر تمہارا دم نہ بھرنے لگے تو جو جرمانہ کہے وہ دوں۔''

طوطا رام نے اس وقت تو یہ باتیں مذاق میں اڑا دیں جیسا کہ ایک ہوشیار آدمی کو کرنا چاہیے تھا۔ لیکن ان میں سے کچھ باتیں ان کے دل نشین ہو گئیں، ان کے موثر ہونے میں کوئی شبہ نہ تھا۔ آہستہ آہستہ رنگ بدلنے لگے کہ لوگ جان نہ سکیں۔ پہلے بالوں سے ابتدا ہوئی پھر سرمہ کی باری آئی یہاں تک کہ ایک دو ماہ میں ان کی کایا پلٹ ہی گئی۔ غزلیں یاد کرنے کی تجویز تو مضحکہ خیز تھی مگر جوانمردی کی ڈینگ مارنے میں کوئی ہرج نہ تھا۔

اس روز سے روزانہ اپنی بہادری کا کوئی نہ کوئی تذکرہ ضرور چھیڑ دیتے۔ نرملا کو شک ہونے لگا کہ کہیں ان کو دیوانگی کا عارضہ تو نہیں ہو رہا ہے۔ جو شخص مونگ کی

دال اور موٹے آٹے کے دو چھلکے کھا کر بھی نمک سلیمانی کا محتاج ہو۔ اس کے چھچھلے پن پر دیوانگی کا شبہ ہو تو تعجب ہی کیا ہے؟ نرملا پر دیوانگی کا اور تو کیا رنگ جمتا، ہاں، اس کو ان پر رحم آنے لگا۔ غصہ اور نفرت کا احساس جاتا رہا۔ غصہ اور نفرت کے لیے وہ شخص ہے جو اپنے ہوش میں ہو۔ پاگل تو رحم ہی کا مستحق ہے! وہ بات بات میں ان کی چٹکیاں لیتی، ان کا مضحکہ اڑاتی جیسے لوگ پاگلوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ہاں اس امر کا احساس رکھتی تھی کہ یہ سمجھ نہ جاویں وہ سوچتی کہ بیچارہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر رہا ہے۔ یہ سارا سوانگ صرف اسی لیے تو ہے کہ میں اپنا غم بھول جاؤں۔ آخر بھاگ تو بدل سکتا نہیں۔ اس بیچارے کو کیوں جلاؤں؟

ایک روز رات کے نو بجے طوطا رام چھیلا بنے ہوئے سیر کر کے لوٹے اور نرملا سے بولے آج تین چوروں سے مقابلہ ہو گیا۔ میں ذرا شوپور کی طرف چلا گیا تھا۔ اندھیرا تھا۔ جونہی ریل کی سڑک کے پاس پہنچا کہ تین آدمی تلوار لیے ہوئے نہ جانے کدھر سے نکل پڑے۔ یقین مانو، تینوں سیاہ دیو تھے! میں بالکل تنہا ہاتھ میں صرف ایک چھڑی تھی۔ ادھر تینوں تلواریں باندھے ہوئے ہوش اڑ گئے۔ سمجھ گیا کہ زندگی کا یہیں تک ساتھ تھا۔ میں نے بھی سوچا مرتا ہی ہوں تو بہادروں کی موت کیوں نہ مروں؟

اتنے میں ایک شخص نے للکار کر کہا ''رکھ دے تیرے پاس جو کچھ ہو اور چپکے سے چلا جا'' میں چھڑی سنبھال کر کھڑا ہو گیا اور بولا ''میرے پاس صرف یہ چھڑی ہے اور اس کی قیمت ایک آدمی کا سر ہے''

میرے منہ سے اتنا نکلنا تھا کہ تینوں تلوار کھینچ کر مجھ پر جھپٹ پڑے اور میں ان کے واروں کو چھڑی پر روکنے لگا۔ تینوں جھلا کر وار کرتے تھے، کھٹاکے کی آواز آتی تھی اور میں بجلی کی طرح لپک کر ان کے واروں کو کاٹ دیتا تھا۔ کوئی دس منٹ تک تینوں نے خوب تلوار کے جوہر دکھائے، مگر میرا ذرا بھی بال بیکا نہ ہوا۔ مجبوری یہی تھی کہ

میرے ہاتھ میں تلوار نہ تھی۔ اگر کہیں تلوار ہوتی تو ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑتا۔ خیر کہاں تک بیان کروں اس وقت میرے ہاتھوں کی صفائی دیکھنے کے قابل تھی۔ مجھے خود حیرت ہو رہی تھی کہ یہ تیزی مجھ میں کہاں سے آ گئی۔ جب تینوں نے دیکھا کہ یہاں دال نہیں گلنے کی تو تلوار میان میں رکھ لی اور میری پیٹھ ٹھونک کر بولے ''جوان تم سا بہادر آج تک نہیں دیکھا۔ ہم تینوں سو پر بھاری ہیں۔ گاؤں کے گاؤں ڈھول بجا کر لوٹتے ہیں، مگر آج تم نے ہم کو نیچا دکھا دیا۔ ہم تمہارا لوہا مان گئے'' یہ کہہ کر تینوں پھر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

نرملا نے متانت سے مسکرا کر کہا ''اس چھڑی پر تلواروں کے بہت سے نشان بنے ہوں گے؟''

منشی جی اس سوال کے لیے تیار نہ تھے، مگر کوئی جواب دینا ضروری تھی۔ بولے ''میں واروں کو برابر خالی کر دیتا تھا۔ دو چار چوٹیں چھڑی پر پڑی تھیں ،تو اچٹتی ہوئی جن سے کوئی نشان نہ پڑ سکتا تھا''

ابھی ان کے منہ سے پوری بات بھی نہ نکلی تھی کہ یکا یک رکمنی دیوی بدحواس دوڑتی ہوئی آئیں اور ہانپتی ہوئی بولیں ''طوطا، طوطا'' ہے کہ نہیں؟ میں کمرے میں ایک سانپ نکل آیا ہے، میری چارپائی کے نیچے بیٹھا ہوا ہے میں اٹھ کر بھاگی موا کوئی دو گز کا ہوگا۔ پھن نکالے پھنکار رہا ہے۔ ذرا چلو تو، ڈنڈا لیتے چلنا۔

طوطا رام کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں، مگر دلی جذبات کو چھپا کر بولے ''سانپ وہاں کہاں؟ تمہیں دھوکا ہوا ہوگا۔ کوئی رسی پڑی ہو گی''

رکمنی: ''ارے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ذرا چل کر دیکھ نہ لو ہے مرد ہو کر ڈرتے ہو!''

منشی جی گھر میں سے تو نکلے مگر برآمدہ میں جا کر پھر ٹھٹک گئے۔ ان کے قدم ہی نہ

اٹھتے تھے۔ کلیجہ دھک دھک کر رہا تھا۔ سانپ غصہ دار جانور ہے۔ کہیں کاٹ لے تو مفت جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔ بولے ''ڈرتا نہیں ہوں سانپ ہی تو ہے، شیر تو نہیں مگر سانپ پر لاٹھی کارگر نہیں ہوتی۔ جا کر کسی کو بھیجوں کہ کسی کے گھر سے بھالا لائے''

یہ کہہ کر منشی جی لپکتے ہوئے باہر چلے گئے۔ منسارام بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ منشی جی باہر گئے اور ادھر وہ کھانا چھوڑ کر اپنی ہاکی اسٹک ہاتھ میں لیے ہوئے کمرے میں گھس ہی تو گیا اور فوراً ارپائی کی چادر اٹھا کر سانپ کے اوپر پھینک دی اور متواتر تین چار ڈنڈے زور زور سے لگائے۔ سانپ چادر کے اندر ہی تڑپ کر رہ گیا۔ تب وہ اس کو ڈنڈے پر اٹھائے ہوئے باہر چلا۔ منشی جی کئی آدمیوں کو ساتھ لیے ہوئے آ رہے تھے۔ منسارام کو سانپ لٹکائے ہوئے دیکھا تو دفعتاً ان کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ مگر پھر سنبھل گئے اور بولے ''میں تو آ ہی رہا تھا۔ تم نے جلدی کی دے دو کوئی پھینک آئے''

یہ کہہ کر وہ بڑی بہادری کے ساتھ رکمنی کے کمرے کے دروازے پر جا کھڑے ہو گئے اور کمرے کو خوب دیکھ بھال کر موچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے نرملا کے پاس آ کر بولے ''میں نے جب تک جاؤں جاؤں، منسارام نے مار ڈالا۔ بے سمجھ لڑکا ڈنڈا لے کر دوڑ پڑا۔ سانپ کو ہمیشہ بھالے سے مارنا چاہیے۔ یہی تو لڑکوں میں عیب ہے۔ میں نے ایسے ایسے کتنے سانپ مارے ہیں۔ سانپ کو کھلا کھلا کر مارتا ہوں۔ کتنے ہی کو تو مٹھی میں پکڑ کر مسل دیا ہے۔''

رکمنی نے کہا ''جاؤ بھی، دیکھ لی تمہاری مردانگی!''

منشی جی خجل ہو کر بولے ''اچھا جاؤ، میں ڈرپوک ہی سہی تم سے کچھ انعام تو نہیں مانگ رہا۔ جا کر مہراج سے کہو، کھانا پکا لے''

منشی جی تو کھانا کھانے گئے اور نرملا دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی سوچ رہی تھی،

بھگوان کیا انہیں سچ مچ کوئی سخت عارضہ ہو رہا ہے؟ کیا میری حالت کو اور بھی ابتر بنانا چاہتے ہو؟ میں ان کی خدمت کر سکتی ہوں، عزت کر سکتی ہوں، اپنی جوانی ان کے قدموں پر وار سکتی ہوں۔ مگر وہ نہیں کر سکتی جو یہ کہے نہیں ہو سکتا عمر کا فرق ہٹانا میرے بس کی بات نہیں! آخر یہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ سمجھ گئی! آہ یہ بات پہلے ہی نہیں سمجھی تھی، ورنہ ان کو کیوں اتنی تکلیف اٹھانی پڑتی، کیوں اتنے سوانگ بھرنے پڑتے؟

7

اس روز سے نرملا کا رنگ ڈھنگ بدلنے لگا۔ اس نے اپنے آپ کو فرض پر قربان کر دینے کا تہیہ کر لیا۔ اب تک مایوسی کے غم میں اس نے فرض پر دھیان ہی نہ دیا تھا۔ اس کے دل میں بے قراری کی آگ سے جلتی رہتی تھی۔ جس کی نا قابل برداشت تکلیف نے اسے بدحواس سا کر رکھا تھا۔ اب اس تکلیف میں کچھ کمی واقع ہونے لگی۔ اسے احساس ہوا کہ میرے لیے زندگی میں کوئی خوشی نہیں اس کا خواب دیکھ کر کیوں زندگی کو خراب کروں؟ دنیا میں سب لوگ سکھ کی سیج ہی نہیں سوتے، میں بھی انہیں بدنصیبوں میں سے ایک ہوں۔ مجھے بھی ایشور نے دکھوں کا بوجھ ڈھونے کے لیے چنا ہے۔ وہ بوجھ سر سے اتر نہیں سکتا۔ اسے پھینکنا بھی چاہوں تو نہیں پھینک سکتی۔ اس بڑے بوجھ سے خواہ آنکھوں میں اندھیرا ہو جاوے۔ خواہ گردن ٹوٹنے لگے۔ خواہ قدم اٹھانا دوبھر ہو جاوے۔ مگر وہ بوجھ تو ڈھونا ہی پڑے گا۔ عمر بھر کا قیدی کہاں تک روئے گا اور روئے بھی تو کون دیکھتا ہے۔ کسے اس پر رحم آتا ہے؟ رونے سے کام میں ہرج ہونے کے سبب اسے اور زیادہ تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں۔

دوسرے روز وکیل صاحب کچہری سے آئے تو دیکھا کہ نرملا خندہ پیشانی کی مورت بن کر کمرے کے دروازے پر کھڑی ہے۔ یہ خوش کن جلوہ دیکھ کر ان کی آنکھیں آسودہ ہو گئیں۔ آج بہت دنوں کے بعد انہیں یہ کنول کھلا ہوا نظر آیا۔ کمرے میں ایک بڑا آئینہ دیوار پر لٹکا ہوا تھا۔ جس پر ایک پردہ پڑا رہتا تھا۔ آج وہ

پردہ اٹھا ہوا تھا۔ وکیل صاحب نے کمرے میں قدم رکھا تو آئینہ پر نگاہ پڑی، اپنی صورت صاف صاف نظر آئی، ان کے دل پر چوٹ سی لگی۔ دن بھر کی محنت سے چہرے کی رونق معدوم ہوگئی تھی۔ انواع و اسام کی مقویات کھانے پر بھی گالوں کی جھریاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ پیٹ کسا ہوا ہونے پر کسی منہ زور گھوڑے کی طرح باہر نکلا ہوا تھا۔ اسی آئینہ کے سامنے مگر دوسری طرف تاکتی ہوئی نرملا بھی کھڑی تھی۔ دونوں صورتوں میں کتنی تفاوت تھی، ایک جواہرات سے مزین عالیشان محل تھا تو دوسرا ٹوٹا پھوٹا کھنڈر! وہ اس آئینہ کی طرف زیادہ دیکھ نہ سکے۔ اپنی یہ بری حالت ان کے لیے نا قابل برداشت تھی۔ وہ آئینہ کے سامنے سے ہٹ گئے، اپنی ہی صورت سے نفرت ہونے لگی۔ تو پھر اس خوبصورت نازنین کا ان سے متنفر ہونا کوئی تعجب آمیز بات نہ تھی۔ انہیں نرملا کی طرف دیکھنے کی جرات نہ ہوئی۔ اس کا یہ حسن بے مثال ان کے دل کا درد بن گیا!

نرملا نے کہا" آج اتنی دیر کہاں لگائی۔ دن بھر راہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں"

طوطا رام نے کھڑکی کی طرف تاکتے ہوئے جواب دیا۔ مقدموں کے مارے دم مارنے کی فرصت نہیں ملتی۔ ابھی ایک مقدمہ اور تھا مگر درد سر کا بہانا کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔

نرملا:"تو کیوں اتنے مقدمے لیتے ہو؟ کام اتنا ہی کرنا چاہیے جتنا آرام سے ہو سکے، جان دے کر تھوڑا ہی کام کیا جاتا ہے! بہت مقدمے نہ لیا کرو، مجھے روپیوں کا لالچ نہیں ہے۔ تم آرام سے رہو گے تو بہت روپے ملیں گے"

طوطا رام:"بھئی آتی ہوئی لکشمی بھی تو نہیں ٹھکرائی جاتی"

نرملا:"لکشمی اگر گوشت اور خون کی بھینٹ لے کر آتی ہے تو اس کا نہ آنا ہی بہتر ہے۔ میں روپیہ کی بھوکی نہیں ہوں"

اس وقت منسارام بھی اسکول سے لوٹا ہے۔ دھوپ میں چلنے کیوجہ سے چہرہ پر پسینہ کے قطرے نمودار تھے۔ گورے مکھڑے پر خون کی سرخی چھا رہی تھی، آنکھوں سے شعاعیں سی نکلتی معلوم ہوتی تھیں۔ دروازے پر کھڑا ہو کر بولا ''اماں جی لائیے کھانے کو نکال لیے ذرا کھیلنے جانا ہے''

نرملا جا کر گلاس پانی کا لائی اور پھر اس نے ایک طشتری میں کچھ میرے رکھ کر منسارام کو دیئے۔ منسارام کھا پی کر چلنے لگا تو نرملا نے پوچھا ''کب تک آؤ گے؟''

منشام رام: ''کہہ نہیں سکتا، گوروں کے ساتھ ہا کی کھیلنا ہے، پارک یہاں سے بہت دور ہے''

نرملا: ''بھئی جلد آنا۔ کھانا ٹھنڈا ہو جاوے گا تو کہو گے کہ مجھے بھوک نہیں ہے''

منسارام نے نرملا کی طرف مودبانہ محبت سے دیکھ کر کہا ''مجھے دیر ہو جائے تو سمجھ لیجیے گا کہ وہیں کھا رہا ہوں۔ میرے لیے بیٹھنے کی ضرورت نہیں''

وہ چلا گیا تو نرملا بولی پہلے تو گھر میں آتے ہی نہ تھے، مجھ سے بولتے شرماتے تھے، کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو باہر سے منگوا بھیجتے۔ جب سے میں نے بلا کر بھیجا تب سے اب آنے لگے ہیں۔

طوطارام نے کچھ چڑھ کر کہا۔ یہ تمہارے پاس کھانے پینے کی چیزیں مانگنے کیوں آتا ہے؟ بہن سے کیوں نہیں مانگتا؟

نرملا نے یہ بات اپنی تعریف کیے جانے کی لالچ سے کہی تھی۔ وہ یہ دکھانا چاہتی تھی کہ میں تمہارے لڑکوں سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ اس میں ذرا بھی تصنع نہ تھا، بلکہ اس کو واقعی لڑکوں سے محبت تھی۔ اس کے طرز و انداز میں اب تک طفلانہ جذبات ہی کا غلبہ تھا۔ اس میں وہی آرزومندی، وہی امیدواری، وہی شوخی، وہی تفریح پسندی، موجود تھی اور بچوں کے ساتھ اس کے یہ طفلانہ جذبات آشکار ہوتے رہتے تھے، سوتیلے پن کی ڈاہ ابھی اس کے دل میں پیدا نہ ہوئی تھی، مگر شوہر کے خوش ہونے کے

بجائے ان کے ناک بھوں چڑھانے کا مطلب نہ سمجھ کر بولی ''میں کیا جانوں کہ ان سے کیوں نہیں مانگتے؟ میرے پاس آتے ہیں تو دھتکار نہیں دیتی۔ اگر ایسا کروں تو یہی ہوگا کہ یہ تو لڑکوں کو دیکھ کر جلتی ہے۔''

منشی جی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر آج انہوں نے موکلوں سے باتیں نہیں کیں، سیدھے منسارام کے پاس گئے اور اس کا امتحان لینے لگے۔ یہ زندگی میں پہلا ہی موقع تھا کہ انہوں نے منسارام اور کسی لڑکے کی تعلیمی ترقی کے بارے میں اتنی دلچسپی ظاہر کی ہو۔ انہیں اپنے کام سے سر اٹھانے کی مہلت ہی نہ ملتی تھی۔ وہ قانونی کتب وہ کاغذات کے سوا اور کچھ پڑھتے ہی نہ تھے، اس کا انہیں وقت ہی نہ ملتا تھا، مگر آج انہیں مضامین میں وہ منسارام کا امتحان لینے لگے۔ منسارام ذہین تھا اور ساتھ ہی محنتی بھی تھا۔ کھیل میں وہ بی ٹیم کا کپتان ہونے پر بھی اپنے درجے میں اول رہتا تھا۔ جس سبق کو ایک بار پڑھ لیتا وہ اس کے دل پر نقش کالحجر ہوا جاتا تھا۔ منشی جی کو عجلت میں ایسے باریک سوال تو سوجھے ہی نہیں، جن کے جوابات دینے میں ایک ہوشیار لڑکے کو بھی کچھ سوچنا پڑتا اور معمولی سوالات کو منسارام نے چٹکیوں میں اڑا دیا۔ کوئی سپاہی اپنے دشمن پر وار خالی جاتا دیکھ کر جیسے جھلا جھلا کر اور بھی تیزی سے وار کرتا ہے، اسی طرح منسارام کے جوابات کو سن کر وکیل صاحب بھی سمجھتے تھے۔ وہ کوئی ایسا سوال کرنا چاہتے تھے جس کا جواب منسارام نہ دے سکے۔ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس کا کمزور پہلو کہاں ہے۔ یہ دیکھ کہ اب انہیں اطمینان نہ ہوتا تھا کہ یہ کیا کرتا ہے؟ وہ یہ دیکھنا چاہتے کہ یہ کیا نہیں کرتا۔ کوئی مشاق ممتحن منسارام کی کمزوریوں کو آسانی سے دکھا دیتا۔ مگر وکیل صاحب اپنی نصف صدی کی بھولی ہوئی تعلیم کی بناء پر کامیاب کیسے ہوتے؟ آخر میں جب ان کو اپنا غصہ اتارنے کے لیے کوئی بہانہ نہ ملا تو بولے ''میں دیکھتا ہوں کہ تم تمام دن ادھر ادھر مٹر گشت کیا کرتے ہو۔ میں تمہارے چال چلن کو تمہاری عقل سے زیادہ سمجھتا ہوں اور تمہارا اس طرح آوارہ

پھرنا مجھے گوارا نہیں ہو سکتا‘‘

منسارام نے بے خوفی سے کہا’’میں شام کو ایک گھنٹہ کھیلنے کے لیے جانے کے سوا دن بھر کہیں نہیں جاتا۔آپ اماں یا بواجی سے پوچھ لیں۔ مجھے خود اس طرح گھومنا پسند نہیں۔ہاں، کھیلنے کے لیے ہیڈ ماسٹر صاحب اصرار کر کے بلاتے ہیں تو مجبوراً جانا ہی پڑتا ہے۔اگر آپ کو میرا کھیلنے جانا پسند نہیں ہے تو کل سے نہیں جاؤں گا‘‘

منشی جی نے دیکھا کہ باتیں دوسرے ہی رخ پر جا رہی ہیں،تو تیز لہجہ میں بولے’’ مجھے اس بات کا اطمینان کیوں کر ہو کہ تم کھیلنے کے سوا اور کہیں نہیں گھومنے جاتے؟ میں برابر شکائتیں سنتا ہوں‘‘

منسارام نے تیز ہو کر کہا’’کن صاحب نے آپ سے یہ شکایت کی ہے۔ذرا میں بھی تو سنوں‘‘

وکیل: ’’کوئی بھی ہو اس سے تمھیں کوئی مطلب نہیں، تمھیں اتنا اعتبار ہونا چاہیے کہ میں جھوٹا الزام نہیں لگاتا‘‘

منسارام: ’’اگر میرے سامنے کوئی آ کر کہہ دے کہ میں نے اس کو کہیں گھومتے دیکھا ہے تو منہ نہ دکھاؤں‘‘

وکیل: ’’کسی کو کیا غرض پڑی ہے کہ تمہارے منہ پر تمہاری شکایت کرے اور تم سے بیر مول لے؟ تم اپنے دو چار ساتھیوں کو لے کر اس کے گھر کا کھپریل پھوڑتے پھرو۔مجھ سے اس قسم کی شکایت ایک آدمی نے نہیں، کئی آدمیوں نے کی ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ میں اپنے دوستوں کی باتوں کا اعتبار نہ کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسکول میں رہا کرو‘‘

منسارام نے اداس ہو کر کہا’’ مجھے وہاں رہنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جب کہیے، چلا جاؤں‘‘

وکیل: ’’تم اداس کیوں ہو گئے؟ کیا وہاں رہنا اچھا نہیں لگتا؟ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ گویا وہاں جانے سے تمہاری نانی مری جا رہی ہے۔ آخر بات کیا ہے۔ وہاں تمہیں کیا تکلیف ہوتی ہے؟‘‘

منسارام بورڈنگ ہاؤس میں رہنے کا شائق نہ تھا لیکن جب منشی جی نے یہی بات کہہ دی اور اس کا سبب دریافت کیا تو وہ اپنی شرم مٹانے کے لیے خوش ہو کر بولا ’’اداس کیوں ہوں؟ میرے لیے جیسے گھر ویسے بورڈنگ ہاؤس، تکلیف بھی کوئی نہیں اور اگر ہو بھی تو اسے برداشت کر سکتا ہوں۔ میں کل سے چلا جاؤں گا، ہاں اگر جگہ نہ خالی ہوئی تو مجبوری ہے۔ منشی جی وکیل تھے، سمجھ گئے کہ یہ لڑکا کوئی حیلہ تلاش کر رہا ہے کہ مجھے وہاں جانا بھی نہ پڑے اور کوئی الزام بھی سر پر نہ آئے بولے ’’سب لڑکوں کے لیے جگہ ہے‘‘ تمہارے ہی لیے جگہ نہ ہو گی؟

منسارام: ’’کتنے ہی لڑکوں کو جگہ نہیں ملی۔ اور وہ باہر کرایہ کے مکانات میں پڑے ہوئے ہیں۔ ابھی بورڈنگ ہاؤس سے ایک لڑکے کا نام خارج ہو گیا تھا تو اس جگہ کے لیے پچاس درخواستیں آئی تھیں‘‘

وکیل صاحب نے زیادہ بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ منسارام کو کل تیار رہنے کا حکم دے کر بگھی تیار کرائی اور سیر کرنے چلے گئے۔ ادھر کچھ دنوں سے وہ شام کو عموماً سیر کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔ کسی تجربہ کار شخص نے بتلایا تھا کہ زندگی بڑھانے کا اس سے بڑھ کر کوئی نسخہ نہیں ہے۔ ان کے جانے کے بعد منسارام آ کر رکمنی سے بولا ’’بوا جی، بابو جی نے مجھے کل سے اسکول ہی میں رہنے کو کہا ہے‘‘

رکمنی نے متعجب ہو کر پوچھا ’’کیوں؟‘‘

منسارام: ’’میں کیا جانوں، کہنے لگے کہ تم یہاں آواروں کی طرح ادھر ادھر گھوما کرتے ہو‘‘

رکمنی: ’’پھر تو نے کہا کہ میں کہیں نہیں جاتا؟‘‘

منسارام: ’’کہا کیوں نہیں مگر جب وہ مانیں بھی‘‘

رکمنی: ''تمہاری اماں جی کی کرپا ہوگی اور کیا''

منسارام: ''نہیں بوا جی، مجھے ان پر شک نہیں ہے۔وہ کبھی بھول کر بھی کچھ بے جا نہیں کہتیں،کوئی چیز مانگنے جاتا ہوں تو فوراً اٹھ کر دیتی ہیں''

رکمنی جھلائی ہوئی نرملا کے پاس جا پہنچی۔اسے آڑے ہاتھوں لینے کا، کانٹوں میں گھسیٹنے کا،طعنوں سے چھیدنے کا، رولانے کا، وہ کوئی اچھا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی تھی۔نرملا ان کی عزت کرتی تھی، ان سے دبتی تھی، ان کی باتوں کا جواب نہ دیتی تھی، وہ چاہتی تھی کہ یہ مجھے نصیحت کی باتیں کہے، جہاں میں بھولوں وہاں سدھارے، سب کاموں کی دیکھ بھال کرتی رہے۔مگر رکمنی اس سے کھنچی سی رہتی تھی۔

نرملا پلنگ سے اٹھ کر بولی ''آیئے جی جی! بیٹھیے''

رکمنی نے کھڑے کھڑے کہا ''میں پوچھتی ہوں کیا تم سب کو گھر سے نکال کر اکیلی ہی رہنا چاہتی ہو؟''

نرملا نے سہمی آواز میں کہا ''کیا ہوا، جی جی، میں نے تو کسی سے کچھ نہیں کہا''

رکمنی: ''منسارام کو گھر سے نکالے دیتی ہو اور کہتی ہو کہ میں نے تو کسی سے کچھ نہیں کہا۔کیا تم سے اتنا بھی نہیں دیکھا جاتا؟''

نرملا: ''جی جی میں تمہارے پیروں پڑ کر کہتی ہوں کہ مجھے کچھ بھی نہیں معلوم۔میری آنکھیں پھوٹ جائیں، اگر میں نے اس کے بارے میں زبان تک کھولی ہو''

رکمنی: ''کیوں بے فائدہ قسمیں کھاتی ہو؟اب تک طوطارام کبھی لڑکے سے نہیں بولتے تھے، ایک ہفتہ کے لیے منسارام ننہال چلا گیا تھا تو اتنا گھبرائے کہ خود جا کر ہمراہ لائے۔اب اسی منسارام کو گھر سے نکال کر اسکول میں رکھے دیتے ہیں اگر لڑکے کا بال بھی بانکا ہوا تو تم جانو گی۔وہ کبھی بھی باہر نہیں رہا۔اسے نہ کھانے کی سدھ رہتی ہے نہ پہننے کی، جہاں بیٹھا وہیں سو جاتا ہے۔کہنے کو جوان ہو گیا،مگر

مزاج لڑکوں کا سا ہے۔ اسکول میں اس کی مرن ہو جائے گی۔ وہاں کسے فکر ہے کہ اس نے کھایا یا نہیں، کہاں کپڑے اتارے، کہاں سو رہا ہے، جب گھر میں کوئی پوچھنے والا نہیں، تو باہر کون پوچھے گا؟ میں نے تمہیں جتا دیا، آگے تم جانو اور تمہارا کام جانے''

یہ کہہ کر رکمنی وہاں سے چلی گئی

وکیل صاحب سیر کر کے لوٹے تو نرملا نے فوراً یہ گفتگو چھیڑ دی۔ منسارام سے وہ آج کل تھوڑی دیر انگریزی پڑھتی تھی، اس کے چلے جانے پر پھر اس کے پڑھنے کا ہرج نہ ہوگا؟ دوسرا کون پڑھائے گا؟ وکیل صاحب کو اب تک یہ بات معلوم نہ تھی۔ نرملا نے سوچا تھا کہ جب کچھ انگریزی کی مہارت ہو جائے گی تو ایک روز انگریزی میں باتیں کر کے وکیل صاحب کو متحیر کر دوں گی۔ کچھ تھوڑی سی واقفیت اس کو اپنے بھائیوں سے ہو گئی تھی، اب وہ باقاعدہ پڑھ رہی تھی۔ وکیل صاحب کے سینے پر سانپ لوٹ گیا، تیوریاں چڑھا کر بولے، کب سے پڑھا رہا ہے تمہیں؟ مجھ سے تم نے پہلے کبھی نہیں کہا؟

نرملا نے ان کی ایسی شکل صرف ایک بار دیکھی تھی۔ جب انہوں نے سیارام کو مارتے مارتے بے دم کر دیا تھا۔ وہی شکل زیادہ خوفناک ہو کر آج اس کو پھر دکھائی دی، وہ سہمی ہوئی بولی۔

''ان کے پڑھنے میں تو اس سے تو کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ میں اسی وقت پڑھتی ہوں، جب فرصت رہتی ہے۔ پوچھ لیتی ہوں کہ تمہارا ہرج ہوتا ہے تو جاؤں۔ اکثر جب وہ کھیلنے جانے لگتے، میں تو دس منٹ کے لیے روک لیتی ہوں میں خود چاہتی ہوں کہ ان کا ہرج نہ ہو۔''

بات کچھ نہ تھی مگر وکیل صاحب مضمحل سے ہو کر پلنگ پر گر پڑے اور پیشانی پر ہاتھ رکھ کر گہرے سوچ میں ڈوب گئے۔ انہوں نے جتنا سمجھا تھا، بات اس سے کہیں

بڑھ گئی تھی۔ انہیں اپنے اوپر غصہ آیا کہ میں نے پہلے ہی کیوں نہ لڑکے کو باہر رکھنے کا بندوبست کیا۔ آج کل جو یہ مہارانی اتنی خوش دکھائی دیتی ہیں، اس کا بھید اب سمجھ میں آیا۔ پہلے کبھی کمرہ اس قدر آراستہ نہ رہتا تھا، بناؤ سنگار بھی نہ کرتی تھیں مگر اب دیکھتا ہوں کہ کایا پلٹ سی ہو گئی ہے۔ دل میں آیا کہ اس وقت چل کر منسارام کو نکال دوں مگر عقل سلیم نے سمجھایا کہ اس موقع پر غصہ کی ضرورت نہیں، کہیں اس نے بھانپ لیا تو غضب ہو جائے گا۔ ہاں ذرا اس کے باطنی جذبات کو ٹٹولنا چاہیے" بولے یہ تو میں جانتا ہوں کہ تمہیں دو چار منٹ پڑھانے میں اس کا کوئی ہرج نہیں ہوتا۔ لیکن آوارہ لڑکا ہے، اپنا کام نہ کرنے کا اسے ایک بہانا تو مل جاتا ہے۔ کل اگر فیل ہو گیا تو صاف کہہ دے گا کہ میں تو دن بھر پڑھاتا رہتا تھا۔ میں تمہارے لیے کوئی مس نوکر رکھ دوں گا۔ کچھ زیادہ خرچ نہ ہو گا۔ تم نے مجھ سے پہلے کچھ کہا ہی نہیں۔ یہ بھلا تمہیں کیا پڑھاتا ہو گا۔ دو چار لفظ بتا کر بھاگ جاتا ہو گا۔ اس طرح تو تمہیں کچھ بھی نہ آئے گا۔"

نرملا نے فوراً اس کی تردید کی نہیں یہ بات تو نہیں! وہ مجھے دل لگا کر پڑھاتے ہیں، اور ان کا طرز بھی کچھ ایسا ہے کہ پڑھنے میں جی لگتا ہے، آپ ایک دن ذرا ان کو سمجھا تا دیکھیے میں تو سمجھتی ہوں کہ مس اس طرح نہ پڑھائے گی۔

منشی جی اپنے اس ہوشیاری بھرے سوال پر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے بولے" دن میں ایک ہی بار پڑھاتا ہے یا کئی بار؟"

نرملا اب بھی ان باتوں کا مطلب نہ سمجھی، بولی "پہلے تو شام کو پڑھا دیتے تھے اب کئی دنوں سے ایک بار لکھنا بھی دیکھ لیتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ میں اپنی کلاس میں سب سے اچھا ہوں۔ ابھی امتحان میں انہیں کو اول درجہ ملا تھا۔ پھر آپ کیسے سمجھتے ہیں کہ ان کا پڑھنے میں جی نہیں لگتا؟ میں اس لیے اور بھی کہتا ہوں کہ جی جی سمجھیں گی کہ اس نے یہ آگ لگائی ہے مجھے مفت میں طعنے سننے پڑیں گے ابھی ذرا ہی دیر

ہوئی، دھمکا کر گئی ہیں''

منشی جی نے دل میں کہا۔خوب سمجھتا ہوں،تو کل کی چھوکری ہو کر مجھے اڑانے چلی ہے۔بہن کا سہارا لے کر اپنا مطلب پورا کرنا چاہتی ہے۔بولے''میں نہیں سمجھتا کہ بورڈنگ کا نام سن کر کیوں لونڈے کی نانی مرتی ہے؟اور لڑکے خوش ہوتے ہیں کہ اب اپنے دوستوں میں رہیں گے یہ الٹا رو رہا ہے۔ابھی کچھ دن پہلے تک یہ دل لگا کر پڑھتا تھا۔یہ اسی محنت کا نتیجہ ہے کہ اپنے درجے میں سب سے اچھا ہے لیکن ادھر کچھ دنوں سے اسے سیر سپاٹے کا چسکا پڑ چکا ہے۔اگر ابھی سے روک تھام نہ کی گئی تو پیچھے کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑے گا۔تمہارے لیے میں ایک مس رکھ دوں گا''

دوسرے روز منشی جی علی الصبح کپڑے پہن کر باہر نکلے۔دیوان خانے میں کئی موکل بیٹھے ہوئے تھے۔ان میں ایک راجہ صاحب بھی تھے۔جن سے منشی جی کو کوئی ہزار روپے سالانہ محنتانہ ملتا تھا۔مگر منشی جی انہیں وہیں بیٹھا چھوڑ کر اور دس منٹ میں واپسی کا وعدہ کرتے ہوئے بگھی پر بیٹھ کر اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے یہاں جا پہنچے۔ہیڈ ماسٹر صاحب نے نہایت شریف آدمی تھے۔انہوں نے وکیل صاحب کی بہت تعظیم وتکریم کی مگر ان کے یہاں ایک لڑکے کے لیے بھی خالی جگہ نہ تھی۔سبھی کمرے بھرے ہوئے تھے۔انسپکٹر صاحب کی سخت تاکید تھی کہ مفصلات کے لڑکوں کو جگہ دینے کے بعد ہی شہر کے لڑکوں کو داخل کیا جائے۔اس لیے اگر کوئی جگہ خالی بھی ہوئی تو بھی منسارام کو نہ مل سکے گی کیوں کہ پہلے ہی کئی لڑکوں کی درخواستیں رکھی ہوئی تھیں۔منشی جی وکیل تھے۔رات دن ایسے لوگوں سے سابقہ رہتا تھا جو طمع میں آ کر مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں۔سمجھے کہ شاید کچھ دے دلا کر کام نکل جاوے۔دفتر کے کلرک سے کچھ بات چیت کرنی چاہیے۔مگر اس نے ہنس کر کہا'' منسی جی!یہ کچہری نہیں،سکول ہے ہیڈ ماسٹر صاحب کے کانوں میں اس کی بھنک

بھی پڑ گئی تو جامہ سے باہر ہو جائیں گے اور منسا رام کو کھڑے کھڑے نکال دیں گے۔ ممکن ہے کہ افسروں سے بھی شکایت کریں۔ بیچارے منشی جی اپنا سامنہ لے کر رہ گئے۔ دس بجتے بجتے جھنجھلاتے ہوئے گھر لوٹے۔ منسا رام اسی وقت سکول جانے کو نکلا۔ منشی جی نے اسے تیز نگاہوں سے دیکھا گویا وہ ان کا دشمن ہو اور گھر میں چلے گئے''

اس کے بعد دس بارہ روز تک وکیل صاحب کا یہی دستور رہا کہ کبھی صبح کبھی شام کسی نہ کسی اسکول کے ہیڈ ماسٹر سے ملتے اور منسا رام کو بورڈنگ ہاؤس میں داخل کرانے کی کوشش کرتے۔ مگر کسی اسکول میں جگہ نہ تھی، سبھی کے یہاں سے صاف جواب مل گیا۔ اب وہ تدبیریں تھیں، یا تو منسا رام کو علیحدہ کرایہ کے مکان میں رکھ دیا جائے یا کسی دوسرے شہر کے سکول میں داخل کرا دیا جائے۔ یہ دونوں ہی باتیں آسان تھیں۔ مفصلات کے سکولوں میں جگہیں اکثر خالی رہتی تھیں۔ لیکن اب منشی جی کے دل کو کچھ سکون ہو گیا تھا۔ اس روز سے منسا رام کو انہوں نے کبھی گھر میں جاتے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ اب وہ کھیلنے بھی نہ جاتا تھا۔ اسکول جانے سے قبل اور آنے کے بعد برابر اپنے کمرے میں بیٹھا رہتا۔ گرمی کا موسم تھا، کشادہ میدانوں میں بھی بدن سے پسینہ ٹپکتا تھا، لیکن وہ اپنے کمرے سے باہر قدم نہ رکھتا۔ اس کی خود داری آوارہ گردی کے الزام سے بری ہو جانے کے لیے بے قرار ہو رہی تھی۔ وہ اپنے عمل سے اس کلنک کو مٹا دینا چاہتا تھا۔

ایک روز منشی جی بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ منسا رام بھی نہا کر کھانے آیا۔ منشی جی نے اس طرف سے اسے مہینوں بھر نہ دیکھا تھا۔ آج اس پر نگاہ پڑی تو ہوش اڑ گئے۔ ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ کھڑا تھا۔ چہرے پر اب بھی برہم چریہ کی جلا تھی مگر بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا'' پوچھا آج کل تمہاری طبیعت اچھی نہیں ہے کیا؟ اتنے کمزور کیوں ہو؟''

منسارام نے دھوتی اوڑھ کر کہا ’’طبیعت تو بالکل اچھی ہے‘‘

منشی جی: ’’پھر اتنے کمزور کیوں؟‘‘

منسارام: ’’کمزور تو نہیں ہوں، میں اس سے زیادہ موٹا کب تھا؟‘‘

منشی جی: ’’واہ، آدھا بدن بھی نہیں رہا اور کہتے ہو کہ میں کمزور نہیں ہوں۔ کیوں بہن، یہ ایسا ہی تھا؟‘‘

رکمنی صحن میں کھڑی تلسی کو جل چڑھا رہی تھی۔ بولی ’’دبلا کیوں ہو گیا۔ اب تو اچھی طرح پالن ہو رہا ہے۔ میں تو گنوارنی تھی، لڑکوں کو کھلانا پلانا نہیں جانتی تھی۔ مٹھائی کھلا کھلا کر ان کی عادت بگاڑ دیتی تھی، اب تو ایک پڑھی لکھی گرہستی کے کاموں میں ہوشیار عورت پان کی طرح پھیر رہی نا! دبلا ہو اس کا دشمن!‘‘

منشی جی: ’’بہن تم بڑا انیائے کرتی ہو۔ تم سے کس نے کہا کہ لڑکوں کو بگاڑ رہی ہو؟ جو کام دوسروں کے کیے نہ ہو سکے۔ وہ تمہیں خود کرنا چاہیے۔ یہ نہیں کہ گھر سے کوئی سروکار ہی نہ رکھو۔ جو ابھی خود لڑکی ہے، وہ لڑکوں کی دیکھ بھال کیا کرے گی؟ یہ تمہارا کام ہے‘‘

رکمنی: ’’جب تک اپنا سمجھتی، کرتی تھی، جب تم نے غیر سمجھ لیا تو مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہارے گلے سے لپٹوں؟ پوچھو کتنے دنوں سے دودھ نہیں پیا۔ جا کر کمرہ میں دیکھ آؤ کہ ناشتے کے لیے جو مٹھائی بھیجی گئی تھی، وہ پڑی سڑ رہی تھی، لیکن سمجھتی ہیں میں نے تو کھانے کو سامنے رکھ دیا۔ کوئی نہ کھائے تو منہ میں ڈال دوں۔ بھیا اس طرح وہ لڑکے پلتے ہوں گے، جنہوں نے کبھی لاڈ پیار کا سکھ نہیں دیکھا۔ تمہارے لڑکے برابر پان کی طرح پھیرے جاتے رہے ہیں۔ اب ہاتھوں کی طرح رہ کر سکھی نہیں رہ سکتے۔ میں تو بات صاف کہتی ہوں، برا مان کر کوئی میرا کیا کرے گا۔ اس پر سنتی ہوں کہ لڑکے کو اسکول میں رکھنے کا بندوبست کر رہے ہو۔ بے چارے کو گھر میں آنے تک کو منع ہے۔ میرے پاس آتے بھی ڈرتا ہے، اور پھر میرے پاس رکھا ہی کیا رہتا

ہے جو لا کر کھلاؤں گی۔"

اتنے میں منسارام دو پھلکے کھا کر اٹھ کھڑا ہوا۔منشی جی نے پوچھا۔"کیا تم کھا چکے، ابھی بیٹھے ایک منٹ سے زیادہ نہیں ہوا۔تم نے کھایا کیا؟ دو ہی پھلکے تو لیے تھے"

منسارام نے شرماتے ہوئے کہا" دال اور ترکاری بھی تو تھی۔زیادہ کھا جاتا ہوں تو گلا جلنے لگتا ہے۔کھٹی ڈکاریں آنے لگتی ہیں"

منشی جی کھا کر اٹھے تو بہت فکر مند تھے۔اگر لڑکا یوں ہی لاغر ہوتا گیا تو کوئی مہلک مرض لاحق ہو جائے گا۔انہیں رکمنی پر اس وقت بہت غصہ آ رہا تھا۔انہیں یہی جلن ہے کہ میں گھر کی مالکہ نہیں ہوں۔یہ نہیں سمجھتیں کہ مجھے مالکہ بننے کا کیا حق ہے۔جسے روپیوں کا حساب تک کرنا نہیں آتا،وہ گھر کی مالکہ کیسے ہو سکتی ہے۔بنی تو تھیں سال بھر تک مالکہ۔ایک پائی کی بھی بچت نہ ہوتی تھی۔اس آمدنی میں روپ کلا دو ڈھائی سو روپے بچا لیتی تھی۔ان کے راج میں وہی آمدنی خرچ کو بھی پوری نہ پڑتی تھی۔کوئی بات نہیں،لاڈ پیار سے ان لڑکوں کا ستیاناس کر دیا۔اتنے بڑے بڑے لڑکوں کو اس کی کیا ضرورت کہ جب کوئی کھلائے تو کھائیں۔انہیں تو خود اپنی فکر رکھنی چاہیے۔منشی جی تمام دن اسی ادھیڑ بن میں پڑے رہے،دو چار دوستوں سے بھی ذکر کیا۔لوگوں نے کہا،اس کے کھیل کود میں رکاوٹ نہ ڈالیے،ابھی اسے قید نہ کیجیے۔کھلی ہوا میں چال چلن بگڑنے کی اس سے کہیں کم امید ہے،جتنی بند کمرے میں۔بری صحبت سے ضرور بچائیے۔مگر یہ نہیں کہ اسے گھر سے نکلنے ہی نہ دیجیے۔ایام شباب میں تنہائی میں رہنا چال چلن کے لیے نہایت مضر ہے۔

منشی جی کو اب اپنی غلطی معلوم ہوئی۔گھر لوٹ کر منسارام کے پاس گئے۔وہ ابھی سکول سے آیا تھا۔اور بغیر کپڑے اتارے ایک کتاب سامنے کھول کر سامنے کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔اس کی نظر ایک بھکارن پر جمی ہوئی تھی،جو بچہ کو گود میں لیے بھیک مانگ رہی تھی۔بچہ ماں کی گود میں بیٹھا ہوا ایسا خوش تھا گویا وہ کسی شاہی تخت پر

بیٹا ہو۔منسارام اس بچے کو دیکھ کر رو پڑا۔ یہ بچہ مجھ سے زیادہ سکھی نہیں ہے؟ اس تمام دنیا میں ایسی کون سی چیز ہے۔جسے وہ اس گود کے بدلے میں پا کر خوش ہو۔ایشور بھی ایسی کسی چیز کو نہیں بنا سکتا۔ایشور! ایسے بچے کو پیدا ہی کیوں کرتے ہو جسے ماں کی دائمی مفارقت کا دکھ بھوگنا پڑا ہو؟ آج مجھ سا بدنصیب اس دنیا میں اور کون ہے؟ کسے میرے کھانے پینے کی، مرنے جینے کی سدھ ہے۔اگر آج مر بھی جاؤں تو کس کے دل کو صدمہ پہنچے گا؟ باپ کو اب مجھے رلانے میں مزا آتا ہے، وہ میری صورت سے بیزار ہیں۔ مجھے گھر سے نکال دینے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔آہ ماں! تمہارا بیٹا آج آوارہ اور بد چلن کہا جا رہا ہے۔وہی باپ جن کے ہاتھوں میں تم نے ہم تینوں بھائیوں کے ہاتھ دیئے تھے۔آج مجھے آوارہ اور بد چلن بتا رہا ہے۔ میں اس قابل بھی نہیں کہ اس گھر میں رہ سکوں! یہ سوچتے سوچتے منسارام بے حد رنج سے زار و قطار رونے لگا۔

اسی وقت طوطا رام کمرے میں آ کر کھڑے ہو گئے۔منسارام نے فوراً آنسو پونچھ ڈالے، وہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔منشی جی نے شاید پہلی مرتبہ اس کمرے میں قدم رکھا تھا۔منسارام کا دل دھڑکنے لگا کہ دیکھوں آج کیا آفت آتی ہے۔منشی جی نے اسے روتے دیکھا تو ایک لمحے کے لیے ان کی محبت پدری گویا چونک پڑی۔گھبرا کر بولے۔ ''کیوں'' روتے ہو بیٹا؟ کیا کسی نے کچھ کہا ہے؟

منسارام نے بڑی مشکل سے اٹھتے ہوئے آنسوؤں کو روک کر کہا ''جی نہیں روتا تو نہیں ہوں''

منشی جی: ''تمہاری اماں نے تو کچھ نہیں کہا''

منسارام: ''جی نہیں وہ تو مجھ سے بولتی ہی نہیں''

منشی جی: ''کیا کروں بیٹا شادی تو اس لیے کی تھی کہ بچوں کو ماں مل جائے گی۔مگر وہ امید پوری نہ ہوئی۔تو کیا بالکل نہیں بولتیں؟''

منسارام: ”جی نہیں ادھر مہینوں سے نہیں بولیں“

منشی جی: ”عجیب مزاج کی عورت ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا چاہتی ہے؟ میں جانتا کہ اس کا ایسا مزاج ہوگا تو کبھی شادی نہ کرتا۔ روز ایک بات لے کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے۔ اسی نے مجھ سے کہا تھا کہ یہ دن بھر نہ جانے کہاں غائب رہتا ہے۔ میں اس کے دل کی بات کیا جانتا تھا، سمجھا کہ تم بری صحبت میں پڑ کر شاید دن بھر گھوما کرتے ہو۔ کون ایسا باپ ہے جسے اپنے پیارے بیٹے کو آوارہ پھرتے دیکھ کر رنج نہ ہو؟ اس لیے میں نے تمہیں بورڈنگ ہاؤس میں رکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ بس اور کوئی بات نہیں تھی۔ بیٹا میں تمہارا کھیلنا کودنا بند نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر میرے کلیجے کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں۔ کل مجھے معلوم ہوا کہ میں مغالطے میں تھا، تم شوق سے کھیلو۔ صبح و شام میدان میں نکل جایا کرو۔ تازہ ہوا سے تمہیں فائدہ ہو گا۔ جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہو۔ ان سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ سمجھ لو کہ وہ گھر ہی میں نہیں ہے۔ تمہاری ماں چھوڑ کر چلی گئی مگر میں تو موجود ہوں“

لڑکے کا سادہ معصوم دل شفقت پدری سے مسرور ہو گیا۔ اسے معلوم ہوا کہ گویا مجسم ایشور کھڑا ہوا ہے۔ مایوسی اور غم سے بے قرار ہو کر اس نے دل میں اپنے باپ کو بیدرد اور نہ جانے کیا کیا سمجھ رکھا تھا۔ سوتیلی ماں سے اسے کوئی گلہ نہ تھا۔ اب اسے معلوم ہوا کہ میں نے اپنے دیوتا جیسے باپ کے ساتھ کتنی بے انصافی کی ہے۔ محبت کی ایک لہر سی دل میں اٹھی اور وہ باپ کے قدموں پر سر رکھ کر رونے لگا۔ منشی جی رقت سے بے تاب ہو گئے۔ جس لڑکے کو آنکھوں سے ایک لمحہ دور دیکھ کر ان کا دل بے قرار ہو جاتا تھا، جس کی شرافت، عقل اور نیک شعاری کے اپنے پرائے سبھی تعریف کرتے تھے۔ اس کی جانب سے ان کا اتنا سخت دل کیوں ہوگا؟ وہ اپنے ہی عزیز لڑکے کو اپنا دشمن سمجھنے لگے۔ اس کو جلاوطن کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ نرملا باپ اور بیٹے کے درمیان میں دیوار کی طرح حائل تھی۔ نرملا کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے ہٹنا

پڑتا تھا اور باپ بیٹے میں تفرقہ پڑتا جاتا تھا۔ انجام کار آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ اپنے عزیز بیٹے سے انہیں اتنا فریب کرنا پڑ رہا ہے۔ آج بہت سوچنے کے بعد انہیں ایک ایسی ترکیب سوجھی ہے جس سے انہیں امید ہو رہی ہے کہ وہ نرملا کو بیچ سے نکال کر اپنے دوسرے بازو کو اپنی طرف کر لیں گے۔ انہوں نے اس ترکیب پر عمل کرنا بھی شروع کر دیا ہے۔ مگر اس سے مقصد برآوری ہوگی یا نہیں؟ اسے کون جانتا ہے۔

جس روز سے طوطا رام نے نرملا کی بہت منت سماجت کرنے پر بھی منسارام کو بورڈنگ میں بھیجنے کا ارادہ کر لیا تھا، اسی روز سے اس نے منسارام سے پڑھنا ترک کر دیا تھا۔ یہاں تک کہ اس سے بولتی بھی نہ تھی۔ اسے اپنے شوہر کی اس بدگمانی کا کچھ کچھ پتہ چل گیا تھا۔ اف! اتنا شکی مزاج۔ ایشور ہی اس گھر میں لاج رکھے۔ ان کے دل میں ایسے ایسے برے خیالات بھرے ہوئے ہیں۔ مجھے یہ اتنی گئی گزری سمجھ رہے ہیں۔ یہ باتیں سوچ کر وہ کئی دن روتی رہی۔ پھر اس نے سوچنا شروع کیا کہ انہیں کیوں ایسا شک ہو رہا ہے۔ مجھ میں ایسی کونسی بات ہے جو ان کی آنکھوں میں کھٹکتی ہے؟ بہت سوچنے پر بھی اسے اپنے میں کوئی ایسی بات نظر نہ آئی۔ تو کیا اس کا منسارام سے پڑھنا، اس کا ہنسنا بولنا ہی ان کے شک کا سبب ہے؟ تو پھر میں پڑھنا چھوڑ دوں گی۔ بھول کر منسارام سے نہ بولوں گی۔ اس کی صورت بھی نہ دیکھوں گی۔

مگر یہ ریاضت اسے ناقابل عمل معلوم ہوتی تھی۔ منسارام سے ہنسنے بولنے میں اس کا عیش پسند تخیل برافروختہ بھی ہوتا تھا اور مطمئن بھی! اس سے باتیں کرتے ہوئے اسے ایک قسم کا سکھ کا احساس ہوتا تھا۔ جسے وہ الفاظ میں ظاہر نہ کر سکتی تھی۔ نفس پرستی کا اس کے دل میں شائبہ بھی نہ تھا۔ وہ خواب میں بھی منسارام سے ناجائز محبت کرنے کی بات نہ سوچ سکتی تھی۔ ہر شخص کو اپنے ہمجولیوں کے ساتھ ہنسنے، بولنے کی جو ایک قدرتی خواہش ہے، اس کے پورا کرنے کا یہ ایک نامعلوم ذریعہ تھا۔ اب وہ ناتمام خواہش نرملا کے دل میں چراغ کی طرح جلنے لگی۔ رو کر اس کا دل کسی

نامعلوم درد سے بے چین ہو جاتا۔ کسی نامعلوم گمشدہ چیز کی تلاش میں ادھر بھٹکتی رہتی۔ وہاں بیٹھی ہی رہ جاتی۔ کسی کام میں دل نہ لگتا تھا۔ ہاں جب منشی جی آتے تو وہ اپنی تمام خواہشات کو مایوسی میں جذب کر کے ان سے مسکرا کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگتی۔

کل جب منشی جی کھانا کھا کر کچہری چلے گئے تو رکمنی نے نرملا کو خوب طعنے دیئے۔ جانتی تو تھی کہ یہاں بچوں کو پالنا پڑے گا تو کیوں گھر والوں سے نہیں کہہ دیا کہ میرا بیاہ نہ کرو۔ وہاں جاتی جہاں مرد کے سوا اور کوئی نہ ہوتا۔ وہی یہ بناؤ سنگار دیکھ کر خوش ہوتا۔ اپنے بھاگ کو سراہتا۔ یہاں یہ بوڑھا آدمی تمہارے رنگ روپ اور نخروں پر ریجھے گا؟ اس نے انہی بچوں کی سیوا کرنے کے لیے تم سے بیاہ کیا ہے نہ کہ مزہ اٹھانے کے لیے۔ وہ بڑی دیر تک زخم پر نمک چھڑکتی رہی۔ مگر نرملا نے زبان تک نہ ہلائی۔ وہ صفائی پیش تو کرنا چاہتی تھی، مگر نہ کر سکتی تھی۔ اگر وہ کہے کہ میں وہی کر رہی ہوں جو میرے شوہر کی مرضی ہے تو گھر کا راز فشا ہوتا ہے، اگر اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اس کی اصلاح کرتی ہے تو اندیشہ ہے کہ اس کا نہ جانے کیا انجام ہو۔ وہ تو بڑی صاف گو تھی، سچ کہنے میں اسے تامل یا خوف نہ ہوتا تھا۔ مگر اس نازک موقع پر اس کو خاموش رہ جانا پڑا۔ اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔ وہ دیکھتی تھی کہ منسارام بہت بے تعلق اور مغموم رہتا ہے۔ یہ بھی دیکھتی تھی کہ وہ روز بروز نحیف ہوتا جارہا ہے۔ لیکن قول و فعل دونوں پر مہر لگی ہوئی تھی۔ چور کے گھر میں چوری ہو جانے سے اس کی جو حالت ہو جاتی ہے، وہی حالت اس وقت نرملا کی ہو رہی تھی۔

8

جب کوئی بات ہماری امید کے خلاف ہوتی ہے تبھی افسوس ہوتا ہے۔ منسارام کو نرملا سے کبھی اس بات کی امید نہ تھی۔ کہ وہ اس کی شکایت کرے گی۔ اس لیے اس کو بڑی بے چینی ہو رہی تھی۔ یہ کیوں میری شکایت کرتی ہیں، کیا چاہتی ہیں، یہی نا کہ

میرے شوہر کی کمائی کھاتا ہے۔ اس کے پڑھانے لکھانے میں روپے خرچ ہوتے ہیں کپڑے پہنتا ہے۔ وہ یہی چاہتی ہوں گی کہ یہ گھر میں ان رہے۔ میرے نہ رہنے سے ان کے روپے بچ جائیں گے۔ وہ مجھ سے بہت خوش رہتی ہیں۔ میں نے کبھی ان کے منہ سے سخت الفاظ نہیں سنے۔ کیا یہ سب بناوٹ ہے؟ ہوسکتا ہے چڑیا کو جال میں پھنسانے سے پہلے شکاری دانے بکھیرتا ہے۔ آہ میں نہ جانتا تھا کہ دانے کے نیچے جال ہے۔ یہ مہر مادری صرف میری جلاوطنی کی تمہید ہے۔

اچھا، میرا یہاں رہنا انہیں کیوں برا لگتا ہے؟ جو ان کا شوہر ہے کیا وہ میرا باپ نہیں؟ باپ بیٹے کا رشتہ عورت مرد کے رشتے سے کچھ کم مضبوط ہے۔ اگر مجھے ان کے مختار کل ہونے سے حسد نہیں ہوتا وہ جو چاہیں کریں، میں منہ نہیں کھول سکتا تو وہ مجھے محبت پدری سے کیوں محروم کرنا چاہتی ہیں؟ وہ اپنی سلطنت میں کیوں انگل بھر زمین بھی نہیں دینا چاہتیں؟ آپ پختہ محل میں رہ کر کیوں مجھے درخت کے سایہ میں بیٹھے نہیں دیکھ سکتیں؟

ہاں وہ سمجھتی ہوں گی کہ یہ بڑا ہوکر میرے شوہر کا مالک ہو جائے گا۔ پس اس کو ابھی سے نکال باہر کرنا اچھا ہے۔ ان کو کیسے یقین دلاؤں کہ میری جانب سے ایسا شبہ نہ کریں۔ انہیں کیوں کر برتاؤ کہ منسارام زہر کھا کر جان دے دے گا۔ اس سے قبل کہ وہ ان کا نقصان کرے۔ اسے خواہ کتنی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، وہ ان کے دل کا کانٹا نہ بنے گا۔ یوں تو والد صاحب نے مجھے پیدا کیا ہے اور اب بھی مجھ پر ان کی شفقت کم نہیں ہے لیکن کیا میں اتنا بھی نہیں جانتا کہ جس دن والد صاحب نے ان سے شادی کی اسی دن انہوں نے ہم کو دل سے باہر نکال دیا۔ اب ہم یتیموں کی طرح یہاں پڑے رہ سکتے ہیں۔ اس مکان میں ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ شاید پورو جنم کے سنسکاروں کی بدولت یہاں دیگر یتیموں سے ہماری حالت کچھ بہتر ہے۔ مگر ہم یتیم ہی ہیں! ہم اسی دن یتیم ہوئے جس دن اماں جی پرلوگ سدھاریں۔ جو کچھ

کسر رہ گئی تھی، وہ اس شادی نے پوری کر دی۔ میں تو خود پہلے ان سے کوئی خاص تعلق نہ رکھتا تھا، اگر ان ہی دنوں باپ سے میری شکایت کی ہوتی تو مجھے اس قدر ملال نہ ہوتا۔ میں تو اس صدمہ کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ دنیا میں کیا کہیں میرا ٹھکانا نہیں ہے؟ کیا میں مزدوری بھی نہیں کرسکتا؟ لیکن انہوں نے چوٹ برے وقت میں کی۔ درندے بھی آدمی کو غافل پا کر ہی چوٹ کرتے ہیں۔ اس لیے میری آؤ بھگت ہوتی تھی۔ کھانا کھانے کے لیے اٹھنے میں ذرا بھی دیر ہو جاتی تھی تو بلاوے آتے تھے۔ ناشتے کے لیے علی الصبح تازہ حلواہ پکایا جاتا تھا۔ برابر پوچھا جاتا تھا کہ روپیوں کی ضرورت تو نہیں ہے؟ اس لیے یہ ایک سو ساٹھ روپے کی گھڑی منگوائی گئی تھی!

مگر کیا انہیں کوئی دوسری شکایت نہ سوجھی کہ مجھے آوارہ کہا؟ آخر انہوں نے میری کیا آوارگی دیکھی؟ وہ کہہ سکتی تھیں کہ اس کا جی پڑھنے لکھنے میں نہیں لگتا۔ ایک نہ ایک چیز کے لیے روزانہ روپے مانگتا ہے۔ یہی ایک بات انہیں کیوں سوجھی؟ شاید اس لیے کہ یہی سب سے سخت حملہ ہے جو وہ مجھ پر کرسکتی ہیں۔ اول بار انہوں نے مجھ پر آگ بھرا تیر سر کر دیا۔ جس سے کہیں پناہ نہیں۔ اس لیے نہ کہ یہ باپ کی نظروں میں گر جائے۔ مجھے بورڈنگ ہاؤس میں رکھنے کا تو ایک حیلہ تھا۔ مطلب یہی تھا کہ اس کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال دیا جائے دو چار ماہ بعد خرچ بھی دینا بند کر دیا جائے۔ پھر یہ خواہ مرے یا جیے۔ اگر میں جانتا کہ یہ ترغیب ان کی جانب سے ہوئی ہے تو کہیں جگہ نہ رہنے پر بھی جگہ نکال لیتا۔ نوکروں کی کوٹھریوں میں تو جگہ مل جاتی۔ برآمدے میں پڑے رہنے کے لیے بہت جگہ مل جاتی! خیر اب بھی سویرا ہے۔ جب محبت ہی نہیں رہی تو صرف پیٹ بھرنے کے لیے یہاں پڑا بے حیائی ہے۔ یہ اب میرا گھر نہیں ہے۔ اسی گھر میں پیدا ہوا ہوں، یہیں کھیلا ہوں، مگر یہ اب میرا نہیں۔ والد صاحب بھی اب میرے والد نہیں ہیں، میں ان کا بیٹا ہوں، مگر وہ میرے باپ نہیں ہیں۔ دنیا کے سارے رشتے محبت کے رشتے ہیں، جہاں محبت نہیں، وہاں کچھ

نہیں، ہائے اماں تم کہاں ہو؟

یہ سوچ کر منسارام رونے لگا۔ جوں جوں مہر مادری کی یاد تازہ ہوتی تھی اس کے آنسو امنڈ آتے تھے۔ وہ کئی بار اماں اماں، پکار اٹھا۔ گویا وہ کھڑی سن رہی ہو۔ ماں کے نہ ہونے کے غم کا آج اس کو پہلی بار تجربہ ہوا۔ وہ خوددار تھا، ہمتی تھا، مگر اب تک نازونعمت سے پرورش پانے کے سبب وہ اس وقت اپنے کو بے یارومددگار سمجھ رہا تھا۔ رات کے دس بج گئے تھے۔ منشی جی آج کہیں، دعوت کھانے گئے ہوئے تھے۔ دو بار مہری منسارام کو کھانے کے لیے بلانے آ چکی تھی۔ منسارام نے آخر بار اس سے جھنجھلا کر کہہ دیا تھا، مجھے بھوک نہیں ہے، میں کچھ نہ کھاؤں گا، بار بار سر پر آکر سوار ہو جاتی ہے۔ اس لیے جب نرملا نے اسے اسی کام پر بھیجنا چاہا تو وہ نہ گئی۔ بولی ''بہو جی، وہ میرے بلانے سے نہیں آئیں گے''

نرملا: ''آئیں گے کیوں نہیں، جا کر کہہ دے کھانا ٹھنڈا ہوا جاتا ہے، دو ہی لقمے کھا لیں''

مہری: ''میں یہ سب کہہ کر ہار گئی نہیں آتے''

نرملا: ''تو نے کہا تھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ہیں؟''

مہری: ''نہیں جی، یہ تو میں نے نہیں کہا تھا۔ جھوٹ کیوں بولوں؟''

نرملا: ''اچھا تو جا کر یہی کہہ دینا کہ وہ بیٹھی تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔ تم نہ کھاؤ گے تو وہ رسوائی اٹھا کر سو رہیں گی۔ میری بھنگی اب کی اور چلی جا (ہنس کر) نہ آئیں تو گود میں اٹھا لانا''

بھنگی ناک منہ سکیڑتی گئی۔ مگر ایک ہی لمحہ میں بولی ''ارے بہو جی، وہ تو رو رہے ہیں۔ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟''

نرملا اس طرح چونک کر اٹھی اور دو تین قدم آگے چلی گویا کسی ماں نے اپنے بیٹے کے کنویں میں گر پڑنے کی خبر پائی ہو۔ پھر وہ ٹھٹک گئی، اور بھنگی سے بولی ''رو رہے

ہیں، تم نے پوچھا نہیں کیوں رو رہے ہیں؟''

بھنگی: ''نہیں بہو جی! یہ تو میں نے نہیں پوچھا، جھوٹ کیوں بولوں؟''

وہ رو رہے ہیں۔ اس پر سکون شب میں تنہا بیٹھے ہوئے وہ رو رہے ہیں۔ ماں کی یاد آتی ہوگی۔ کیسے جا کر انہیں سمجھاؤں؟ یہاں تو چھینکتے ہوئے ناک کٹتی ہے۔ ایشور تم گواہ ہو اگر میں نے کبھی انہیں بھول کر بھی کچھ کہا ہو تو میرے آگے آئے۔ میں کیا کروں۔ وہ دل میں سمجھتے ہوں گے کہ اسی نے باپ سے میری شکایت کی ہوگی۔ کیسے یقین دلاؤں کہ میں نے تمہاری خلاف کبھی ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ اگر میں ایسے دیوتا کی سی عادت والے لڑکے کا برا چاہوں تو مجھ سے بڑھ کر چڑیل سنسار میں نہ ہوگی۔

نرملا دیکھتی تھی کہ منسارام کی صحت روز بروز گرتی جاتی ہے۔ وہ روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے۔ اس کے چہرے کی رونق دن بدن مدھم پڑتی جاتی ہے۔ اس کا خوشنما بدن خشک ہوتا جاتا ہے۔ اس کا سبب بھی اس سے پوشیدہ نہ تھا۔ مگر وہ اس بارے میں اپنے شوہر سے کچھ نہ کہہ سکتی تھی۔ یہ سب دیکھ دیکھ کر اس کا دل تڑپا کرتا تھا، مگر اس کی زبان نہ کھلتی تھی۔ وہ کبھی کبھی دل میں جھنجھلاتی کہ منسارام کیوں ذرا سی بات پر اتنا رنج کرتا ہے۔ کیا ان کے آوارہ کہنے سے وہ آوارہ ہو گیا۔ میری بات اور ہے، اور ذرا سا شک مجھے تباہ کر سکتا ہے، مگر اسے ایسی باتوں کی اتنی کیا پرواہ ہے؟

اس کے دل میں زبردست تحریک ہوئی کہ جا کہ انہیں چپ کراؤں اور لا کر کھانا کھلا دوں۔ بے چارے رات بھر بھوکے پڑے رہیں گے۔ ہائے میں ہی تو اس فساد کی جڑ ہوں۔ میرے آنے سے پہلے اس گھر میں امن و امان تھا۔ باپ بچوں پر جان دیتا تھا۔ بچے باپ کو پیار کرتے تھے۔ میرے آتے ہی سارے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کا نتیجہ کیا ہوگا؟ بھگوان ہی جانیں، بھگوان مجھے موت بھی نہیں دیتے۔ بیچارہ اکیلا بھوکا پڑا ہے۔ اس وقت بھی منہ جھوٹا کر کے اٹھ گیا تھا۔ اور پھر اس کا

سمجھانا ہی کیا ہے۔ جتنا وہ کھاتا ہے، اتنا تو سال دو سال کے بچے کھا جاتے ہیں۔

نرملا چلی تو شوہر کی مرضی کے خلاف چلی۔ جو رشتے میں اس کا بیٹا ہوتا تھا اسی کو منانے جاتے اس کا دل کانپ رہا تھا۔ اس نے پہلے رکمنی کے کمرے کی طرف دیکھا۔ وہ کھانا کھا کر بے خبر سو رہی تھی۔ پھر باہر کے کمرے کی طرف گئی۔ وہاں بھی سناٹا تھا۔ منشی جی! ابھی نہ آئے تھے۔ یہ سب دیکھ بھال کر وہ منسارام کے کمرے کے سامنے جا پہنچی۔ کمرہ کھلا ہوا تھا۔ منسارام ایک کتاب سامنے رکھے منبر پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔ گویا رنج و تفکر کا زندہ مجسمہ ہو۔ نرملا نے پکارنا چاہا۔ مگر اس کے منہ سے آواز نہ نکلی۔

دفعتاً منسارام نے سر اٹھا کر دروازہ کی طرف دیکھا۔ نرملا کو دیکھ کر وہ اندھیرے میں پہچان نہ سکا۔ چونک کر بولا ’’کون؟‘‘

نرملا نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا ’’میں ہوں کھانا کھانے کیوں نہیں چل رہے ہو؟ کتنی رات گئی؟‘‘

منسارام نے منہ پھیر کر کہا ’’مجھے بھوک نہیں ہے‘‘

نرملا: ’’یہ تو میں تین بار بھنگی سے سن چکی ہوں‘‘

منسارام: ’’تو چوتھی بار میرے منہ سے سن لیجیے‘‘

نرملا: ’’شام کو بھی تو کچھ نہیں کھایا تھا۔ بھوک کیوں نہیں لگی؟‘‘

منسارام نے طنز کی ہنسی ہنس کر کہا ’’بھوک لگے گی تو آئے گا کہاں سے؟ یہ کہہ کہ منسارام نے کمرے کا دروازہ بند کرنا چاہا۔ لیکن نرملا کواڑ کو ہٹا کر کمرے میں داخل ہو گئی۔ اور منسارام کا ہاتھ پکڑ کر با دیدہ نم عاجزی کے لہجے میں بولی ’’میرے کہنے سے چل کر تھوڑا سا کھا لو۔ تم نہ کھاؤ گے تو میں بھی جا کر سو رہوں گی۔ دو ہی لقمے کھا لینا۔ کیا مجھے رات بھر بھوکوں مارنا چاہتے ہو؟‘‘

منسارام سوچ میں پڑ گیا۔ ابھی تک اس نے بھی کھانا نہیں کھایا؟ میرے ہی انتظار

میں بیٹھی رہی۔ یہ محبت اور انکساری کی دیوی ہے یا حسد اور نحوست کی دھوکا دینے والی عورت؟ اسے اپنی ماں کی یاد آ گئی ہے۔ جب وہ روٹھ کر جاتا تھا تو وہ بھی اسی طرح منانے آیا کرتی تھیں۔ اور جب تک وہ نہ جاتا تھا وہاں سے اٹھنے کا نام نہ لیتی تھیں۔ وہ اس التجا کو نا منظور نہ کر سکا، بولا "میرے لیے آپ کو اتنی تکلیف ہوئی۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔ اگر میں جانتا کہ آپ میرے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہیں، تو کبھی کا کھا آیا ہوتا"

نرملا نے حقارت کے انداز سے کہا "یہ تم کیسے سمجھ سکتے تھے کہ تم بھوکے رہو گے اور میاں کھا کر سو رہوں گی؟ کیا سوتیلی ماں کا ناطہ ہونے ہی سے میں اتنی خود غرض"

دفعتاً باہر کے کمرے میں منشی جی کے کھانسنے کی آواز آئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ منسارام کے کمرے کی طرف آ رہے ہیں۔ نرملا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ فوراً کمرے سے نکل گئی، اور اندر جانے کا موقع نہ پا کر سخت لہجہ میں بولی "میں لونڈی نہیں ہوں کہ اتنی رات تک کسی کے لیے رسوئی خانے کے دروازے پر بیٹھی رہوں۔ جسے نہ کھانا ہو۔ وہ پہلے ہی کہہ دیا کرے" منشی جی نے نرملا کو وہاں کھڑے دیکھا۔ اندھیرے میں یہ کیا کرنے یہاں آ گئی بولے "یہاں کیا کر رہی ہو؟" نرملا نے کرخت آواز میں کہا "کیا کر رہی ہوں۔ اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں بس ساری برائیوں کی جڑ میں ہی ہوں۔ کوئی ادھر روٹھا بیٹھا ہے۔ کوئی ادھر منہ پھلائے پڑا ہے۔ کس کس کو مناؤں اور کہاں تک مناؤں"

منشی جی متعجب ہو کر بولے "بات کیا ہے؟"

نرملا: کھانا کھانے نہیں جاتے اور کیا بات ہے۔ دس مرتبہ مہری کو بھیجا آخر آپ دوڑی آئی۔ انہیں تو اتنا کہہ دینا آسان ہے کہ مجھے بھوک نہیں ہے۔ یہاں تو کل گھر کی لونڈی ہوں۔ ساری دنیا کالکھ لگانے کو تیار ہے۔ کسی کو بھوک نہ ہو مگر کہنے والوں کو یہ کہنے سے کون روکے گا کہ یہ چڑیل کسی کو کھانا نہیں دیتی؟ منشی جی نے منسارام

سے کہا ''کھانا کیوں نہیں، کھالیتے، جانتے ہو کیا وقت ہے؟''

منسارام سکتہ میں کھڑا تھا۔ اس کے سامنے ایک کھیل ہو رہا تھا۔ جس کا بھید وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکتا تھا۔ جن کی آنکھوں میں ایک لمحہ قبل عاجزی کے آنسو بھرے ہوئے تھے۔ ان میں یکا یک حسد کی آگ کہاں سے پیدا ہو گئی؟ جن ہونٹوں سے ایک لمحہ قبل امرت کی ورشا ہو رہی تھی ان سے زہر کے قطرے کیوں ٹپکنے لگے۔ اسی سکتے کی حالت میں بولا ''مجھے بھوک نہیں ہے''منشی جی نے جھڑک کر کہا ''کیوں بھوک نہیں ہے؟ بھوک نہیں تھی تو شام ہی کو کیوں نہ کہلا دیا؟ تمہاری بھوک کے انتظار میں کون تمام رات بیٹھا رہے؟ تم میں پہلے تو یہ عادت نہ تھی۔ روٹھنا کب سے سیکھ لیا؟ جا کر کھا لو''

منسارام: ''جی نہیں مجھے ذرا بھی بھوک نہیں ہے''

طوطارام نے دانت پیس کر کہا۔ ''اچھی بات ہے جب بھوک لگے تب کھانا'' یہ کہتے ہوئے وہ اندر چلے گئے۔ نرملا بھی ان کے پیچھے چلی گئی۔ منشی جی تو لیٹنے چلے گئے۔ اس نے جا کر رسوائی اٹھا دی، اور کلی کر کے پان کھا کر مسکراتی ہوئی آ پہنچی۔ منشی جی نے پوچھا ''کھانا کھا لیا نا؟''

نرملا: ''کیا کرتی؟ کس کے لیے ان جل چھوڑ دوں گی؟''

منشی جی: ''اسے نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ دن بدن گھلتا چلا جاتا ہے۔ دن بھر اسی کمرے میں پڑا رہتا ہے''

نرملا کچھ نہ بولی۔ وہ تفکر کے بحر ناپید کنار میں غوطے کھا رہی تھی۔ منسارام نے میرے تغیر کو دیکھ کر دل میں کیا سمجھا ہوگا؟ کیا اس کے دل میں یہ سوال نہ پیدا ہوگا کہ باپ کو دیکھتے ہی اس کی تیوریاں کیوں بدل گئیں؟ اس کا سبب بھی کیا اس کی سمجھ میں آ گیا ہوگا۔ بے چارہ کھانے میں آ رہا تھا۔ تب تک یہ حضرات نہ جانے کہاں سے پھٹ پڑے۔ اس بھید کو اسے کیوں کر سمجھاؤں۔ سمجھانا ناممکن بھی ہے۔ ہائے

بھگوان! میں کس مصیبت میں پھنس گئی؟

سویرے وہ اٹھ کر گھر کے کام دھندے میں لگی۔ دفعتاً! نو بجے بھنگی نے آ کر کہا منسا بابو تو اپنے کا گد پتر یکہ پر لاد رہے ہیں

نرملا نے متحیر ہو کر کہا "یکہ پر لاد رہے ہیں؟ کہاں جاتے ہیں؟"

بھنگی: "میں نے کہا تو بولے کہ اب سکول ہی میں رہوں گا"

منسارام علی الصبح اٹھ کر اپنے اسکول کے ہیڈ ماسٹر کے پاس گیا اور اپنے رہنے کا بندوبست کر آیا تھا۔ ہیڈ ماسٹر نے پہلے تو کہا کہ یہاں جگہ نہیں ہے اور تم سے پہلے کے کتنے ہی لڑکوں کی عرضیاں پڑی ہوئی ہیں۔ مگر جب منسارام نے کہا کہ مجھے جگہ نہ ملے گی تو شاید میرا پڑھنا نہ ہو سکے اور امتحان میں شریک نہ ہو سکوں، تو ہیڈ ماسٹر کو ہار ماننی پڑی۔ منسارام کے اول درجے میں پاس ہونے کی امید تھی۔ ماسٹروں کو یقین تھا کہ وہ اسکول کی شہرت کو چمکائے گا۔ ہیڈ ماسٹر صاحب ایسے لڑکے کو کس طرح چھوڑ سکتے تھے؟ انہوں نے اپنے دفتر کا کمرہ اس کے لیے خالی کر دیا۔ اور منسارام وہاں سے آتے ہی اپنا سامان یکے پر لادنے لگا۔

منشی جی نے کہا "ابھی ایسی کیا عجلت ہے؟ دو چار روز میں چلے جانا۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لیے کوئی اچھا باورچی مقرر کر دوں"

منسارام: "وہاں کا باورچی بہت عمدہ کھانا پکاتا ہے"

منشی جی: "اپنی صحت کا خیال رکھنا، ایسا نہ ہو کہ پڑھنے کے پیچھے تندرستی سے ہاتھ دھو بیٹھو"

منسارام: "وہاں نو بجے کے بعد کوئی پڑھنے ہی نہیں پاتا ہے اور سب کو باقاعدے کے ساتھ کھیلنا پڑتا ہے"

منشی جی: "بستر کیوں چھوڑے دیتے ہو؟ بچھاؤ گے کیا؟"

منسارام: "کمبل لیے جاتا ہوں۔ بستر کی ضرورت نہیں"

منشی جی: ''کہار جب تک تمہارا سامان رکھ رہا ہے۔ جا کر کچھ کھالو، رات بھی تو تم نے کچھ نہیں کھایا تھا''

منسارام: ''وہیں کھالوں گا۔ باورچی سے کھانا بنانے کو کہہ آیا ہوں۔ یہاں کھانے لگوں گا تو دیر ہوگی''

گھر میں جیا رام اور سیارام بھی بھائی کے ساتھ جانے کو بضد ہو رہے تھے۔ نرملا ان دونوں کو بہلا رہی تھی ''بیٹا وہاں چھوٹے لڑکے نہیں رہتے سب کام اپنے ہی ہاتھ سے کرنا پڑتا ہے۔''

یکا یک رکمنی نے آ کر کہا ''تمہارا پتھر کا کلیجہ ہے، مہارانی! لڑکے نے رات بھی کچھ نہیں کھایا اور اس وقت بھی بغیر کھائے پیئے چلا جا رہا ہے۔ یہاں تم لڑکوں کے لیے باتیں کر رہی ہو۔ یہ سمجھ لو کہ وہ اسکول نہیں جا رہا ہے، بن باس لے رہا ہے۔ لوٹ کے پھر نہ آئے گا۔ وہ ان لڑکوں میں نہیں جو کھیل میں مار کھا کر بھول جاتے ہیں۔ بات اس کے دل پر پتھر کی لکیر ہو جاتی ہے''

نرملا نے دبی ہوئی آواز میں کہا ''کیا کروں جی جی؟ وہ کسی کی سنتے ہی نہیں، آپ ذرا جا کر بلا لیں۔ آپ کے بلانے سے آجائیں گے''

رکمنی: ''آخر ہوا کیا، جس پر وہ بھاگا جاتا ہے؟ گھر سے تو اس کا دل کبھی اچاٹ نہ ہوتا تھا۔ اسے تو اپنے گھر کے سوا اور کہیں اچھا ہی نہ لگتا تھا۔ تمہیں نے اسے کچھ کہا ہوگا یا اس کی شکایت کی ہوگی۔ کیوں اپنے لیے کانٹے بو رہی ہو؟ رانی! گھر کو مٹی میں ملا کر تم چین سے نہ بیٹھنے پاؤگی''

نرملا نے رو کر کہا ''میں نے انہیں کچھ کہا ہو تو میری زبان کٹ جائے۔ ہاں سوتیلی ہونے کے سبب بدنام تو ہوں ہی۔ آپ کے ہاتھ جوڑتی ہوں، ذرا جا کر انہیں بلا لائیے'' رکمنی نے تیز لہجے میں کہا ''تم کیوں نہیں بلا لاتیں؟ کیا چھوٹی ہو جاؤ گی۔ اپنا ہوتا تو کیا اسی طرح بیٹھی رہتیں؟''

نرملا کی حالت اس بنا پر کے پرندے کی طرح ہو رہی تھی جو سانپ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اڑنا چاہتا ہے، مگر اڑ نہیں سکتا۔ اچھلتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ پروں کو پھڑ پھڑا کر رہ جاتا ہے۔ اس کا دل اندر ہی اندر تڑپ رہا تھا۔ مگر وہ باہر نہ جا سکتی تھی۔

اتنے میں دونوں لڑکے روتے ہوئے اندر آ کر بولے ''بھیا جی! چلے گئے!'' نرملا بت بنی کھڑی رہی گویا بے حس ہو گئی ہو۔۔ چلے گئے، گھر میں آئے تک نہیں، مجھ سے ملے تک نہیں! چلے گئے! مجھ سے اتنی نفرت! میں ان کی کوئی نہ سہی! اکی بوا تو تھی۔ ان سے ملنے تو آنا چاہیے تھا۔ میں یہاں تھی نا! اندر کیسے قدم رکھتے؟ میں دیکھ لیتی نا! اسی لیے چلے گئے

9

منسارام کے جانے سے گھر سونا ہو گیا۔ دونوں چھوٹے لڑکے اسی اسکول میں پڑھتے تھے۔ نرملا روز ان سے منسارام کا حال پوچھتی یہ امید تھی کہ تعطیل کے روز وہ آئے گا، لیکن جب تعطیل کا روز ختم ہو گیا اور وہ نہ آیا تو نرملا کی طبیعت گھبرانے لگی۔ اس نے اس کے لیے مونگ کے لڈو بنا رکھے تھے۔ سوموار کو صبح بھنگی کو لڈو دے کر سکول بھیجا۔ نو بجے بھنگی واپس آئی۔ منسارام نے لڈو جیوں کے تیوں لوٹا دیئے تھے۔

نرملا نے پوچھا ''پہلے سے کچھ ہرے ہوئے ہیں، رے؟''

بھنگی: ''ہرے ورے تو نہیں ہوئے، اور سوکھ گئے ہیں''

نرملا: ''کیا جی اچھا نہیں ہے؟''

بھنگی: ''یہ تو میں نے نہیں پوچھا بہو جی! جھوٹ کیوں بولوں؟ ہاں وہاں کا کہار میرا دیور لگتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ تمہارے بابو جی کی خوراک ہی کچھ نہیں ہے۔ دو پھلکیاں کھا کر اٹھ جاتے ہیں۔ پھر دن بھر کچھ نہیں کھاتے۔ ہر دم پڑھتے ہیں''

نرملا: ''تو نے پوچھا نہیں کہ لڈو کیوں لوٹا دیتے ہو''

بھنگی: ''یہ تو نہیں پوچھا بہو جی، جھوٹ کیوں بولوں۔ انہوں نے کہا کہ اسے لیتی جا

یہاں رکھنے کا کچھ کام نہیں، میں لیتی آئی‘‘

نرملا: ’’اور کچھ نہیں کہتے تھے؟ پوچھا نہیں کہ کل کیوں نہیں آئے؟ چھٹی تو تھی‘‘

بھنگی: ’’بہوجی جھوٹ کیوں بولوں؟ یہ پوچھنے کی تو مجھے سدھ نہ رہی۔ ہاں یہ کہتے تھے کہ اب یہاں کبھی نہ آنا۔ نہ میرے لیے کوئی چیز لانا اور اپنی بہوجی سے کہہ دینا کہ میرے پاس کوئی سندیسہ نہ بھیجیں۔ اور ایک بات ایسی کہی بہوجی کہ میرے منہ سے نکل نہیں سکتی پھر رونے لگے‘‘

نرملا: ’’کون سی بات تھی؟ کہہ تو‘‘

بھنگی: ’’کیا کہوں، بہوجی، کہتے تھے کہ میرے جینے کو دھکار ہے۔ یہی کہہ کر رونے لگے‘‘

نرملا کے منہ سے ایک ٹھنڈی سانس نکل گئی۔ ایسا معلوم ہوا گویا دل بیٹھا جاتا ہے۔ اس کا رواں رواں رونے لگا۔ وہ وہاں بیٹھی نہ رہ سکی۔ جا کر بستر پر منہ ڈھانک کر پڑ رہی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ’’وہ بھی جان گئے‘‘ یہی آواز اس کے دل میں بار بار گونجنے لگی۔ وہ جان گئے، بھگوان! اب کیا ہوگا؟ جس شبہ کی آگ میں وہ جل رہی تھی، وہ اب سو گنے زور سے بھڑکنے لگی۔ اسے اپنی فکر نہ تھی۔ زندگی میں اب آرام کی کیا امید تھی جس کی اسے خواہش ہوتی؟ اسے نے اپنے دل کو اس خیال سے سمجھایا تھا کہ یہ میرے اگلے جنم کے پاپوں کا پراشچت ہے۔ کون شخص ایسا بے حیا ہوگا جو اس حالت میں بہت دن زندہ رہے۔ فرض پر اس نے اپنی زندگی اور اس کی ساری تمنائیں قربان کر دی تھیں۔ دل روتا مگر ہونٹوں پر ہنسی کا سوانگ بھرنا پڑتا تھا۔ جس کا منہ دیکھنے کو جی نہ چاہتا تھا، اس کے آگے ہنس کر باتیں کرنی پڑتی تھیں۔ جس بدن کا چھونا اس کو سانپ کے سرد جسم کی طرح معلوم ہوتا تھا، اس سے لپٹ کر اس کو جتنی نفرت اور دلی اذیت ہوتی تھی، اسے کون جان سکتا ہے؟ اس وقت اس کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں، لیکن یہ ساری

باتیں اپنے ہی تک محدود تھیں۔ اپنی فکر کرنا اس نے ترک کر دیا تھا، لیکن یہ مسئلہ اب بہت زیادہ خوفناک ہو گیا تھا۔ وہ آنکھوں سے منسارام کی دلی تکلیف کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ منسارام جیسے بیدار مغز اور جری نوجوان پر اس الزام کا جو اثر پڑ سکتا تھا، اس کے خیال ہی اس کی روح لرز جاتی۔ اب خواہ اس پر شکوک کیوں نہ ہوں۔ خواہ اسے خود کشی کیوں نہ کرنی پڑے مگر وہ خاموش نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ منسارام کی حفاظت کے لیے وہ بے قرار ہو گئی۔ اس نے تامل اور حیا کی چادر اتار کر پھینک دینے کا تہیہ کر لیا۔

وکیل صاحب کھانا کھا کر کچہری جانے سے قبل ایک بار اسے ضرور مل لیا کرتے تھے۔ ان کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ آ ہی رہے ہوں گے۔ یہ سوچ کر نرملا دروازے پر کھڑی ہو گئی، اور ان کا انتظار کرنے لگی، لیکن یہ کیا؟ وہ تو باہر چلے جا رہے ہیں۔ گاڑی تیار ہو کر آ گئی۔ س کے لیے وہ یہیں سے حکم دیا کرتے تھے۔ تو کیا آج وہ نہ آئیں گے۔ باہر ہی باہر چلے جائیں گے؟ نہیں، ایسا نہیں ہونے پائے گا۔ اس نے بھنگی سے کہا۔ جا کر بابو جی کو بلا لا۔ کہنا کہ ضروری کام ہے سن لیجیے۔

منشی جی جانے کو تیار ہی تھے۔ یہ پیغام پا کر اندر آئے مگر کمرے میں نہ آئے دور ہی سے پوچھا "کیا بات ہے بھئی، جلدی کہہ دو، مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ ابھی ذرا دیر ہوئی کہ ہیڈ ماسٹر صاحب کا خط آیا ہے کہ منسارام کو بخار آ گیا ہے۔ پس بہتر ہو گا کہ آپ مکان ہی پر اس کا علاج کریں۔ اس لیے ادھر ہی سے ہوتا ہوا کچہری جاؤں گا۔ تمہیں کوئی خاص بات تو نہیں کہنی ہے؟"

نرملا پر بجلی گر پڑی۔ آنسوؤں کے جوش اور حلق کی آواز میں سخت مقابلہ ہونے لگا۔ دونوں ہی پہلے نکلنے پر تلے ہوئے تھے۔ دو میں سے کوئی ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹنا چاہتا تھا۔ آواز کی کمزوری اور آنسوؤں کی طاقت دیکھ کر یہ تصفیہ کرنا مشکل نہ تھا کہ ایک لمحہ یہی مقابلہ جاری رہا تو میدان کس کے ہاتھ رہے گا۔ آخر دونوں ساتھ ساتھ نکلے، لیکن باہر آتے ہی طاقت ور نے کمزور کو دبا دیا۔ صرف اتنا ہی منہ سے نکلا۔ کوئی

خاص بات نہیں تھی ۔تو ادھر جا رہے تھے ۔

منشی جی: ''میں نے لڑکوں سے پوچھا تھا تو وہ کہتے تھے کہ بیٹھے پڑھ رہے تھے ۔ آج نہ جانے کیا ہو گیا''

نرملا نے جوش سے کانپتے ہوئے کہا ''یہ سب آپ ہی کر رہے ہیں!''

منشی جی نے تیوریاں بدل کر کہا ''میں کیا کر رہا ہوں! میں کیا کر رہا ہوں''

نرملا: ''اپنے دل سے پوچھیے''

منشی جی: ''میں نے تو یہی سوچا تھا کہ یہاں اس کا پڑھنے میں جی نہیں لگتا۔ وہاں اور لڑکوں کیساتھ خواہ مخواہ پڑھے گا۔ یہ تو کوئی بری بات نہ تھی اور میں نے کیا کیا؟''

نرملا: ''خوب سوچے! اسی لیے آپ نے ان کو وہاں بھیجا تھا؟ آپ کے دل میں کوئی اور بات نہ تھی؟''

منشی جی ذرا ہچکچائے اور اپنی کمزور کو چھپانے کے لیے مسکرانے کی کوشش کر کے بولے ''اور کیا بات ہو سکتی تھی، بھلا تمہی سوچو''

نرملا: ''خیر یہی سہی ۔اب آپ مہربانی کر کے انہیں آج ہی لیتے آیئے گا۔ وہاں رہنے سے ان کی بیماری بڑھ جانے کا خوف ہے ۔ یہاں جی جی جتنی تیمارداری کر سکتی ہیں، دوسرا کوئی نہیں کر سکتا''

ایک لمحے کے بعد اس نے سر نیچا کر کے پھر کہا ''میرے سبب سے نہ لانا چاہتے ہوں تو مجھے میرے گھر بھیج دیجیے ۔وہاں آرام سے رہوں گی''

منشی جی نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ باہر چلے گئے اور لمحہ بعد گاڑی اسکول کی طرف چلی۔

دل تیری عجیب حالت ہے۔ کتنی پر اسرار، کتنی نا قابل فہم! تو کتنی جلد رنگ بدلتا ہے ۔اس فن میں تو ماہر ہے ۔آتشباز کی چرخی کو بھی رنگ بدلتے کچھ دیر لگتی ہے ۔مگر مجھے ایسا کرنے میں اس کا ایک لاکھواں حصہ وقت بھی نہیں لگتا۔ جہاں ابھی محبت

تھی۔ وہاں پھر شک نے اپنی جگہ قائم کر لی!

وہ سوچتے جاتے تھے کہ کہیں اس نے بہانا تو نہیں کیا ہے!

10

منسارام دو روز تک گہری سوچ میں پڑا رہا۔ اس کو بار بار اپنی ماں کی یاد آتی، نہ کھانا اچھا معلوم ہوتا اور نہ پڑھنے ہی میں طبیعت لگتی۔ اس کی کایا پلٹ سی ہوگئی۔ دو روز گزر گئے اور بورڈنگ ہاؤس رہتے ہوئے بھی اس نے وہ کام نہ کیا جو اسکول ماسٹروں نے گھر سے کرلانے کو دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بنچ پر کھڑا رہنا پڑا۔ جو بات کبھی نہ ہوئی تھی وہ آج ہوگئی یہ ناقابل برداشت ذلت بھی اسے برداشت کرنی پڑی!

تیسرے روز وہ کہیں تفکرات میں ڈوبا ہوا اپنے دل کو سمجھا رہا تھا۔ کیا دنیا میں صرف میری ہی ماں مری ہے؟ سوتیلی مائیں تو سبھی اس قسم کی ہوتی ہیں، میرے ساتھ کوئی نئی بات نہیں ہو رہی ہے۔ اب مجھے مردوں کی طرح دوگنی محنت سے کام کرنا چاہیے۔ جیسے ماں باپ راضی ہوں۔ ویسے انہیں راضی رکھنا چاہیے۔ اس سال اگر وظیفہ مل گیا تو مجھے گھر سے کچھ لینے کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ کتنے ہی لڑکے اپنے بل بوتے پر بڑے بڑے خطابات حاصل کر لیتے ہیں۔ مشکلات پر فتح پانا اور موقع دیکھ کر کام کرنا ہی انسانوں کا فرض ہے۔ قسمت کے نام پر رونے اور کوسنے سے کیا ہوگا؟

اتنے میں جیا رام آ کر کھڑا ہو گیا۔ منسارام نے پوچھا ”گھر کا کیا حال ہے، جیا؟ نئی اماں تو بہت خوش ہوں گی؟“

جیا رام: ”ان کے دل کا حال تو میں نہیں جانتا، لیکن جب سے تم آئے ہو۔ انہوں نے ایک وقت بھی کھانا نہیں کھایا۔ جب دیکھو رویا کرتی ہیں۔ جب بابو جی آتے ہیں، تب البتہ ہنسنے لگتی ہیں۔ تم چلے آئے تو میں نے بھی شام کو اپنی کتابیں ٹھیک کیں۔ یہیں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ مگر بھنگی چڑیل نے جا کر اماں جی سے کہہ

دیا۔ بابو جی بیٹھے تھے کہ ان کے سامنے ہی اماں جی نے آ کر میری کتابیں چھین لیں اور رو کر بولیں ''تم بھی چلے جاؤ گے تو اس گھر میں کون رہے گا؟ اگر میرے سبب تم لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہو تو لو، میں ہی چلی جاتی ہوں۔ میں تو جھلایا ہوا تھا ہی بگڑ کر بولا'' آپ کیوں کہیں چلی جائیں گی؟ آپ کا تو گھر ہے، آپ آرام سے رہیے! غیر تو ہم ہی لوگ ہیں۔ ہم نہ رہیں گے۔ تب تو آپ کو آرام رہے گا''

منسارام: ''تم نے بہت خوب کہی۔ بہت اچھا کیا۔ اس پر اور بھی بگڑی ہوں گی اور جا کر بابو جی سے شکایت کی ہوگی؟''

جیا رام: ''نہیں یہ کچھ نہیں ہوا۔ بیچاری زمین پر بیٹھ کر رونے لگیں۔ مجھے بھی رونائی آ گئی۔ میں بھی رو پڑا۔ تب انہوں نے آنچل سے میرے آنسو پونچھے اور بولیں'' جیا میں ایشور کی ساکھی دے کر کہتی ہوں کہ میں نے تمہارے بھیا کے بارے میں تمہارے بابو جی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ میرے بھاگ میں کلنک لکھا ہوا ہے، وہ بھوگ رہی ہوں۔ پھر اور نہ جانے کیا کیا کہا جو میری سمجھ میں نہیں آیا۔ کچھ بابو جی کی بات تھی

منسارام نے بےصبری سے پوچھا ''بابو جی کے بارے میں کیا کہا؟ کچھ یاد ہے؟''

جیا رام: ''باتیں تو بھئی، مجھے یاد نہیں آتیں۔ میری یادداشت کون بڑی اچھی ہے۔ مگر ان کی باتوں کا مطلب کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں بابو جی کو خوش رکھنے کے لیے یہ سوانگ بھرنا پڑ رہا ہے۔ نہ جانے ادھرم دھرم کی کیسی باتیں کرتی تھیں جو میں بالکل نہ سمجھ سکا۔ مجھے تو اب اس کا یقین ہو گیا ہے کہ ان کی مرضی تمہیں یہاں بھیجنے کی نہ تھی''

منسارام: ''تم ان چالوں کا مطلب نہیں سمجھ سکتے، یہ بڑی گہری چالیں ہیں''

جیا رام: ''تمہاری سمجھ میں ہوں گی، میری سمجھ میں تو نہیں ہیں''

منسارام: ''جب تم جیومیٹری نہیں سمجھ سکتے تو ان باتوں کو کیا سمجھو گے۔ اس رات کو

جب مجھے کھانا کھانے کے لیے بلانے آئی تھیں۔ اور میں ان کے اصرار پر جانے کو تیار بھی ہو گیا تھا۔ اس وقت بابو جی کو دیکھتے ہی انہوں نے جو رنگ بدلا وہ کیا میں کبھی بھول سکتا ہوں؟''

جیا رام: ''یہی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ ابھی کل ہی میں یہاں سے گیا۔ تو لگیں تمہارے حال پوچھنے۔ میں نے کہا وہ کہتے تھے کہ اب کبھی اس گھر میں قدم نہ رکھوں گا۔ میں نے کچھ جھوٹ تو کہا نہیں، کیوں کہ تم نے مجھ سے ایسا ہی کہا تھا۔ اتنا کہنا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ میں دل میں بہت پچھتایا کہ کہاں سے میں نے یہ بات کہہ دی۔ بار بار یہی کہتی تھیں کہ کیا وہ میرے کارن گھر چھوڑ دیں گے! مجھ سے اتنے ناراض ہیں، چلے گئے اور مجھ سے ملے تک نہیں۔ کھانا تیار تھا، کھانے تک نہیں آئے۔ ہائے میں کیا بتاؤں کس مصیبت میں ہوں، اتنے میں بابو جی آ گئے۔ بس فوراً آنسو پونچھ کر مسکراتی ہوئی ان کے پاس چلی گئیں۔ یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی۔ آج مجھ سے بڑی منت کی کہ ان کو ساتھ لیتے آنا۔ آج میں تمہیں کھینچ کر لے چلوں گا۔ وہ دو دن میں کتنی دبلی ہو گئیں ہیں۔ تمہیں یہ دیکھ کر ان پر رحم آئے گا تو چلو گے نا؟''

منسارام نے کچھ جواب نہ دیا۔ اس کے پیر کانپ رہے تھے۔ جیا رام تو حاضری کی گھنٹی سن کا بھاگا مگر وہ بینچ پر لیٹ گیا۔ اور اتنی گہری سانس لی گویا بہت دیر سے اس نے سانس نہیں لی تھی۔ اس کی زبان سے دلی ہمدردی میں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے۔ ''ہائے ایشور'' اس نام کے سوا اسے اب اپنی زندگی میں کوئی یار و مددگار نہ نظر آتا تھا۔ اس فقرے میں کتنی مایوسی، کتنا درد، کتنی رقت اور کتنی عاجزی بھری ہوئی تھی، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اب سارا بھید اس کی سمجھ میں آ رہا تھا اور بار بار اس کے درد بھرے دل سے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ ہائے ایشور اتنا بڑا کلنک!

کیا زندگی میں اس سے سخت تر مصیبت کا قیاس کیا جا سکتا ہے؟ کیا دنیا میں اس

سے زیادہ کمینہ پن کا خیال ہوسکتا ہے؟ آج تک کسی باپ نے اپنے بیٹے پر اتنا برا کلنک نہ لگایا ہوگا، جس کے چال چلن کی سبھی تعریف کرتے تھے، جو دوسرے لڑکوں کے لیے معیار سمجھا جاتا تھا، جس نے کبھی ناپاک ارادوں کو اپنے تک نہیں پھٹکنے دیا تھا۔ اسی پر یہ سنگین الزام! منسارام کو ایسا معلوم ہوا گویا اس کا دل شق ہوا جاتا ہے۔

دوسری گھنٹی بھی بج گئی۔ لڑکے اپنے اپنے کمروں میں گئے۔ مگر منسارام ہتھیلی پر سر رکھے بنا پلک جھپکائے ہوئے زمین کی طرف تاک رہا تھا۔ گویا اس کا سب کچھ پانی میں ڈوب گیا ہو۔ گویا وہ کسی کو منہ نہ دکھا سکتا ہو۔ اسکول میں غیر حاضری ہو جائے گی، جرمانہ ہو جائے گا۔ اس کی اسے فکر نہیں۔ جب اس کا سب کچھ لٹ گیا تو اب ان ذرا ذرا سی باتوں کا کیا خوف؟ اتنا بڑا کلنک لگنے پر بھی اگر جیتا رہوں تو میرے جینے پر لعنت ہے۔

اس رنج و غم کی حالت میں وہ چلا اٹھا۔ ''ماتا جی کہاں ہو، تمہارا بیٹا جس پر تم جان دیتی تھیں، آج سخت مصیبت میں ہے۔ اس کا باپ اس کے حلق پر چھری پھیر رہا ہے۔ ہائے تم کہاں ہو؟''

منسارام پھر ٹھنڈے دل سے سوچنے لگا۔ مجھ پر یہ شبہ کیوں ہو رہا ہے، اس کا کیا سبب ہے؟ مجھ میں ایسی کونسی بات انہوں نے دیکھی جس سے انہیں یہ شبہ ہوا؟ وہ میرے باپ ہیں، میرے دشمن نہیں ہیں جو خواہ مخواہ مجھ پر الزام عائد کریں۔ ضرور انہوں نے کوئی نہ کوئی بات دیکھی یا سنی ہے۔ ان کا مجھ پر کتنا پیار تھا۔ میرے بغیر کھانے نہ جاتے تھے۔ وہی میرے دشمن ہو جائیں، یہ بات بلا سبب نہیں ہوسکتی۔

اچھا اس کتاب کی ابتدا کس دن ہوئی؟ مجھے بورڈنگ ہاؤس میں ٹھہرانے کی بات تو پیچھے کی ہے۔ جس دن رات کو وہ میرے کمرے میں آ کر میرے امتحان لینے لگے تھے۔ اس دن ان کی تیوریاں بدلی ہوئی تھیں۔ اس دن ایسی کون سی بات ہوئی جو انہیں بری لگی ہو؟ میں نئی اماں سے کچھ کھانے کو مانگنے گیا تھا۔ بابو جی اس وقت وہاں

بیٹھے تھے۔ ہاں اب یاد آتا ہے۔ اسی وقت ان کا چہرہ تمتما گیا تھا۔ اس دن سے نئی اماں نے مجھ سے پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ اگر میں جانتا کہ میرا گھر میں آنا جانا، اماں جی سے کچھ کہنا سننا اور انہیں پڑھانا لکھانا والد صاحب کو برا لگتا ہے تو آج کیوں یہ نوبت آتی؟ اور نئی اماں؟ ان پر کیا بیت رہی ہوگی؟

منسارام نے اب تک نرملا کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ نرملا کا دھیان آتے ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہائے ان کا سادہ اور محبت بھرا دل یہ صدمہ کیسے برداشت کر سکے گا؟ آہ میں کتنے دھوکے میں تھا! میں ان کی محبت کو فریب سمجھتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ انہیں والد صاحب کی بدگمانی دور کرنے کے لیے میرے ساتھ اتنا کمزور برتاؤ کرنا پڑتا ہے۔ آہ میں نے ان پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ ان کی حالت تو مجھ سے بھی ابتر ہو رہی ہوگی۔ میں تو یہاں چلا آیا۔ مگر وہ کہاں جائیں گی؟ جیا کہتا تھا کہ انہوں نے دو روز سے کھانا نہیں کھایا۔ ہر دم رویا کرتی ہیں کیسے جا کر سمجھاؤں؟ وہ مجھ بدنصیب کے لیے کیوں اپنے سر پر مصیبت لے رہی ہیں؟ وہ کیوں بار بار میرا حال پوچھتی ہیں؟ کیوں بار بار مجھے بلاتی ہیں؟ کیسے کہہ دوں کہ اماں تم سے مجھ کو ذرا بھی شکایت نہیں۔ تمہاری طرف سے میرا دل صاف ہے! وہ اب بھی بیٹھی رو رہی ہوں گی۔ کتنا بڑا اندھیر ہے؟ بابو جی کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا اسی لیے شادی کی تھی؟ ایک لڑکی ہلاک کرنے ہی کے لیے اسے اپنے گھر لائے تھے؟ اس نازک پھول کو مسل ڈالنے کے لیے ہی توڑا تھا؟ ان کا ادھار کیسے ہوگا؟ اس بے گناہ کا منہ کیسے اجلا ہوا۔ انہیں صرف میرے ساتھ محبتانہ برتاؤ کرنے کے لیے ہی سزا دی جا رہی ہے۔ ان کی شرافت کا انہیں یہ صلہ مل رہا ہے۔ میں انہیں اس طرح بے رحمانہ وار سہتے ہوئے دیکھ کر بیٹھا رہوں گا؟ اپنی عزت بچانے کے لیے نہ سہی، ان کی جان بچانے کے لیے مجھے اپنی زندگی کو قربان کرنا پڑے گا۔ اس کے سوا نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔ آہ دل میں کیسے کیسے ارمان تھے، ان سب کو خاک میں ملا دینا ہوگا۔ ایک عصمت کی

دیوی پر شبہ کیا جا رہا ہے اور میرے سبب! مجھے اپنی جان دے کر اس کی حفاظت کرنی ہو گی، یہی میرا فرض ہے، اسی میں سچی بہادری ہے! ماتا! میں اپنے خون سے دغ کو دھوڈالوں گا۔ اسی میں میرا اور تمہارا بھلا ہے۔

وہ تمام دن انہی خیالات میں محو رہا۔ شام کو اس کے دونوں بھائی آ کر گھر چلنے کے لیے اصرار کرنے لگے۔

جیا رام: ''چلتے کیوں نہیں؟ میرے بھیا جی! چلے چلو نا''

منسارام: ''مجھے فرصت نہیں کہ تمہارے کہنے سے چلا جاؤں''

جیسا رام: ''آخر کل تو اتوار ہی ہے''

منسارام: ''اتوار کو بھی کام ہے''

جیا رام: ''اچھا کل آؤ گے نا؟''

منسارام: ''نہیں، کل مجھے ایک میچ میں جانا ہے''

سیارام: ''اماں جی مونگ کے لڈو بنا رہی ہیں، نہ چلو گے تو ایک بھی نہ پاؤ گے ہم تم مل کر کھا جائیں گے۔ جیا! انہیں نہ دیں گے''

جیا رام: ''بھیا، اگر تم کل نہ گئے تو شاید اماں جی یہیں چلی آویں''

منسارام: ''سچ وہ، ایسا کیوں کریں گی؟ یہاں آئیں تو بڑی پریشانی ہو گی۔ تم کہہ دینا، وہ کہیں میچ دیکھنے گئے ہیں''

جیا رام: ''میں جھوٹ کیوں بولنے لگا؟ میں؟ میں کہہ دوں گا، وہ منہ پھلائے بیٹھے تھے، دیکھ لینا انہیں ساتھ لاتا ہوں کہ نہیں''

سیارام: ''ہم کہہ دیں گے کہ آج پڑھنے نہیں گئے، پڑے سوتے رہے''

منسارام نے ان دونوں سے کل کا وعدہ رک کے گلا چھڑایا۔ جب دونوں چلے گئے تو پھر سوچ میں پڑ گیا۔ ساری رات اسے کروٹیں بدلتے گزری۔ تعطیل کا دن بھی بیٹھے ہی بیٹھے گزر گیا۔ اسے تمام دن یہی خیال آتا رہا کہ اماں جی واقعی نہ چلی

آویں۔ کسی گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ سنتا تو دل دھڑکنے لگتا۔ کہیں آتو نہیں گئیں۔

بورڈنگ ہاؤس میں چھوٹا سا ہسپتال تھا۔ ایک ڈاکٹر صاحب شام کے وقت ایک گھنٹہ کے لیے جایا کرتے تھے۔ اگر کوئی لڑکا بیمار ہوتا تو اسے دوا دیتے۔ آج وہ آئے تو منسارام کچھ سوچتا ہوا ان کے پاس جا کھڑا ہو گیا۔ وہ منسارام کو بخوبی جانتے تھے۔ اسے دیکھ کر تعجب سے بولے "یہ تمہاری کیا حالت ہے جی؟ تم گلے سے جا رہے ہو۔ کہیں بازار کا چسکا تو نہیں پڑ گیا؟ آخر تمہیں ہوا کیا؟ ذرا یہاں تو آؤ"

منسارام نے مسکرا کر کہا "مجھے زندگی اک مرض ہے، آپ کے پاس اس کی بھی کوئی دوا ہے؟"

ڈاکٹر: "میں تمہاری تشخیص کرنا چاہتا ہوں، تمہاری تو صورت ہی بدل گئی ہے۔ پہچانے بھی نہیں جاتے۔"

یہ کہہ کر انہوں نے منسارام کا ہاتھ پکڑ لیا اور سینہ، پیٹھ، آنکھیں، زبان سب باری باری دیکھیں، تب متوحش ہو کر بولے "وکیل صاحب سے میں آج ہی ملوں گا۔ تمہیں دق ہو رہا ہے، سارے علامات اسی کے ہیں"

منسارام نے نہایت شوق سے دریافت کیا "بھلا کتنے دنوں میں قصہ تمام ہو جائے گا، ڈاکٹر صاحب؟"

ڈاکٹر: "کیسی باتیں کرتے ہو جی، میں وکیل صاحب سے مل کر تمہیں کسی پہاڑی مقام پر بھیجنے کی رائے دوں گا، ایشور نے چاہا تو تم بہت جلد صحت پاؤ گے۔ بیماری بھی ابتدائی حالت پر ہے"

منسارام: "تب تو ابھی دو سال کی دیر معلوم ہوتی ہے، میں انتظار نہیں کر سکتا سنیئے مجھے دق وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی شکایت ہی ہے۔ آپ بابو جی کو ناحق تردد میں نہ ڈالیے گا۔ اس وقت میرے سر میں درد ہے، کوئی دوا دیجیے۔ کوئی دوا ایسی ہو جس سے نیند بھی آجاوے۔ مجھے دو راتوں سے نیند نہیں آئی"

ڈاکٹر صاحب نے زہریلی دواؤں کی الماری کھولی اور ایک شیشی میں تھوڑی سی دوا نکال کر منسارام کو دی۔ منسارام نے پوچھا ''یہ تو کوئی زہر ہے؟ بھلا اسے پی لے تو مر جاوے؟''

ڈاکٹر: ''مر تو نہ جاوے پر سر ضرور چکرانے لگے''

منسارام: ''کوئی ایسی دوا بھی ان میں ہے جس کو پیتے ہی جان نکل جاوے؟''

ڈاکٹر: ''ایسی ایک دو تو نہیں کتنی ہی دوائیں ہیں۔ یہ جو دیکھ رہے ہو اس کی ایک بوند بھی پیٹ میں چلی جاوے تو جان نہ بچے۔ آناً فاناً موت ہو جاوے''

منسارام: ''کیوں ڈاکٹر صاحب، جو لوگ زہر کھا لیتے ہیں، انہیں بڑی تکلیف ہوتی ہوگی''

ڈاکٹر: ''سبھی زہروں میں تکلیف نہیں ہوتی۔ بعض تو ایسے ہیں کہ پیتے ہی آدمی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یہ شیشی اسی قسم کی ہے، اسے پیتے ہی انسان بے ہوش ہو جاتا ہے، اس پھر اس کو ہوش نہیں آتا''

منسارام نے سوچا، تب تو جان دینا بہت آسان ہے پھر لوگ کیوں اتنا ڈرتے ہیں؟ یہ شیشی کیسے ملے گی؟ اگر دوا کا نام پوچھ کر شہر کے کسی دوا فروش سے لینا چاہوں تو وہ کبھی نہ دے گا۔ اونہہ، اس کے ملنے میں کوئی دقت نہیں۔ یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ جان نہایت آسانی سے دی جا سکتی ہے۔ منسارام اتنا خوش ہوا گویا کوئی انعام مل گیا ہو۔ اس کے دل پر سے ایک بوجھ سا ہٹ گیا۔ فکر کے بادل جو سر پر منڈلا رہے تھے، پھٹ گئے۔ مہینوں کے بعد آج اس کے دل میں ایک قسم کے جوش کا احساس ہوا۔ کئی لڑکے تھیٹر دیکھنے جا رہے تھے۔ سپرنٹنڈنٹ سے اجازت لے کر منسارام بھی ان کے ساتھ تھیٹر دیکھنے چلا گیا۔ ایسا خوش تھا گویا اس سے زیادہ خوش انسان دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ تھیٹر میں نقل دیکھ کر تو وہ ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ بار بار تالیاں بجا کے اور ونس مور کی صدا دینے میں سب سے پہلا نمبر اسی کا تھا۔ گانا سن کر وہ مست ہو جاتا اور''

اوہو ہو" کہہ کر چلا اٹھتا تھا۔ تماشائیوں کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ جاتی تھیں تھیٹر کے ایکٹر بھی اس کی طرف تاکتے تھے اور یہ جاننا چاہتے تھے کہ کون حضرات اتنے شوقین اور ذکی الحس ہیں۔ اس کے دوستوں کو اس کے دلیلے پن پر تعجب ہو رہا تھا۔ وہ نہایت خاموش اور متعین شخص تھا۔ آج وہ کیوں اتنا ہنسوڑ ہو گیا، کیوں اس کی مذاق پسندی کی انتہا نہیں ہے؟

دو بجے رات کو تھیٹر سے لوٹنے پر اس کی مذاق پسندی بند نہیں ہوئی۔ اس نے ایک لڑکے کی چارپائی الٹ دی، کئی لڑکوں کے کواڑ باہر سے بند کر دیئے اور انہیں اندر سے کھٹکھٹاتے ہوئے سنتا رہا۔ یہاں تک بورڈنگ ہاؤس کے سپرنٹنڈنٹ کی نیند بھی شوروغل سے اچٹ گئی۔ اور انہوں نے منسارام کی شرارت پر اظہار افسوس کیا۔ کون جانتا کہ اس کے دل میں کتنی زبردست ہلچل ہو رہی ہے؟ بدگمانی کے بے رحمانہ وار نے اس کی حیا اور خودداری کو گویا پامال کر ڈالا ہے؟ اس کو ذلت اور حقارت کا ذرا بھی خوف نہیں رہا۔ یہ تفریح نہیں۔ اس کے دل کی رقت بھری فریاد ہے۔ جب اور لڑکے سو گئے تو وہ پلنگ پر لیٹ گیا۔ مگر اسے نیند نہیں آئی۔ ایک لمحہ بعد وہ اٹھ بیٹھا اور اپنی ساری کتابیں باندھ کر صندوق میں رکھ دیں۔ جب مرنا ہی ہے تو پڑھ کر کیا ہو گا؟ جس زندگی میں ایسی ایسی پریشانی ہے، ایسی ایسی اذیتیں ہیں اس سے موت کہیں بہتر ہے۔

یہی سوچتے سوچتے سویرا ہو گیا۔ تیز رات سے وہ ایک منٹ بھی نہ سویا تھا۔ اس وقت وہ اٹھا تو اس کے پیر تھرتھرا رہے تھے اور سر چکرا رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں اور سارے اعضا ڈھیلے ہو رہے تھے۔ دن چڑھتا جاتا تھا اور اس میں اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ منہ ہاتھ دھو ڈالے۔ یکایک اس نے بھنگی کو رومال میں کچھ لیے ہوئے ایک کہار کے ساتھ آتے دیکھا، اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ہائے ایشور، وہ آ گئیں۔ اب کیا وہ گا؟ بھنگی تنہا نہیں آئی ہو گی، بگھی ضرور باہر کھڑی ہو گی۔ کہاں تو اس سے

اٹھانہ جاتا تھا۔ کہاں بھنگی کو دیکھتے ہی دوڑا اور گھبرائی ہوئی آواز میں بولا ''اماں جی آئی ہیں؟ کہاں ہے؟'' جب معلوم ہوا کہ اماں جی نہیں آئیں تب اس کا جی ٹھکانے ہوا۔ بھنگی نے کہا ''بھیا کل آئے نہیں، بہو جی تمہاری راہ دیکھتی رہ گئیں۔ ان سے کیوں روٹھے ہو بھیا؟ وہ تو کہتی ہے کہ میں نے ان کی کچھ بھی شکایت نہیں کی ہے۔ مجھ سے آج رو کر کہنے لگیں کہ ان کے پاس یہ مٹھائی لیتی جا اور کہنا میرے کارن گھر کیوں چھوڑ دیا ہے؟ کہاں رکھ دوں یہ تھالی؟''

منسارام نے رکھائی سے کہا ''تھالی اپنے سر پٹک لے چڑیل۔ وہاں سے چلی ہے مٹھائی لے کر! خبردار، جو پھر کبھی ادھر آئی! سوغات لے کر چلی ہے! جا کر کہہ دینا کہ تمہارا گھر ہے، تم رہو۔ میں بڑے آرام سے ہوں۔ خوب کھاتا اور موج کرتا ہوں۔ سنتی ہے؟ بابو جی کے سامنے کہنا۔ سمجھ گئی، مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے، جو کرنا چاہیں سو کر ڈالیں جس سے دل میں کوئی ارمان نہ رہ جاوے۔ وہ کہیں تو الہ آباد، لکھنو، کلکتہ چلا جاؤں۔ میرے لیے جیسے بنارس ایسے دوسرا شہر! یہاں کیا رکھا ہے؟''

بھنگی: ''بھیا! مٹھائی رکھ لو نہیں تو بہو جی رو رو کر مر جائیں گی۔ سچ مانوں رو رو کر مر جائیں گی!''

منسارام نے آنسوں کے زور کو روک کر کہا ''مر جائیں گی میری بلا سے، کونسا مجھے بڑا سکھ دے دیا ہے جس کے لیے پچھتاؤں۔ میرا تو انہوں نے ستیاناس کر دیا۔ کہہ دینا کہ میرے پاس کوئی سندیسہ نہ بھیجیں، اس کی ضرورت نہیں''

بھنگی: ''تم تو کہتے ہو کہ یہاں خوب کھاتا اور موج کرتا ہوں مگر دیہہ تو آدھی بھی نہیں رہی۔ جیسے آئے تھے اس کے آدھے بھی نہیں رہے!''

منسارام: ''یہ تیری آنکھوں کا پھیر ہے، دیکھنا کہ دو چار روز میں موٹا ہو کر کولہو ہو جاتا ہوں یا نہیں۔ ان سے یہ بھی کہہ دینا کہ رونا دھونا بند کریں جو میں نے سنا کہ روتی ہیں اور کھانا نہیں کھاتیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں۔ مجھے گھر سے نکالا ہے تو اب

چین سے رہیں۔ چلی ہیں محبت دکھانے، میں ایسے تریا چرتر بہت پڑھے بیٹھا ہوں‘‘ بھنگی چلی گئی۔ منسارام کو اس سے باتیں کرتے ہی کرتے کچھ سردی معلوم ہونے لگی تھی۔ یہ تماشا کرنے کے لیے اسے اپنے جذبات کو جتنا دبانا پڑا تھا وہ اس کے لیے بہت مشکل تھا۔ اس کی خودداری اسے اس پرفریب روش کو جلد سے جلد ختم کر دینے کے لیے مجبور کر رہی تھی۔ مگر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ نرملا کیا یہ صدمہ برداشت کرے گی؟ اب تک وہ اپنی موت کا خیال کرتے وقت کسی اور شخص کا خیال نہ کرتا ہوگا مگر آج یکا یک اس کو معلوم ہوا کہ میری زندگی کے ساتھ ایک اور شخص کا رشتہ زندگی بھی وابستہ ہے۔ نرملا یہی سمجھے گی کہ میری بے اعتنائی نے ان کی جان لی۔ یہ سمجھ کر کیا اس کا نازل دل شق نہ ہو جائے گا؟ اس کی زندگی تو اب بھی مصیبت میں ہے۔ بدگمانی کے سنگین نتیجہ میں پھنسی ہوئی عورت کیا اپنے آپ کو قاتلہ سمجھ کر بہت دنوں تک زندہ رہ سکتی ہے؟

منسارام نے پلنگ پر لیٹ کر لحاف اوڑھ لیا۔ پھر بھی سردی سے کلیجہ کانپ رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کو شدت سے بخار آ گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس غشی کی حالت میں اس کو طرح طرح کے خواب دکھائی دینے لگے۔ ذرا ذرا دیر بعد چونک پڑتا۔ آنکھیں کھلتی تھیں اور پھر بے ہوش ہو جاتا۔

دفعتاً وکیل صاحب کی آواز سن کر وہ چونک پڑا۔ ہاں وکیل صاحب ہی کی آواز تھی! اس نے لحاف پھینک دیا اور پلنگ سے اتر کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ اس کے دل میں ایک فوری جذبہ پیدا ہوا کہ اسی وقت ان کے سامنے جان دوں۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ میں مر جاؤں تو انہیں سچی خوشی ہوگی۔ شاید اسی لیے یہ دیکھنے آئے ہیں کہ میرے مرنے میں کتنی دیر ہے؟ وکیل صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ گر نہ پڑے، اور پوچھا ’’کیسی طبیعت ہے؟ لیٹے کیوں نہ رہے؟ لیٹ جاؤ، لیٹ جاؤ، تم کھڑے کیوں ہو گئے؟‘‘

منسارام: ''طبیعت تو اچھی ہے۔ آپ کو ناحق تکلیف ہوئی''

منشی جی نے کچھ جواب نہ دیا۔ لڑکے کی حالت دیکھ کر ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ وہ تندرست لڑکا جسے دیکھ کر دل مسرور ہو جاتا تھا، اب سوکھ کر کانٹا ہو گیا ہے۔ پانچ چھ روز ہی میں وہ اتنا لاغر ہو گیا تھا کہ اسے پہچاننا مشکل تھا۔ منشی جی نے اس کو آہستہ سے پلنگ پر لٹا دیا۔ اور لحاف اچھی طرح اوڑھا کر سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے کہ کہیں لڑکا ہاتھ سے تو نہ نکل جاوے گا؟ یہ خیال کر کے وہ رنج سے پریشان ہو گئے۔ اور اسٹول پر بیٹھ کر زار و قطار رونے لگے۔ منسارام بھی لحاف میں منہ لپیٹے رو رہا تھا۔ ابھی چند ہی روز قبل اسے دیکھ کر باپ کا دل غرور سے پھول اٹھتا تھا۔ مگر آج اسے اس نازک حالت میں دیکھ کر وہ سوچ رہا ہے کہ اسے گھر لے چلوں یا نہیں؟ کیا یہاں دوا نہیں ہو سکتی؟ میں یہاں چوبیسوں گھنٹے بیٹھا رہوں گا۔ ڈاکٹر صاحب یہاں موجود ہی ہیں، کوئی دقت نہ ہو گی۔ گھر لے جانے میں انہیں دقت ہی نظر آتی تھی۔ سب سے زیادہ اندیشہ یہ تھا کہ وہاں نرملا اس کے پاس ہر وقت بیٹھی رہے گی، اور میں منع نہ کر سکوں گا۔ یہ ان کے لیے ناقابل برداشت تھا!

اتنے میں سپرنٹنڈنٹ نے آ کر کہا ''میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں گاڑی ہے کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ یہاں بخوبی تیمارداری نہ ہو سکے گی''

منشی جی: ''ہاں آیا تو میں اسی خیال سے تھا، لیکن ان کی حالت نہایت ہی نازک معلوم ہوتی ہے۔ ذرا سی غفلت سے سرسام ہو جانے کا اندیشہ ہے۔''

سپرنٹنڈنٹ: ''یہاں سے انہیں لے جانے میں تھوڑی دقت ضرور ہے مگر یہ تو آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ گھر پر جو آرام مل سکتا ہے وہ یہاں کسی طرح نہیں مل سکتا۔ اس کے علاوہ کسی بیمار لڑکے کو یہاں رکھنا خلاف قاعدہ بھی ہے۔''

منشی جی: ''کہیے تو میں ہیڈ ماسٹر صاحب سے اجازت لے لوں۔ مجھے ان کو یہاں سے اس حالت میں لے جانا کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا''

سپرنٹنڈنٹ نے ہیڈ ماسٹر کا نام سنا تو سمجھے کہ یہ حضرت مجھے دھمکی دے رہے ہیں ذرا تنک کر بولے۔ ''ہیڈ ماسٹر قاعدے کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے۔ میں اتنی بڑی ذمہ داری کیسے لے سکتا ہوں''

اب کیا ہو؟ کیا گھر لے جانا ہی پڑے گا؟ کیا رکھنے کا تو یہ بہانا تھا کہ لے جانے سے بیماری بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہاں سے لے جا کر اسپتال میں ٹھہرانے کے لیے کوئی بہانہ نہیں ہے۔ جو سنے گا وہ یہی کہے گا کہ ڈاکٹر کی فیس بچانے کے لیے لڑکے کو اسپتال میں پھینک آئے۔ مگر لے جانے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اگر سپرنٹنڈنٹ صاحب اس وقت رشوت لینے پر تیار ہو جاتے تو شاید دو چار سال کی تنخواہ لے سکتے تھے، لیکن قاعدے کے لوگوں میں اتنی ہوشیاری کہاں؟ اگر اس وقت منشی جی کو کوئی آدمی ایسی بات سمجھا دیتا کہ انہیں منسارام کو گھر نہ لے جانا پڑے تو وہ تمام عمر اس کا احسان مانتے۔ سوچنے کا موقع بھی نہ تھا۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب شیطان کی طرح سر پر سوار تھے! مجبور ہو کر منشی جی نے دونوں سائیسوں کو بلایا اور منسارام کو اٹھانے لگے۔ منسارام نیم غشی کی حالت میں تھا، چونک کر بولا۔ کیا ہے؟ کون ہے؟

منشی جی: ''کوئی نہیں بیٹا، میں تمہیں گھر لے چلنا چاہتا ہوں۔ آؤ میں گود میں اٹھا لوں''

منسارام: ''مجھے گھر کیوں لے چلتے ہیں۔ میں وہاں نہیں جاؤں گا''

منشی جی: ''یہاں بھی تو نہیں رہ سکتے قاعدہ ہی کچھ ایسا ہے''

منسارام: '' کچھ بھی ہو، میں وہاں نہیں جاؤں گا، مجھ اور کہیں لے چلیے۔ کسی درخت کے نیچے، کسی جھونپڑے میں، جہاں چاہے رکھیے۔ مگر گھر نہ لے چلیے''

سپرنٹنڈنٹ نے منشی جی سے کہا'' آپ ان باتوں کا خیال نہ کریں، یہ تو ہوش میں نہیں ہیں''

منسارام: ''کون ہوش میں نہیں ہے؟ میں ہوش میں نہیں ہوں؟ مجھے یہیں پڑا

رہنے دیجیے۔ جو کچھ ہونا ہوگا وہ یہیں ہوگا۔ اگر ایسا ہی ہے تو مجھے ہسپتال لے چلیے۔ میں وہاں پڑا رہوں گا۔ جینا ہوگا جیوں گا اور مرنا وہ گا مروں گا، مگر گھر تو کسی طرح بھی نہ جاؤں گا‘‘

یہ زور پاکر منشی جی پھر سپرنٹنڈنٹ سے التجا کرنے لگے، لیکن یہ قاعدہ کا پابند شخص کچھ سنتا ہی نہ تھا۔ اگر چھوت کی بیماری ہوئی اور کسی دوسرے لڑکے کو چھوت لگ گئی تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اس دلیل کے سامنے منشی جی کی قانونی دلیلیں بھی مات ہو گئیں۔ آخر منشی جی نے منسارام سے کہا ’’بیٹا تمہیں گھر چلنے سے کیوں انکار ہو رہا ہے؟ وہاں تو سبھی طرح کا آرام رہے گا‘‘ منشی جی نے کہنے کو تو بات کہہ دی مگر خوف تھا کہ کہیں سچ مچ منسارام چلنے پر راضی نہ ہو جائے۔ وہ منسارام کو ہسپتال میں رکھنے کا کوئی حیلہ تلاش کر رہے تھے اور اس کی ساری ذمہ داری منسارام ہی کے سر ڈالنا چاہتے تھے۔ یہ سپرنٹنڈنٹ کے سامنے کی بات تھی۔ وہ اس بات کی شہادت دے سکتے تھے کہ منسارام اپنی ہی ضد سے ہسپتال جا رہا ہے۔ منشی جی کا اس میں ذرا بھی قصور نہیں ہے۔

منسارام نے جھلا کر کہا ’’نہیں نہیں نہیں، سو بار نہیں، میں گھر نہیں جاؤں گا۔ مجھے ہسپتال لے چلیے اور گھر سے سب آدمیوں کو منع کر دیجیے کہ مجھے دیکھنے نہ آویں۔ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے، بالکل بیمار نہیں ہوں، آپ مجھے چھوڑ دیجیے، میں اپنے پیروں پر چل سکتا ہوں‘‘

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور دیوانہ وار دروازہ کی طرف چلا، مگر پیر لڑکھڑا گئے اگر منشی جی نے نہ سنبھال لیا ہوتا تو اس کو سخت چوٹ آتی۔ دونوں نوکروں کی مدد سے منشی جی اس کو گاڑی کے پاس لائے اور اندر بٹھا دیا۔ گاڑی ہسپتال کی طرف چلی۔ وہی ہوا جو منشی جی چاہتے تھے۔ اس غم میں بھی ان کا دل مطمئن تھا لڑکا اپنی خوشی سے ہسپتال جا رہا ہے، کیا یہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ گھر سے اس کو کچھ بھی محبت نہیں ہے؟ کیا اس سے

یہ ثابت نہیں ہوتا کہ منسارام بے گناہ ہے۔ وہ اس پر بلا وجہ شک کر رہے تھے، لیکن ذرا ہی دیر بعد اس اطمینان کی جگہ ان کے دل میں پشیمانی کا احساس ہوا وہ اپنے پیارے بیٹے کو گھر کی بجائے ہسپتال لیے جا رہے تھے۔ ان کے عالی شان محل میں ان کے لڑکے کے لیے جگہ نہ تھی۔ اس حالت میں بھی جب کہ اس کے جینے مرنے کا سوال تھا کتنا اندھیر ا ہے!

ایک لمحہ کے بعد یکا یک منشی جی کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کہیں منسارام ان کے خیالوں کو تاڑ تو نہیں گیا؟ اسی لیے تو اس کو گھر سے نفرت ہوگئی ہے۔ اگر ایسا ہے تو غضب ہو جاوے گا۔

اس بات کے خیال ہی سے منشی جی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ان کا دل دھڑ کنے لگا۔ قلب میں ایک دھچکا سا لگا۔ اگر اس بخار کا یہی سبب ہے تو ایشور ہی مالک ہے۔ اس وقت ان کی حالت بہت ہی قابل رحم تھی۔ وہ آگ جو انہوں نے اپنے ٹھٹھرے ہوئے ہاتھوں کو سینکنے کے لیے جلائی تھی، اب ان کے گھر میں لگی جا رہی ہے۔ اس رنج وغم، پشیمانی اور اندیشے سے ان کا دل گھبرا اٹھا۔ ان کے مخفی گریہ کی آواز بالکل نکل سکتی تو سننے والے رو پڑتے، ان کے دل آنسو باہر نکل سکتے تو ان کا سلسلہ بندھ جاتا۔ انہوں نے لڑکے کے زرد و افسردہ چہرے کو ایک بار محبت بھری نگاہوں سے دیکھا اور رنج سے بے قرار ہو کر اسے سینے سے لگایا اور اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

سامنے ہسپتال کا پھاٹک دکھائی دے رہا تھا۔

11

منشی طوطارام شام کو کچہری سے گھر پہنچے تو نرملا نے پوچھا۔ ''نہیں دیکھا؟ کیا حال ہے؟'' منشی جی نے دیکھا کہ نرملا کے چہرے پر رنج یا فکر کا نام ونشان بھی نہیں ہے، اس کا بناؤ سنگھار اور دنوں سے کچھ بڑھ چڑھ کر ہوا ہے۔ مثلاً وہ گلے میں ہار نہ پہنتی

تھی، مگر آج وہ بھی گلے میں پڑا ہوا تھا۔ جھومر سے بھی اس کو بہت رغبت نہ تھی مگر آج وہ باریک ریشمی ساڑھی کے نیچے سیاہ بالوں کے اوپر چراغ فانوس کی طرح چمک رہا تھا۔ منشی جی نے منہ پھیر کر کہا ''بیمار ہے اور کیا حال بتاؤں؟''

نرملا: ''تم تو انہیں یہاں لانے گئے تھے؟''

منشی جی نے جھنجھلا کر کہا ''وہ یہاں نہیں آیا تو کیا میں جبراً اٹھالاتا؟ کتنا سمجھایا کہ بیٹا، گھر چلو، وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پاوے گی، مگر گھر کا نام سن کر اس کو جیسے دوگنا بخار ہو جاتا تھا۔ کہنے لگا کہ میں یہاں مر جاؤں گا لیکن گھر نہ جاؤں گا۔ آخر مجبور ہو کر ہسپتال پہنچا آیا اور کیا کرتا؟''

رکمنی بھی آکر برآمدے میں کھڑی ہو گئی تھی، بولی ''وہ جنم کا ہٹی ہے، یہاں کسی طرح نہ آوے گا اور یہ بھی دیکھ لینا کہ وہاں اچھا بھی نہ ہوگا''

منشی جی نے دبی آواز میں کہا ''تم دو چار دن کے لیے وہاں چلی جاؤ تو بڑا اچھا ہو۔ بہن تمہارے رہنے سے اسے تسکین ہوتی رہے گی۔ میری بہن، میری یہ بات مان لو۔ اکیلے وہ رو رو کر جان دے دے گا۔ بس ہائے اماں، ہائے اماں کی رٹ لگا لگا کر رویا کرتی ہے۔ میں وہاں جا رہا ہوں، میرے ساتھ ہی چلو۔ اس کی حالت اچھی نہیں، بہن وہ صورت ہی نہیں رہی دیکھیں ایشور کیا کرتے ہیں''

یہ کہتے کہتے منشی جی کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے، لیکن رکمنی نے استقلال سے کہا ''میں جانے کو تیار ہوں۔ میرے وہاں رہنے سے اگر میرے بچے کی جان بچ جاوے تو میں سر کے بل دوڑی جاؤں گی، لیکن میرا کہنا گرہ باندھ لو بھیا، وہ وہاں اچھا نہ ہوگا۔ میں اسے خوب جانتی ہوں۔ اسے بیماری نہیں ہے۔ صرف گھر سے نکالے جانے کا رنج ہے۔ یہی رنج بخار کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ تم ایک نہیں لاکھ دوا کرو، سول سرجن ہی کو کیوں نہ دکھلاؤ، مگر اس کا کوئی دوا اثر نہ کرے گی۔''

منشی جی: ''بہن، اسے گھر سے نکالا کس نے، میں نے صرف اس کی پڑھائی کے

خیال سے اسے وہاں بھیجا تھا“

رکمنی: ”تم نے چاہے جس خیال سے بھیجا ہو، مگر یہ بات اس کو لگ گئی ہے۔ میں تو اب کسی گنتی میں نہیں ہوں، مجھے کسی بات میں بولنے کا اختیار نہیں ہے۔ مالک تم، مالکن تمہاری عورت، میں تو صرف تمہاری روٹیوں پر پڑی ہوں۔ ابھاگن بدھوا ہوں۔ میری کون سنے گا۔ اور کون پرواہ کرے گا؟ مگر بغیر بولے رہا نہیں جاتا۔ منسارام تبھی اچھا ہوگا۔ جب گھر آوے گا۔ جب تمہارا دل وہی ہو جاوے گا جو پہلے تھا“

یہ کہہ کر رکمنی وہاں سے چلی گئی۔ ان کا کمزور و تجربہ کار آنکھوں کے سامنے جو تماشے ہو رہے تھے، ان کا بھید وہ خوب سمجھتی تھی اور ان کا سارا غصہ بے گناہ نرملا ہی پر اترتا تھا۔ اس وقت بھی وہ کہتے کہتے رک گئی کہ جب تک یہ لکشمی اس گھر میں رہیں گی، اس گھر کی حالت بگڑتی جاوے گی۔ مگر اس کے ظاہراً نہ کہنے پر بھی اس کا مطلب منشی جی سے چھپا نہیں رہا۔ اس کے چلے جانے پر منشی جی نے سر جھکا لیا۔ اور سوچنے لگے۔ انہیں اپنے اوپر اس وقت اتنا غصہ آ رہا تھا کہ دیوار سے سر پٹک کر اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ انہوں نے کیوں شادی کی تھی۔ شادی کی کیا ضرورت تھی؟ ایشور نے انہیں ایک نہیں تین بچے دیئے تھے۔ ان کی عمر بھی پچاس کے قریب قریب پہنچ گئی تھی۔ پھر انہوں نے کیوں شادی کی؟ کیا اسی بہانے ایشور کو انہیں تباہ کرنا منظور تھا؟ انہوں نے سر اٹھا کر ایک بار نرملا کی متبسم مگر پرسکون صورت دیکھی اور ہسپتال چلے گئے۔ نرملا کے متبسم حسن نے ان کی دلی تسکین کر دی تھی، آج کئی روز کے بعد انہیں یہ تسکین ملی تھی۔ پر محبت دل کیا اس حالت میں اتنا پرسکون رہ سکتا ہے نہیں، ہرگز نہیں، دل کا صدمہ ظاہری جذبات سے نہیں چھپایا جا سکتا۔ اپنی دل کی کمزوری پر اس وقت انہیں بہت ہی غصہ آیا۔ انہوں نے بلا سبب ہی بدگمانی کو دل میں جگہ دے کر اتنی بے انصافی کی۔ منسارام کی طرف سے بھی ان کا دل صاف ہو

گیا، اس کے بجائے اب ایک نیا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ کیا منسارام بھانپ تو نہیں گیا؟ کیا اسی لیے تو گھر آنے سے انکار نہیں کر رہا؟ اگر وہ تاڑ گیا ہے تو بڑا غضب ہو جاوے گا۔ اس خیال ہی سے ان کا دل گھبرا اٹھا۔ ان کے بدن کی ساری ہڈیاں گویا اس فریاد و فغاں پر پانی ڈالنے کے لیے بے قرار ہو گئیں۔ انہوں نے کوچوان سے گھوڑا تیز کرنے کے لیے کہا۔ آج کئی دنوں کے بعد ان کے دل پر چھائی ہوئی کالی گھٹا پھٹ گئی تھی اور نور کی شعاعیں اندر سے نکلنے کے لیے بے تاب ہو رہی تھیں۔ انہوں نے سر باہر نکال کر دیکھا کہ کوچوان سو تو نہیں رہا ہے۔ گھوڑے کی رفتار انہیں اتنی سست کبھی نہ ملعم ہوئی تھی۔

ہسپتال پہنچ کر وہ دوڑے ہوئے منسارام کے پاس گئے۔ دیکھا تو ڈاکٹر صاحب اس کے سامنے متفکر کھڑے تھے۔ منشی جی کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ بھرائی ہوئی آواز میں بڑی مشکل سے بولے" کیا حال ہے، ڈاکٹر صاحب؟" یہ کہتے کہتے وہ رو پڑے اور جب ڈاکٹر صاحب کو ان کے سوال کا جواب دینے میں ایک لمحہ کی تاخیر ہوئی تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ انہوں نے پلنگ پر بیٹھ بے ہوش لڑکے کو گود میں اٹھا لیا، اور بچوں کی طرح سسک سسک کر رونے لگے۔ منسارام کا جسم بخار سے جل رہا تھا۔ اس نے ایک بار آنکھیں کھولیں۔ آہ کتنی خوفناک اور ساتھ ہی کتنی عاجزہ بھری نگاہ تھی۔ منشی جی نے اسے گلے سے لگا کر ڈاکٹر صاحب سے پوچھا" کیا حال ہے صاحب؟ آپ خاموش کیوں ہیں؟"

ڈاکٹر نے شک آمیز لہجے میں کہا" حال جو کچھ ہے وہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں 106 ڈگری بخار ہے اور میں کیا بتلاؤں؟ ابھی بخار کا زور بڑھتا ہی جاتا ہے۔ میرے کیے جو کچھ ہو سکتا ہے، وہ کر رہا ہوں۔ ایشور مالک ہے، جب سے آپ گئے ہیں، میں ایک منٹ کے لئے یہاں سے نہیں ہٹا۔ کھانا تک نہیں کھا سکا۔ حالت اتنی نازک کہ ایک منٹ میں کیا ہو جاوے گا، یہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ملک بخار ہے۔ مریض

کو بالکل ہوش نہیں ہے رہ رہ کر سرسام کا دورہ ہو جاتا ہے۔ کیا گھر میں ان کو کسی نے کچھ کہا ہے؟ بار بار ’’اماں جی تم کہاں ہو؟ یہی آواز منہ سے نکلتی ہے؟

ڈاکٹر صاحب یہ کہہ ہی رہے تھے کہ دفعتاً منسارام اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور ایک دھکے سے منشی جی کو پلنگ کر نیچے ڈھکیل کر دیوانگی کے لہجے میں بولا ’’کیوں دھمکاتے ہیں؟ آپ مار ڈالیے مار ڈالیے، تلوار نہیں ملتی رسی کا پھندا ہے یا وہ بھی نہیں ہے؟ میں اپنے گلے میں لگا لوں گا۔ ہائے اما ل جی، تم کہاں ہو؟‘‘ یہ کہتے کہتے وہ پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

منشی جی ایک لمحے تک منسارام کے افسردہ چہرے کی طرف خوفناک نگاہوں سے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے ڈاکٹر صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا اور بہت التجا آمیز اصرار سے بولے ’’ڈاکٹر صاحب! اس لڑکے کو بچا لیجیے۔ ایشور کے لیے بچا لیجیے۔ ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا‘‘ میں امیر نہیں مگر آپ جو کچھ کہیں گے وہ حاضر کر دوں گا۔ اسے بچا لیجیے۔ آپ بڑے سے بڑے ڈاکٹروں کو بلایئے اور ان کی رائے لیجیے میں سارا صرفہ دے دوں گا۔ اس کی یہ حالت اب نہیں دیکھی جاتی۔ ہائے میرا ہونہار بیٹا!

ڈاکٹر صاحب نے دردناک لہجے میں کہا ’’بابو صاحب، میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں ان کے لیے اپنی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کر رہا ہوں۔ اب آپ دیگر ڈاکٹروں سے مشورہ کے لیے کہتے ہیں۔ میں ابھی ڈاکٹر لاہری، ڈاکٹر بھاٹیہ اور ڈاکٹر ناتھ کو بلاتا ہوں۔ لیکن آپ کو بے فائدہ تشفی نہیں دینا چاہتا۔ حالت بہت نازک ہے‘‘

منشی جی نے روتے ہوئے کہا ’’نہیں ڈاکٹر صاحب! یہ لفظ منہ سے نہ نکالیے۔ حالت ان کے دشمنوں کی نازک ہے! ایشور مجھ پر اتنا قہر نہ کریں گے۔ آپ کلکتہ اور بمبئی کے ڈاکٹروں کو تار دیجیے۔ میں زندگی بھر آپ کی غلامی کروں گا۔ یہی میرا چراغ خاندان ہے! یہی میری زندگی کا سہارا ہے! میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ کوئی ایسی دوا

دیجیے کہ اسے ہوش آجاوے۔ میں ذرا اپنے کانوں میں سے اس کی باتیں سنوں، یہ جان سکوں کہ اسے کیا تکلیف ہو رہی ہے۔ ہائے میرا بچہ!''

ڈاکٹر: ''آپ ذرا دل کو تسکین دیجیے۔ آپ بزرگ آدمی ہیں۔ یوں ہائے ہائے کرنے سے اور ڈاکٹروں کی فوج جمع کرنے سے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ خاموش ہو کر بیٹھیے میں دوسرے ڈاکٹروں کو بلا رہا ہوں۔ دیکھیے وہ کیا کہتے ہیں۔ آپ تو خود بد حواس ہوئے جاتے ہیں''

منشی جی: ''اچھا ڈاکٹر صاحب، میں اب نہ بولوں گا، زبان تک نہ کھولوں گا۔ آپ جو چاہیں کریں، بچہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ ہی اسے بچا سکتے ہیں، میں اتنا ہی چاہتا ہوں کہ ذرا اسے ہوش آجاوے، مجھے پہچان لے اور میری باتیں سمجھنے لگے۔ کیا کوئی ایسی دوائی نہیں؟ کوئی ایسی سنجیونی بوٹی نہیں؟ بس میں اس سے دو چار باتیں کر لیتا''

یہ کہتے کہتے منشی جی پھر جوش میں آ کر منسارام سے بولے ''بیٹا ذرا آنکھیں کھولو، کیسا جی ہے؟ میں تمہارے پاس بیٹھا رو رہا ہوں۔ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہے۔''

ڈاکٹر: ''پھر آپ نے واہیات باتیں شروع کر دیں۔ ارے صاحب، آپ بچے نہیں ہیں، بزرگ آدمی ہیں، ذرا صبر سے کام لیجیے''

منشی جی: ''اچھا، ڈاکٹر صاحب! اب نہ بولوں گا۔ خطا ہوئی، آپ جو چاہیں کریں۔ میں نے سب کچھ آپ پر چھوڑ دیا۔ کاے کوئی ایسی تدبیر نہیں ہے، جس سے میں اس کا اتنا سمجھا سکوں کہ میرا دل صاف ہے۔ آپ ہی کہہ دیجیے، ڈاکٹر صاحب! کہہ دیجیے کہ تمہارا بدنصیب باپ بیٹھا رو رہا ہے، اس کا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف ہے۔ اسے کچھ وہم ہوا تھا، وہ اب دور ہو گیا۔ بس اتنا ہی کہہ دیجیے اور کچھ نہیں چاہتا۔ میں خاموش بیٹھا ہوں، زبان تک نہیں کھولتا مگر اتنا ضرور کہہ

دیجیے''

ڈاکٹر: ''ایشور کے لیے بابو صاحب! ذرا صبر کیجیے، ورنہ مجھے مجبور ہو کر آپ سے کہنا پڑے گا کہ آپ گھر تشریف لے جائیے۔ اور میں ذرا دفتر میں جا کر ڈاکٹر صاحبان کو خط لکھ رہا ہوں۔ آپ یہاں خاموش بیٹھے رہیے گا''

''بے رحم ڈاکٹر! نوجوان بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر کون باپ ہے جو صبر سے کام لے گا؟''

منشی جی بہت سنجیدہ مزاج شخص تھے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس وقت ہائے ہائے کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، مگر پھر بھی اس وقت چپ چاپ بیٹھنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ اگر اتفاقاً یہ بیماری ہوتی تو وہ صبر کر سکتے تھے، دوسروں کو سمجھا سکتے تھے اور خود ڈاکٹروں کو بلا سکتے تھے۔ مگر کیا یہ جانتے ہوئے بھی وہ صبر کر سکتے تھے کہ یہ سب آگ میری ہی لگائی ہوئی ہے۔ کوئی باپ اتنے سخت دل کا ہو سکتا ہے؟ ان کا رواں رواں اس وقت ان پر لعنت کر رہا تھا۔ انہوں نے سوچا کہ مجھ میں یہ بدگمانی پیدا ہی کیوں ہوئی؟ میں نے کیوں بلا چشم دید ثبوت کے ایسا فرض کر لیا؟ اچھا مجھے اس حالت میں کیا کرنا چاہیے تھا؟ جو کچھ انہوں نے کیا، اس کے سوا وہ اور کیا کرتے! اسے وہ نہ تجویز کر سکے۔ دراصل شادی کے جھگڑے میں پڑنا ہی اپنے پیروں میں کلہاڑی مارنا تھا۔ ہاں یہی سارے فساد کی بنیاد ہے!

مگر میں نے یہ کوئی انوکھی بات نہیں کی، سبھی عورت مرد شادی کرتے ہیں۔ ان کی زندگی لطف سے بسر ہوتی ہے۔ لطف کی خواہش سے تو ہم شادی کرتے ہیں۔ اسی محلے میں صدہا اشخاص نے دوسرا، تیسرا، چوتھا، یہاں تک کہ ساتواں بیاہ کیا ہے اور مجھ سے بھی کہیں زیادہ عمر میں وہ جب تک جیے، آرام ہی سے جیے، یہ بھی نہیں ہوا کبھی بیوی سے پہلے مر گئے ہوں۔ دو دو تین تین شادیاں کرنے پر بھی کتنے ہی پھر بلا عورت کے ہو گئے۔ اگر میرے جیسی حالت سب کی ہوتی تو بیاہ کا نام ہی کون لیتا؟

میرے والد صاحب ہی نے بچپن سال کی عمر میں بیاہ کیا تھا اور میری پیدائش کے وقت ان کی عمر ساٹھ برس سے کم نہ تھی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ تب اور اب میں کچھ فرق ہو گیا ہے۔ پہلے عورتیں پڑھی لکھی نہ ہوتی تھیں۔ شوہر خواہ کیسا ہی ہو۔ اسے قابل پرستش سمجھتی تھیں۔ بات ہو کہ مرد سب کچھ دیکھ سن کر بھی بے حیائی سے کام لیتا ہو۔ ضرور یہی بات ہے۔ جب جوان مرد بوڑھی عورت کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا تو جوان عورتیں کیوں کسی بڈھے سے خوش رہنے لگیں؟ لیکن میں کچھ ایسا بڈھا نہ تھا۔ مجھے دیکھ کر کوئی چالیس سال سے زیادہ کا نہیں بتلا سکتا کچھ بھی ہو، جوانی ڈھل جانے پر جوان عورت سے کچھ نہ کچھ بے حیائی ضرور کرنی پڑتی ہے۔ اس میں شک نہیں! عورت قدرتاً حیادار ہوتی ہے، فاحشہ عورتوں کی بات تو دوسری ہے۔ مگر عموماً عورت مرد سے کہیں زیادہ پاک باز ہوتی ہے۔ جوڑ کا شوہر پاکر وہ چاہے غیر شخص سے ہنسی مذاق کرے مگر اس کا دل صاف رہتا ہے۔ بے جوڑ بیاہ ہو جانے سے وہ چاہے کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے مگر اس کا دل مغموم رہتا ہے۔ وہ پختہ دیوار ہے، اس میں سیری کا اثر نہیں ہوتا یہ خام دیوار ہے اور اسی وقت تک کھڑی رہتی ہے جب تک اس پر سیری نہ چلائی جاوے۔

اسی طرح سوچتے سوچتے منشی جی کو ایک جھپکی آ گئی۔ دلی خیالات نے فوراً خواب کی صورت اختیار کر لی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ان کی پہلی بیوی منسارام کے سامنے کھڑی کہہ رہی ہے ''سوامی یہ تم نے کیا کیا؟ جس بچے کو میں نے اپنا خون پلا پلا کر پالا اس کو تم نے اتنی بے دردی سے مار ڈالا۔ ایسے اچھے چال چلن والے لڑکے پر تم نے اتنا بڑا کلنک لگا دیا۔ اب بیٹھے کیا بسورتے ہو؟ تم نے اس سے ہاتھ دھو لیا۔ تمہارے ہاتھوں سے چھین کر میں اس کو اپنے ساتھ لیے جاتی ہوں۔ تم تو اتنے شکی، کبھی نہ تھے، کیا بیاہ کرتے ہی شک کو بھی گلے باندھ لائے، اس کے ننھے دل پر اتنی کڑی چوٹ اتنا بڑا کلنک اٹھا کر جینے والے کوئی بے حیائی ہوں گے۔ میرا بیٹا نہیں'' یہ کہتے

ہوئے اس نے لڑکے کو گود میں اٹھالیا اور چلی۔منشی جی نے روتے ہوئے اس کی گودی سے منسارام کو چھین لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ان کی آنکھیں یکدم کھل گئیں اور ڈاکٹر لاہری، ڈاکٹر بھاٹیہ وغیرہ نصف درجن ڈاکٹر صاحبان ان کے سامنے کھڑے ہوئے نظر آئے۔

تین روز گزر گئے اور منشی جی گھر نہ آئے۔رکمنی دونوں وقت شفاخانہ جاتی اور منسارام کو دیکھ آتی تھی۔دونوں لڑکے بھی کبھی جاتے تھے۔مگر نرملا کیسے جاتی؟ اس کے پیروں میں تو بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں! وہ منسارام کی علالت کی کیفیت معلوم کرنے کے لیے بے قرار رہتی۔اگر رکمنی سے کچھ پوچھتی تو طعن و تشنیع میں جواب ملتا تھا، اگر لڑکوں سے کوئی بات دریافت کرتی تو وہ بے سرپیر کی باتیں کرنے لگتے۔ایک مرتبہ خود جا کر دیکھنے کے لیے اس کا دل بے چین ہورہا تھا۔اس کو اندیشہ ہورہا تھا کہ بدگمانی نے کہیں منشی جی کی شفقت پدری کو مفقود نہ کردیا ہو یا مبادا ان کا بخل تو منسارام کے صحت یاب ہونے میں حائل نہیں ہورہا ڈاکٹر لوگ کسی کے عزیز نہیں ہوتے؟ انہیں تو اپنی فیس سے مطلب خواہ مردہ دوزخ میں جاوے یا بہشت میں! اس کے دل میں زبردست خواہش ہوتی تھی کہ وہ خود ہسپتال جا کر اور ڈاکٹر کو ایک ہزار تھیلی دے کر کہے کہ اس کو آپ آرام کردیجیے، یہ تھیلی آپ کی نذر ہے۔مگر اس کے پاس نہ تو اتنے روپے تھے نہ اس کے دل میں اتنی ہمت تھی۔اب بھی اگر وہ وہاں پہنچ سکتی تو منسارام صحت پا جاتا۔اس کی جیسی تیمارداری ہونی چاہیے ویسی نہیں ہورہی ہے۔ ورنہ کیا تیز وز تک بخار ہی نہ اترتا؟ یہ جسمانی بخار نہیں، دلی بخار ہے اور دل کی تسکین ہی سے اس کا زور گھٹ سکتا ہے۔اگر وہ تمام رات بھی وہاں بیٹھی رہ سکتی اور منشی جی کو ذرا بھی بدگمانی نہ ہوتی تو منسارام کو یقین ہو جاتا کہ باپ کا دل میری طرف سے صاف ہے، اور پھر اس کی صحت ہونے میں دیر نہ لگتی، لیکن کیا ایسا ہوگا! منشی جی اس کو وہاں دیکھ کر مطمئن ہوسکیں گے؟ کیا اب بھی ان کے دل میں کدورت ہے۔

یہاں سے جاتے وقت تو ایسا معلوم ہوا تھا کہ وہ اپنے کیے پر پچھتا رہے ہیں۔ ایسا تو نہ ہوگا کہ اس کے وہاں جاتے ہی منشی جی کے دل میں پھر لنک پیدا ہو جائے اور وہ بیٹے کی جان لے کر ہی چھوڑیں۔

اسی شش و پنج کی حالت میں تین روز گزر گئے۔ نہ گھر میں چولہا جلا اور نہ کسی نے کھایا۔ لڑکوں کے لیے بازار سے وپریاں منگوالی جاتی تھیں۔ رکمنی ار نرملا بھوکی ہی سو جاتی تھیں۔ انہیں کھانے کی خواہش نہ ہوتی تھی۔

چوتھے روز جیارام اسکول سے لوٹا تو ہسپتال ہوتا ہوا مکان آیا۔ نرملا نے پوچھا'' کیوں بھیا! ہسپتال بھی گئے تھے؟''

جیارام بولا'' آج تو وہ کچھ بولتے ہی نہ تھے۔ چپ چاپ چارپائی پر پڑے زور زور سے ہاتھ پیر پٹک رہے تھے'' نرملا کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ گھبرا کر'' پوچھا تمہارے بابو جی وہاں نہ تھے؟''

جیارام: '' تھے کیوں نہیں، آج وہ بہت روتے تھے''

نرملا کا دل دھڑکنے لگا پوچھا'' ڈاکٹر وہاں نہ تھے؟''

جیارام: '' ڈاکٹر بھی کھڑے تھے اور آپس میں کچھ صلاح کر رہے تھے۔ سب سے بڑا سول سرجن، انگریزی میں کہہ رہا تھا کرہ مریض کے بدن میں کچھ تازہ خون ڈالنا چاہیے۔''

اس پر بابو جی نے کہا کہ میرے جسم سے جتنا خون چاہے، لے لیجیے سول سرجن نے ہنس کر کہا کہ آپ کے خون سے کام نہیں چلے گا۔ کسی جوان آدمی کا خون چاہیے۔ آخر اس نے پچکاری سے دوا بھیا کے خون میں ڈال دی۔ چار انگل سے کم کی سوئی نہ رہی ہوگی۔ بھیا نے ہے تک نہیں کی، پر میں نے تو مارے ڈر کے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

بڑے بڑے زبردست منصوبے جوش کی حالت ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ کہاں

نرملا ڈر سے سوکھی جاتی تھی کہاں اس کے چہرے پر مصمم ارادہ کی جھلک آ گئی۔ اس نے اپنے جسم کا تازہ خون دینے کا تہیہ کر لیا۔ اگر اس کے خون سے منسارام کی جان بچ جاوے تو وہ اپنے خون کا آخری قطرہ تک دینے کے لیے بخوشی تیار تھی۔ اب جس کا جو جی چاہے سمجھے۔ وہ کسی کی پرواہ نہ کرے گی۔ اس نے جیارام سے کہا تم لپک کے ایک تانگہ بلا لو میں ہسپتال جاؤں گی۔

جیارام: وہاں تو اس وقت بہت سے آدمی ہوں گے، ذرا رات ہو جانے دیجیے

نرملا: ''نہیں تم، ابھی یکہ بلا لو''

جیارام: ''کہیں بابو جی خفا نہ ہوں''

نرملا: ''خفا ہونے دو، تم ابھی جا کر سواری لاؤ''

جیارام: ''میں کہہ دوں گا کہ اماں نے خود ہی مجھ سے سواری منگائی تھی''

نرملا: ''ہاں کہہ دینا''

جیارام تو ادھر تانگہ لانے گیا۔ اس طرف اتنے عرصے میں نرملا نے سر میں کنگھی کی، بال باندھے، کپڑے بدلے، گہنے پہنے، پان کھایا اور دروازے پر آ کر تانگہ کا انتظار کرنے لگی۔

رکمنی اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے اس طرح تیار ہو کر آتے دیکھ کر بولی'' کہاں جاتی ہو؟''

نرملا: ''ذرا ہسپتال تک جاتی ہوں''

رکمنی: ''وہاں جا کر کیا کرو گی؟''

نرملا: ''کچھ نہیں کروں گی کیا؟ کرنے والے تو بھگوان ہیں، دیکھنے کو جی چاہتا ہے''

رکمنی: ''میں کہتی ہوں تم نہ جاؤ''

نرملا نے عاجزی سے کہا'' ابھی چلی آؤں گی، دیدی جی! جیارام کہہ رہا ہے کہ اس

وقت ان کی حالت اچھی نہیں ہے۔ دل نہیں مانتا، آپ بھی چلیے نا؟''

رکمنی: ''میں دیکھ آئی ہوں۔ اتنا ہی سمجھ لو کہ اب باہری خون پہنچنے ہی پر جینے کی امید ہے۔ کون اپنا تازہ خون دے گا اور کیوں دے گا؟ اس میں بھی تو جان جوکھم کا ڈر ہے''

نرملا: ''اسی لیے تو میں جاتی ہوں میرے خون سے کیا کام نہ چلے گا؟''

رکمنی: ''چلے گا کیوں نہیں، جوان ہی کا خون چاہیے۔ مگر تمہارے خون سے منسا کی جان بچے، اس سے یہ کہیں اچھا ہے کہ اسے پانی میں بہا دیا جاوے''

تانگہ آ گیا نرملا اور جیارام دونوں جا بیٹھے۔ تانگہ روانہ ہو گیا، رکمنی دروازے پر کھڑی دیر تک روتی رہی۔ آج پہلی بار اس کو نرملا پر رحم آیا۔ اس کا بس چلتا تو وہ نرملا کو باندھ رکھتی۔ رحم اور ہمدردی کا جوش اسے کہاں لیے جاتا ہے۔ اسے وہ مخفی طریقے پر دیکھ رہی تھی۔ آہ اس میں بدنصیبی کا ہاتھ ہے۔ یہ تباہی کا راز ہے؟

نرملا ہسپتال پہنچی تو چراغ جل چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحبان اپنی اپنی رائے دے کر رخصت ہو گئے تھے۔ منسارام کا بخار کچھ کم ہو گیا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے دروازے پر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ آسمان کی کھلی فضا کی طرف لگی ہوئی تھی گویا کسی دیوتا کا انتظار کر رہا ہو۔ وہ کہاں ہے اور کس حالت میں ہے، اس کا اسے علم نہ تھا۔

دفعتاً نرملا کو دیکھتے ہی وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ اس کی محویت ڈوب گئی۔ اس کا مٹا ہوا حس عود کر آیا۔ اسے اپنی حالت کا علم ہو گیا۔ گویا کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔ اس نے آنکھیں پھاڑ کر نرملا کو دیکھا اور منہ پھیر لیا۔

یکا یک منشی جی تیز لہجے میں بولے ''تم یہاں کیا کرنے آئیں؟'' نرملا ساکت رہ گئی۔ کیا بتلائے کہ وہ کیا کرنے آئی ہے۔ اتنے سادہ سوال کا بھی وہ کیا جواب نہ دے سکے گی؟ وہ کیا کرنے آئی؟ اتنا مشکل سوال کس کے سامنے آیا ہو گا؟ گھر کا لڑکا بیمار ہے، اسے دیکھنے آئی۔ یہ کیا بلا دریافت کے معلوم نہ ہو سکتی تھی؟ پھر یہ سوال

کیوں؟

وہ مبہوت سی کھڑی رہی گویا بالکل بدحواس ہوگئی ہو۔ اس نے دونوں لڑکوں سے منشی جی کے دکھ درد کے باتیں سن کر یہ قیاس کیا تھا کہ اب ان کا دل صاف ہو گیا ہے۔ اب اسے معلوم ہوا کہ وہ محض خیال تھا! اگر وہ جانتی کہ آنسوؤں کی بارش نے بھی شک کی آگ نہیں بجھائی تو وہاں کبھی نہ جاتی وہ کڑھ کڑھ کر مر جاتی، مگر گھر سے باہر قدم نہ رکھتی۔

منشی جی نے پھر وہی سوال کیا ''تم یہاں کیوں آئیں؟''

نرملا نے بے خوفی سے جواب دیا ''آپ کیا کرنے آئے ہیں؟''

منشی جی نے نتھنے پھڑکنے لگے۔ وہ طیش میں آکر پلنگ سے اٹھے اور نرملا کا ہاتھ پکڑ کر بولے ''تمہارے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جب میں بلاؤں تب آنا، سمجھ گئیں؟''

ارے، یہ کیا؟ منسارام جو پلنگ سے ہل بھی نہ سکتا تھا، اٹھ کر کھڑا ہو گے اور نرملا کے پیروں پر گر کر روتے ہوئے بولا ''ماں جی، اس ابھاگے کے لیے آپ کو ناحق اتنی تکلیف ہوئی۔ میں آپ کی محبت کبھی نہ بھولوں گا۔ ایشور سے میری یہی بنتی ہے کہ میرا دوسرا جنم آپ ہی کے بطن سے ہو کہ میں آپ کے احسانات کا بدلہ دے سکوں۔ ایشور جانتا ہے کہ میں نے آپ کو سوتیلی ماں نہیں سمجھا۔ میں آپ کو اپنی ماں سمجھتا رہا۔ آپ کی عمر مجھ سے بہت زیادہ نہ ہو، مگر آپ میری ماں کی جگہ پر تھیں اور میں نے آپ کو ہمیشہ اسی نظر سے دیکھا اب نہیں بولا جاتا۔ اماں جی معاف کیجیے، یہ آخری ملاقات ہے!''

نرملا نے آنسوؤں کو روکتے ہوئے کہا ''تم ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟ دو چار دن میں اچھے ہو جاؤ گے''

منسارام نے کمزور آواز میں کہا ''اب جینے کی خواہش نہیں اور نہ بولنے کی طاقت

ہی ہے'' یہ کہتے منسارام کمزوری کے سبب وہیں زمین پر لیٹ گیا۔ نرملا نے بے خوفی سے دیکھتے ہوئے کہا ''ڈاکٹروں نے کیا صلاح دی؟''

منشی جی: ''سب کے سب بھنگ کھا گئے ہیں، کہتے ہیں کہ تازہ خون چاہیے''

نرملا: ''تازہ خون مل جاوے تو جان بچ سکتی ہے؟''

منشی جی نے نرملا کی طرف تیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا ''میں ایشور نہیں ہوں اور نہ ڈاکٹروں کو ایشور سمجھتا ہوں''

نرملا: ''تازہ خون تو ایسی نایاب چیز نہیں''

منشی جی: '' آسمان کے تارے بھی تو نایاب ہیں۔ منہ کے سامنے خندق کیا چیز ہے۔''

نرملا: ''میں اپنا خون دینے کو تیار ہوں، ڈاکٹر کو بلائیے''

منشی جینے حیرت سے کہا ''تم!''

نرملا: ''ہاں کیا میرے خون سے کام نہ چلے گا؟''

منشی جی: ''تم اپنا خون دو گی؟ نہیں، تمہارے خون کی ضرورت نہیں، اس میں جان کا خطرہ ہے''

نرملا: ''میری جان اور کس دن کام آوے گی؟''

منشی جی نے آبدیدہ ہو کر کہا نہیں نرملا اس کی قیمت اب میری نگاہوں میں بہت بڑھ گئی ہے۔ آج تک وہ میری نفس پرستی کی چیز تھی۔ آج سے وہ میری عقیدت کی چیز ہے! میں نے تمہارے ساتھ سخت ناانصافی کی ہے، مجھے معاف کرو

13

جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ کسی کی کچھ نہ چلی، ڈاکٹر صاحب نرملا کے جسم سے خون نکالنے کی کوشش کر رہے تھے کہ منسارام اپنی پاکیزگی کی آخری جھلک دکھلا کر اس عالم وہم وخیال سے رخصت ہو گیا۔ شاید اتنی دیر تک اس کی جان نرملا ہی کے انتظار میں

اٹک رہی تھی۔ اسے بے گناہ ثابت کیے بغیر وہ جسم کو کیسے چھوڑ دیتی؟ اب اس کا مقصد پورا ہو گیا۔ منشی جی کو نرملا کے بے گناہ ہونے کا یقین ہو گیا۔ مگر کب؟ جب کمان سے تیر نکل چکا تھا، جب مسافر پا بہ رکاب ہو چکا تھا!

اس صدمے سے منشی جی کو جینا دوبھر ہو گیا۔ اس روز سے پھر ان کے ہونٹوں پر ہنسی نہ آئی۔ زندگی بے کار معلوم ہونے لگی۔ وہ کچہری جاتے مگر مقدمات کی پیروی کے لیے نہیں بلکہ محض دل بہلانے کے لیے۔ گھنٹہ دو گھنٹے میں وہاں سے اکتا کر چلے آتے۔ کھانے بیٹھتے تو لقمہ منہ میں نہ جاتا۔ نرملا اچھے سے اچھے کھانے پکاتی مگر منشی جی دو چار نوالوں سے زیادہ نہ کھا سکتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کھانا منہ سے نکلا پڑتا ہے۔ منسارام کے کمرے کی طرف جاتے ہی ان کا دل پاش پاش ہو جاتا تھا۔ جہاں ان کی امیدوں کا چراغ جلتا رہتا تھا، وہاں اب تاریکی تھی! ان کے دو بیٹے اب بھی تھے۔ مگر پھولنے پھلنے والا درخت گر پڑا تو ننھے پودوں کا کیا اعتبار؟ یوں تو جوان، بڈھے سبھی مرتے ہیں مگر رنج اس بات کا تھا کہ انھوں نے خود لڑکے کی جان لی۔ جس وقت یہ بات یاد آ جاتی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کا سینہ شق ہو جائے گا۔

نرملا کو شوہر سے سچی ہمدردی تھی حتیٰ الامکان وہ انہیں خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی اور گئی گزری باتوں کا بھول کر بھی ذکر نہ کرتی تھی۔ منشی جی اس سے منسارام کے متعلق کچھ کہتے ہوئے شرماتے تھے۔ ان کی کبھی کبھی ایسی خواہش تھی کہ ایک بار نرملا سے اپنے دل کی ساری باتیں کھول کر کہہ دوں، مگر ندامت سے زبان بند ہو جاتی تھی۔ اس طرح ان کو وہ تسکین بھی نہ ملتی تھی جو اپنا دکھ کہہ ڈالنے سے دوسروں کو اپنے دکھ میں شریک کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ فاسد مواد باہر نہ نکل کر اندر ہی اندر زہر پھیلاتا جاتا تھا، روز بروز بدن گھلتا جا رہا تھا۔

ادھر کچھ دنوں سے منشی جی اور ان ڈاکٹر صاحب میں جنہوں نے منسارام کا علاج کیا دوستانہ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ بے چارے کبھی کبھی آ کر منشی جی کو تشفی کیا کرتے۔ کبھی

کبھی اپنے ساتھ ہوا کھلانے کے لیے کھینچ لے جاتے۔ ان کی بیوی بھی دو چار مرتبہ نرملا سے ملنے آئی تھی۔ نرملا بھی کئی بار ان کے گھر جا چکی تھی۔ مگر جب وہ وہاں سے واپس آتی تو کئی دن تک اداس رہتی۔ ان دونوں کی خوش گزاران زندگی دیکھ کر اسے اپنی حالت پر رنج ہوئے بغیر نہ رہتا۔ ڈاکٹر صاحب کو کل سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ مگر اسی میں دونوں کی با آرام بسر ہوتی تھی۔ گھر میں صرف ایک مہری تھی۔ خانہ داری کا بہت سا کام ڈاکٹر صاحب کی بیوی کو اپنے ہی ہاتھوں کرنا پڑتا تھا۔ اس کے بدن پر گہنے بھی بہت کم تھے مگر ان دونوں میں وہ محبت تھی جیسے دولت کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہوتی۔ شوہر کو دیکھ کر بیوی بشاش ہو جاتی تھی۔ اور بیوی کو دیکھ کر شوہر کا بھی شوہر کا بھی چہرہ شگفتہ ہو جاتا تھا۔ نرملا کے مکان میں دولت اس سے کہیں زیادہ تھی۔ گہنوں کے بوجھ سے اس کا جسم دبا جاتا تھا۔ اس کو گھر کا کوئی کام اپنے ہاتھ سے نہ کرنا پڑتا تھا۔ مگر نرملا امیر ہونے پر بھی بہت مغموم تھی اور سدھا غریب ہونے پر بھی خوش و خرم، سدھا کے پاس ایسی کوئی چیز نہ تھی جو نرملا کے پاس نہ ہو، جس کے سامنے اسے اپنی امارت ہیچ معلوم ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ سدھا کے گھر گہنے پہن کر جا کر شرماتی تھی۔

ایک روز نرملا ڈاکٹر صاحب کے گھر گئی تو اسے بہت اداس دیکھ کر سدھا نے پوچھا ''بہن، آج بہت اداس ہو، وکیل صاحب کی طبیعت تو اچھی ہے نہ؟''

نرملا: ''کیا کہوں سدھا، ان کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ کچھ کہتے نہیں بن پڑتا۔ نہ جانے ایشور کو کیا منظور ہے''

سدھا: ''ہمارے بابو جی تو کہتے ہیں کہ انہیں کہیں تبدیلی آب و ہوا کے لیے ہونا ضروری ہے، ورنہ کوئی عارضہ لاحق ہو جاوے گا۔ وہ کئی بار وکیل صاحب سے کہہ بھی چکے ہیں، مگر وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ میں تو بہت اچھا ہوں، مجھے کوئی شکایت نہیں، آج تم بھی کہنا''

نرملا: ''جب ڈاکٹر صاحب کی نہیں سنتے، تو میری کیا سنیں گے''

یہ کہتے کہتے نرملا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور وہ بات جو ادھر مہینوں سے اسے پریشان کر رہی تھی، اس کے منہ سے نکل پڑی۔ اب تک اس نے چھپا رکھا تھا، مگر اب نہ چھپا سکی۔ بولی ''بہن مجھے تو کچھ اچھے آثار نظر نہیں آتے۔ دیکھیں بھگوان کیا کرتے ہیں''

سدھا: ''تم آج ان سے کافی زور دے کر کہنا کہ کہیں تبدیلی آب و ہوا کے لیے چلیے۔ دو چار مہینے باہر رہنے سے بہت سی باتیں بھول جاویں گے۔ میں تو سمجھتی ہوں کہ شاید مکان تبدیل کر دینے سے بھی ان کا رنج کچھ گھٹ جائے گا۔ تم کہیں باہر جا بھی تو نہ سکو گی، پر کون سا مہینہ جا رہا ہے''

نرملا: ''آٹھواں مہینہ جا رہا ہے، یہ اندیشہ تو مجھے اور بھی ہلاک کیے ڈالتا ہے۔ میں نے تو اس کے لیے ایشور سے کبھی بنتی بھی نہیں کی تھی۔ یہ بلا میرے سر نہ جانے کیوں ڈال دی۔ میں بڑی بدنصیب ہوں بہن، بیاہ کے ایک ماہ قبل باپ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے مرتے ہی میرے سر پر سنیچر سوار ہوا۔ جہاں پہلے بیاہ کی گفتگو پختہ ہو چکی تھی، وہاں کے لوگوں نے بے رخی کا برتاؤ کیا۔ بے چاری اماں جی کو ہار مان کر میرا بیاہ یہاں کرنا پڑا۔ اب چھوٹی بہن کا بیاہ ہونے والا ہے، دیکھیں اس کی ناؤ کس گھاٹ جاتی ہے۔''

سدھا: ''جہاں پہلے بیاہ کی گفتگو ہوئی تھی، ان لوگوں نے انکار کیوں کر دیا تھا؟''

نرملا: ''یہ تو وہی جانیں، باپ ہی نہ رہا تو سونے کی گٹھری کون دیتا؟''

سدھا: ''کمینہ پن ہے! کہاں کے رہنے والے تھے؟''

نرملا: ''لکھنو کے، نام تو یاد نہیں مگر آبکاری کے کوئی بڑے افسر تھے''

سدھا نے متانت سے پوچھا ''ان کا لڑکا کیا کرتا تھا؟''

نرملا: ''کچھ نہیں کہیں پڑھتا تھا مگر بڑا ہونہار تھا''

سدھا نے سر نیچا کر کے کہا ''اس نے اپنے باپ سے کچھ نہ کہا؟ وہ نوجوان تھا، کیا اپنے باپ کو مجبور نہ کر سکتا تھا!''

نرملا: ''اب کیا جانوں بہن، سونے کی گٹھری کسے اچھی نہیں لگتی؟ جو پنڈت میرے یہاں سے سندیسہ لے کر گیا تھا اس نے تو کہا تھا کہ لڑکا ہی انکار کر رہا ہے۔ لڑکے کی ماں البتہ دیوی تھی۔ اس نے دنوں باپ بیٹے کو سمجھایا مگر اس کی ایک نہ چلی؟''

سدھا: ''میں تو اس لڑکے کو پاتی تو خوب آڑے ہاتھوں لیتی''

نرملا: ''میرے نصیب میں تو جو لکھا تھا وہ ہو چکا، بے چاری کرشنا پر نہ جانے کیا بیتے گی؟''

شام کے وقت نرملا کے جانے پر، جب ڈاکٹر صاحب باہر سے آئے تو سدھا نے کہا۔ کیوں جی! تم اس آدمی کو کیا کہو گے جو ایک جگہ بیاہ طے کر لینے کے بعد لالچ سے کسی دوسری جگہ بیاہ کرے؟

ڈاکٹر سنہا نے بیوی کی طرف حیرت سے دیکھ کر کہا ''ایسا نہیں کرنا چاہیے اور کیا؟''

سدھا: ''یہ کیوں نہیں کہتے کہ بھاری کمینہ پن ہے؟''

سنہا: ''ہاں یہ کہنے سے مجھے انکار نہیں''

سدھا: ''کس کا قصور زیادہ ہے لڑکے کا یا لڑکے کے باپ کا؟''

سنہا کی سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا تھا کہ سدھا کے ان سوالوں کا مطلب کیا ہے۔ تعجب سے بولے ''جیسی حالت ہو، اگر وہ باپ کے تابع ہو تو باپ ہی کا قصور سمجھو''

سدھا: ''تابع ہونے پر بھی کیا جوان آدمی کا کوئی قصور نہیں؟ اگر اس کو اپنے لیے نئے کوٹ کی ضرورت ہو تو وہ باپ کی مخالفت پر بھی اسے رو دھو کر بنوا ہی لیتا ہے۔ کیا ایسی اہم بات کے متعلق وہ اپنی آواز کو باپ کے کانوں تک نہیں پہنچا سکتا؟ یہ کہو لڑکا اور لڑکے کا باپ دونوں ہی قصوروار ہیں، مگر زیادہ لڑکا۔ بڈھا آدمی سوچتا ہے کہ مجھے تو سارا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔ پس لڑکی والوں سے جتنا اینٹھ سکوں اتنا ہی اچھا

مگر لڑکے کا فرض ہے کہ اگر وہ خود غرضی کے ہاتھوں بالکل بک نہیں گیا ہے تو اپنی اخلاقی قوت سے کام لے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو میں کہوں گی کہ وہ حریص بھی ہے اور بزدل بھی۔ بدقسمتی سے ایسا ہی ایک شخص میرا شوہر ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کن الفاظ میں اسے ملامت کروں''

سنہا نے ہچکچاتے ہوئے کہا ''وہ وہ وہ دوسری بات تھی۔ لیکن دین کا سبب نہیں تھا۔ ایسی حالت میں ہم لوگ کیا کرتے؟ یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ لڑکی میں کوئی نقص ہے۔ وہ بالکل دوسری بات تھی۔ مگر تم سے یہ داستان کس نے کہی؟''

سدھا: ''کہہ دو کہ وہ لڑکی کافی تھی، کبڑی تھی آوارہ تھی یا نائن کے پیٹ کی تھی! اتنی کسر کیوں چھوڑ رکھی۔ بھلا سنوں تو کہ اس لڑکی میں کیا نقص تھا؟''

سنہا: ''میں نے دیکھا تو تھا نہیں، سننے میں آیا تھا کہ اس میں کوئی نقص ہے''

سدھا: ''سب سے بڑا نقص یہی تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہو گیا اور وہ کوئی بھاری رقم نہ دے سکتی تھی۔ اتنا قبول کرتے ہوئے کیوں جھجکتے ہو، میں تمہارے کان تو نہ کاٹ لوں گی! اگر دو چار فقرے کہوں تو اس کان سے سن کر اس کان سے اڑا دینا۔ زیادہ بکواس کروں تو چھڑی سے کام لے سکتے ہو۔ عورت ذات ڈنڈے سے ہی ٹھیک رہتی ہے۔ اگر اس لڑکی میں کوئی عیب تھا تو میں کہوں گی کہ لکشمی بھی بے عیب نہیں، تمہاری قسمت کھوٹی تھی؟ تمہیں تو میرے پلے پڑنا تھا''

سنہا: ''تم سے کس نے کہا کہ وہ ایسی تھی؟ جیسے تم نے کسی سے سن کر مان لیا، ویسے ہی ہم لوگوں نے سن کر مان لیا''

سدھا: ''میں نے سن کر نہیں مان لیا، اپنی آنکھوں سے دیکھا! زیادہ کیا تعریف کروں، میں نے ایسی خوب صورت عورت کبھی نہیں دیکھی تھی۔''

سنہا نے بے قرار ہو کر پوچھا ''کیا وہ یہیں ہے؟ سچ بتاؤ اس کو کہاں دیکھا؟ کیا تمہارے گھر آئی تھی؟''

سدھا: ''ہاں میرے گھر آئی تھی، اور ایک نہیں بلکہ کئی بار آچکی ہے۔ میں بھی اس کے یہاں کئی بار جا چکی ہوں۔ وکیل صاحب کی بیوی وہی لڑکی ہے، جس کو آپ نے نقص کے سبب چھوڑ دیا تھا۔''

سنہا: ''سچ''

سدھا: ''بالکل سچ! آج اگر اسے معلوم ہو جاوے کہ آپ وہی حضرت ہیں تو شاید پھر اس مکان میں قدم نہ رکھے۔ ایسی نیک مزاج، گھر کے کاموں میں ایسی ہوشیار اور ایسی شکل وصورت والی عورتیں اس شہر میں دو ہی چار ہوں گی۔ تم میری تعریف کرتے ہو، میں تو اس کی لونڈی ہونے کے قابل بھی نہیں ہوں! گھر میں ایشور کا دیا سب کچھ ہے مگر جب جوڑ اٹھیک نہیں تو اور سب چیزوں کا ہونا کس کام کا؟ آفرین ہے اس کے ضبط وتحمل کو اس بوڑھے کھوسٹ وکیل کے ساتھ اپنے دن کاٹ رہی ہے۔ اس نے تو کب کا زہر کھالیا ہوتا۔ مگر دل کی بات کہنے ہی پر تھوڑا ظاہر ہوتی ہے، بلکہ خود ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ ہنستی ہے، بولتی ہے، گہنے کپڑے پہنتی ہے، مگر اس کا ایک ایک رونگٹا رویا کرتا ہے''

سنہا: ''وکیل صاحب کی خوب شکایت کرتی وہ گی؟''

سدھا: ''شکایت کیوں کرے گی؟ کیا وہ اس کے شوہر نہیں ہیں؟ اب تو دنیا میں اس کے لیے جو کچھ ہے وہ وکیل صاحب ہی ہیں۔ وہ بڈھے ہوں یا مریض مگر ہیں تو اس کے شوہر! شریف عورتیں شوہر کی ہجو نہیں کرتیں، یہ بد ذاتوں کا کام ہے۔ وہ ان کی حالت دیکھ کر کڑھتی ہے، مگر زبان سے کچھ نہیں کہتی''

سنہا: ''ان وکیل صاحب کو کیا سوجھی تھی جو اس عمر میں بیاہ کرنے چلے؟''

سدھا: ''ایسے آدمی نہ ہوں تو غریب کنواریوں کی ناؤ کون پار لگائے؟ تم اور تمہارے جیسں لوگ بنا بھاری گھڑی لیے بات نہیں کرتے تو پھر یہ بے چاری کس کے گھر جاویں؟ تم نے یہ بڑا بھاری انیائے کیا ہے اور تمہیں اس کا پراشچت (کفارہ)

کرنا پڑے گا۔ ایشور اس کا سہاگ امر کرے، مگر وکیل صاحب کو کہیں کچھ ہو گیا تو بے چاری کی زندگی غارت ہو جاوے گی۔ آج وہ بہت روتی تھی۔ تم لوگ واقعی بڑے بے رحم ہو! میں تو اپنے سوہن کا بیاہ کسی غریب لڑکی سے کروں گی''

ڈاکٹر صاحب نے آخری جملہ نہیں سنا۔ وہ گہری فکر میں ڈوب گئے۔ ان کے دل میں یہ سوال بار بار پیدا ہو کر انہیں پریشان کرنے لگا کہ کہیں وکیل صاحب کو کچھ ہو گیا تو؟ آج انہیں اپنی خود غرضی کی خوفناک صورت نظر آئی۔ واقعی یہ انہیں کا قصور تھا۔ اگر انہوں نے باپ سے باصرار کہا ہوتا کہ میں اور کہیں بیاہ نہ کروں گا تو وہ کیا ان کی مرضی کے خلاف ان کا بیاہ کر دیتے؟

دفعتاً سدھا نے کہا ''اگر کہو تو کل نرملا سے تمہاری ملاقات کرا دوں۔ وہ بھی ذرا تمہاری صورت دیکھ لے۔ وہ کچھ بولے گی تو نہ مگر شاید وہ ایک ہی نظر سے تمہاری اتنی ملامت کر دے گی کہ تم تمام عمر نہ بھولو گے۔ بولو کل بلا دوں تمہارا مختصر حال بھی بتلا دوں گی''

سنہا نے کہا ''نہیں سدھا، تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ کہیں ایسا غضب نہ کرنا۔ ورنہ سچ کہتا ہوں کہ گھر چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا''

سدھا: ''جو کانٹا بویا ہے اس کا پھل کھاتے کیوں اتنا ڈرتے ہو؟ جس کی گردن پر کٹار چلائی ہے اسے ذرا تڑپتا ہوا تو دیکھو۔ میرے دادا جی پانچ ہزار دیئے نہ؟ ابھی ابھی چھوٹے بھائی کے بیاہ میں پانچ چھ ہزار اور مل جاویں گے، پھر تو تمہارے برابر دولت مند دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہوگا! گیارہ ہزار بہت ہوتے ہیں۔ باپ رے باپ! گیارہ ہزار! اٹھا اٹھا کر رکھنے لگیں تو مہینوں لگ جائیں! اگر لڑکے اڑانے بھی لگیں تو تین پشتوں کو کافی ہو! کہیں سے گفتگو درپیش ہے یا نہیں؟''

اس طعن آمیز کلام سے ڈاکٹر صاحب اس قدر نادم ہوئے کہ سر تک نہ اٹھا سکے۔ ان کی ساری گویائی سلب ہو گئی۔ ذرا سا منہ نکل آیا۔ گویا طمانچے پڑ گئے ہوں۔ اسی

وقت کسی نے ڈاکٹر صاحب کو پکارا۔ بے چارے جان لے کر بھاگے۔عورت طعنہ زنی میں کتنی ہوشیار ہوتی ہے،اس کا آج پتہ چل گیا۔

رات کو ڈاکٹر صاحب لیتے ہوئے سدھا سے بولے''نرملا کی تو کوئی بہن اور ہے نہ؟''

سدھا:''ہاں آج اس کا تو ذکر کرتی تھی۔اس کی فکر ابھی سے دامن گیر ہے۔نرملا پر تو جو کچھ بیتی تھی بیت چکی،بہن کی فکر میں پڑی ہوئی ہے۔ماں کے پاس تو اب اور بھی کچھ نہیں رہا۔مجبوراً کسی ایسے بابا کے گلے وہ بھی منڈھ دی جاوے گی''

سنہا:''نرملا تو اب اپنی ماں کی مدد کر سکتی ہے؟''

سدھا نے تیز لہجے میں کہا''تم بھی کبھی کبھی بالکل بے سر پیر کی باتیں کرنے لگتے ہو،نرملا بہت کرے گی تو دو چار سو روپے دے دے گی،اور کیا کر سکتی ہے؟ وکیل صاحب کا یہ حال ہو رہا ہے،اسے بھی پہاڑ سی عمر کاٹنی ہے!پھر کون جانے اس کے گھر کا کیا حال ہے؟ ادھر چھ مہینے سے بے چارے گھر بیٹھے ہیں۔روپے آسمان سے تھوڑا ہی برستے ہیں۔دس بیس ہزار ہوں گے بھی تو بینک میں ہوں گے،کچھ نرملا کے پاس تو رکھے نہ ہوں گے۔ہمارا دو سو ماہوار کا خرچ ہے تو کیا ان کا چار سو ماہوار کا بھی نہ ہو گا؟''

سدھا تو سو گئی مگر ڈاکٹر صاحب بہت دیر تک کروٹیں بدلتے رہے۔پھر کچھ سوچ کر اٹھے۔اور میز پر جا کر ایک خط لکھنے لگے۔

14

تینوں باتیں ایک ساتھ ہی ہوئیں۔نرملا کے لڑکی پیدا ہوئی،کرشنا کا بیاہ طے ہوا اور منشی طوطا رام کا مکان نیلام ہو گیا۔لڑکی کا پیدا ہونا تو معمولی بات تھی،اگرچہ نرملا کی نگاہوں میں یہ اس کی زندگی کا اہم ترین واقعہ تھا۔بقیہ دونوں واقعے غیر معمولی تھے۔کرشنا کا بیاہ ایسے باثروت خاندان میں کیونکر طے ہوا؟ اس کی ماں کے پاس

جہیز کے نام پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی۔ اور ادھر بوڑھے سنہا صاحب جواب پنشن لے کر مکان آ گئے تھے، اپنی برادری میں بڑے ہی لالچی مشہور تھے۔ وہ اپنے لڑکے کا بیاہ ایسے مفلس گھرانے میں طے کرنے پر کیسے رضامند ہوئے، کسی کو یکایک اس کا یقین نہ آتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر منشی جی کے مکان کا نیلام ہو جانا تھا۔ لوگ منشی جی کو اگر لکھ پتی نہیں تو کم از کم بڑا آدمی ضرور خیال کرتے تھے۔ ان کا مکان کیسے نیلام ہوا؟ بات یہ تھی کہ منشی جی نے ایک مہاجن سے کچھ روپے قرض لے کر ایک گاؤں رہن رکھا تھا۔ انہیں امید تھی کہ سال چھ مہینے میں یہ روپے ادا کر دیں گے۔ کیونکہ زمیندار اصل اور سود کے سب روپے ادا نہ کر سکے گا۔ اسی امید پر منشی جی نے یہ معاملہ کیا تھا۔ گاؤں بہت بڑا تھا، چار پانچ سو روپیہ سالانہ کا منافع تھا۔ مگر دل کی بات دل ہی میں رہ گئی۔ منشی جی اپنے کو بہت کچھ سمجھانے پر بھی کچہری کا کام نہ کر سکے۔ لڑکے کے سوگ نے ان میں کوئی کام کرنے کی طاقت ہی باقی نہ رکھی تھی۔ کون ایسا بے درد باپ ہے جو لڑکے کے حلق پر تلوار پھیر کر بھی اپنے دل کو مطمئن کر سکے؟

مہاجن کے پاس جب سال بھر کا سود نہ پہنچا اور نہ اس کے بار بار بلانے پر منشی جی اس کے پاس ہی گئے، یہاں تک کہ آخری مرتبہ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں، ساہو جی چاہے جو کریں، تو ساہو جی کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے نالش کر دی۔ منشی جی جواب دہی کرنے پر بھی نہ گئے۔ یک طرفہ ڈگری ہو گئی۔ یہاں مکان میں روپے کہاں رکھے تھے؟ اتنے ہی دنوں میں منشی جی کی ساکھ بھی زائل ہو گئی تھی۔ وہ روپے کا بندوبست نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ کہ مکان نیلام پر چڑھ گیا۔ نرملا زچہ خانے میں تھی۔ خبر سنی تو کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ زندگی میں اور کوئی سکھ نہ ہونے پر بھی روپے پیسے کی فکر سے آزاد تھی۔ دولت اگر انسانی زندگی کے لیے بہترین شے نہیں تو قریب قریب بہتر ضرور ہے۔ اب دیگر ضروریات کے ساتھ اس کی فکر اس کے سر پر سوار ہوئی۔ اس نے دایہ سے کہلا بھیجا کہ میرے سب گہنے

فروخت کر کے مکان کو بچا لیجیے مگر منشی جی نے یہ بات کسی طرح منظور نہ کی۔

اس روز سے منشی جی اور بھی متفکر رہنے لگے۔ جس امارت کا لطف اٹھانے کے لیے انہوں نے بیاہ کیا تھا، وہ اب ماضی کی محض یادگار تھی۔ وہ اب پشیمانی سے نرملا کو اپنا منہ نہ دکھلا سکتے تھے۔ انہیں اب اپنی اس بے انصافی کا اندازہ ہو رہا تھا جو انہوں نے نرملا کے ساتھ کی تھی۔ اور لڑکی کی ولالت نے تو بقیہ کسر پوری کر دی، سب خواب ہی ہو گیا!

بارہویں روز زچہ خانے سے نکل کر نرملا نوزائدہ بچے کو گود میں لیے شوہر کے پاس گئی۔ وہ اس نادمہ کی حالت میں بھی اتنی خوش تھی گویا اسے کوئی فکر نہیں ہے۔ ننھی بچی کو سینے سے لگا کر وہ اپنے سارے تفکرات بھول گئی۔ لڑکی کی کشادہ اور پر مسرت آنکھوں کو دیکھ کر اس کا دل شگفتہ ہو رہا تھا۔ ماتا کے ظہور میں اس کے سارے دکھ درد دور ہو گئے تھے۔ وہ لڑکی کو شوہر کی گود میں دے کر خوش ہو جانا چاہتی تھی مگر منشی لڑکی کو دیکھ کر سہم گئے۔ انہیں اس کو گود میں لینے کا حوصلہ نہ ہوا مگر انہوں نے ایک بار اسے دکھ بھری نگاہوں سے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ لڑکی کی صورت منسارام کے بالکل مشابہ تھی!

نرملا نے ان کے دلی خیالات کی کچھ اور ہی تعبیر کی۔ اس نے سو گنے پیار کے ساتھ لڑکی کو سینے سے لگا لیا، گویا ان سے کہہ رہی تھی اگر تم اس کے بوجھ سے دبے جاتے ہو تو آج سے میں اس پر تمہارا سایہ نہ پڑنے دوں گی جس در بے بہا کو میں نے اتنی ریاضت کے بعد پایا ہے اس کی تحقیر کرتے ہوئے تمہارا دل نہیں پھٹ جاتا؟ وہ اسی وقت لڑکی کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور دیر تک روتی رہی۔ اس نے شوہر کی اس بے دلی کو سمجھنے کی ذرا بھی کوشش نہ کی۔ ورنہ وہ شاید ان کو بے درد خیال نہ کرتی۔ اس کے سر پر اتنی ذمہ داری کا اتنا زبردست بار کہاں تھا جو اس کے شوہر پر آ پڑا تھا؟ کیا وہ سمجھنے کی کوشش کرتی تو اتنا بھی اس کی سمجھ

میں نہ آتا؟

منشی جی کو ایک ہی لمحے میں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ ماں کا دل محبت میں اتنا محو رہتا ہے کہ مستقبل کی فکر و پریشانی سے اس کو ذرا بھی ہراس نہیں ہوتا۔ اسے اپنے دل میں ایسی طاقت کا احساس ہوتا ہے جو تمام تکالیف کو دور کر دینے کی کفیل ہوتی ہے۔ منشی جی فوراً دوڑے ہوئے مکان میں گئے اور بچے کو گود میں لے کر بولے ''مجھے یاد آتا ہے کہ منسا بھی ایسا ہی تھا، بالکل ایسا ہی!''

نرملا: ''دیدی جی بھی تو یہی کہتی ہیں''

منشی جی: ''بالکل وہی بڑی بڑی آنکھیں اور سرخ سرخ ہونٹ ہیں۔ ایشور نے مجھے میرے منسارام کو اس شکل میں دیا۔ وہی پیشانی ہے، وہی منہ، وہی ہاتھ پیر، ایشور تمہاری لیلا اپار ہے!''

اتفاقاً اسی وقت رکمنی بھی آ گئی اور منشی جی کو دیکھتے ہی بولی، ''دیکھو بابو! منسارام ہے کہ نہیں؟ وہی آیا ہے۔ کوئی لاکھ کہے، میں نہ مانوں گی۔ صاف منسارام ہے! سال بھر کے قریب بھی تو ہو گیا۔''

منشی جی: ''بہن، ایک ایک عضو ملتا ہے۔ بس بھگوان نے مجھے میرا منسام رام دے دیا! (بچہ سے) کیوں ری منسارام ہی ہے؟ چھوڑ کر جانے کا نام نہ لینا ورنہ پھر کھینچ لاؤں گا۔ دیکھو بہن، کیا ٹکر ٹکر تاک رہی ہے!''

اس لمحے میں منشی جی نے دوبارہ آرزوؤں کا محل بنانا شروع کیا۔ نفس نے انہیں پھر دنیا کی طرف راغب کیا۔ انسانی زندگی! تو کتنی ناپائیدار ہے۔ مگر تیرے منصوبے کتنے وسیع! وہی طوطا رام جو تارک الدنیا ہو رہے تھے، جو رات دن موت کو بلاتے رہتے تھے۔ تنکے کا سہارا پا کر کنارے پر پہنچنے کے بعد اپنی پوری طاقت سے ہاتھ پیر مار رہے تھے۔

مگر تنکے کا سہارا پا کر کوئی کنارے پر پہنچا ہے؟

اگر چہ نرملا کو اپنے ہی گھر کے جھنجھٹ سے فرصت نہ تھی، مگر کرشنا کے بیاہ کی خبر پا کر وہ کسی طرح نہ رک سکی۔ اس کی ماں نے اسے اصرار سے طلب کیا تھا۔ سب سے بڑی ترغیب یہ تھی کہ کرشنا کا بیاہ اسی گھر میں ہو رہا تھا، جہاں خود نرملا کا بیاہ پہلے طے ہوا تھا تعجب یہی تھا کہ وہ اس مرتبہ بلا کسی جہیز کے بیاہ کرنے پر راضی ہو گئے۔ نرملا کو کرشنا کے متعلق بہت تشویش رہتی تھی۔ سمجھتی تھی کہ میری طرح وہ بھی کسی بڈھے کے گلے منڈھ دی جائے گی۔ وہ بہت چاہتی تھی کہ ماں کی کچھ مدد کروں جس سے کرشنا کے لیے کوئی اچھا لڑکا مل سکے۔ لیکن ادھر وکیل صاحب کی بیکاری اور مہاجن کی نالش کے سبب اس کا ہاتھ بھی تنگ تھا۔ ایسی حالت میں اس خبر سے اس کو بہت اطمینان ہوا۔ روانگی کی تیاری شروع کر دی۔ وکیل صاحب اسٹیشن تک پہنچانے گئے۔ ننھی بچی سے انہیں بڑی محبت تھی۔ اسے چھوڑتے ہی نہ تھے، حتیٰ کہ نرملا کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے۔ مگر شادی کے ایک ماہ قبل ہی سے ان کا سسرال میں جا کر رہنا نرملا کو مناسب نہ معلوم ہوا۔

نرملا نے اپنی ماں سے اب تک اپنی مصیبت کا حال بیان نہ کیا تھا۔ جو بات ہو گئی اس کا رونا رو کر ماں کو بھی رولانے سے کیا فائدہ؟ پس اس کی ماں سمجھتی تھی کہ نرملا نہایت آرام سے ہے۔ اب جو نرملا کی صورت دیکھی تو گویا اس کے دل کو دھچکا سا لگا۔ لڑکیاں سسرال سے کھل کر نہیں آتیں، پھر نرملا جیسی لڑکی جس کے لیے آسائش کے سبھی سامان موجود تھے۔ اس نے کتنی ہی لڑکیوں کو نیا چاند بن کر سسرال جاتے اور پورا چاند بن کر واپس آتے دیکھا تھا۔ دل میں سوچ رکھا تھا کہ نرملا کا رنگ نکھر گیا ہو گا اور اس کے ہر عضو کا رنگ روپ کچھ اور ہی ہو گیا ہو گا۔ اب جو دیکھا تو اس کا آدھا بدن بھی نہ رہ گیا تھا۔ نہ شباب کی شوخی تھی اور نہ وہ متبسم جلوہ جو دل کو کھینچ لیتا تھا۔ وہ خوبصورتی، وہ نزاکت جو آرام و آسائش کی زندگی کا نتیجہ ہے یہاں نام کو نہ

تھی، چہرہ زرد، اعضا سست، حالت گری ہوئی۔ نرملا انیس سال ہی کی عمر میں بڈھی ہوگئی تھی! جب ماں بیٹیاں رو دھو کر فارغ ہوگئیں تو ماں نے پوچھا ''کیوں ری! کیا وہاں تجھے کھانے کو نہ ملتا تھا؟ اس سے کہیں اچھی تو تو یہیں تھی۔ وہاں تجھے کیا تکلیف ہوئی؟''

کرشنا نے ہنس کر کہا ''وہاں مالکہ تھیں کہ نہیں! مالکہ کو جو دنیا بھر کے تفکرات رہتے ہیں، کھانا کب کھائیں؟''

نرملا: ''نہیں اماں وہاں کی آب و ہوا میرے موافق نہیں، طبیعت بھاری رہا کرتی ہے''

ماں: ''وکیل صاحب شادی میں آویں گے نہ؟ اس وقت پوچھوں گی کہ آپ نے پھول سی لڑکی لے جا کر اس کی یہ گت بنا ڈالی۔ اچھا اب یہ بتا کہ تو نے روپے کیوں بھیجے تھے؟ میں نے تو تجھ سے کبھی نہ مانگے تھے۔ لاکھ گئی گزری ہوں، مگر بیٹی کا دھن کھانے کی نیت نہیں!''

نرملا نے حیرت سے پوچھا ''کس نے روپے بھیجے تھے، اماں؟ میں نے تو نہیں بھیجے''

ماں: ''جھوٹ نہ بول! تو نے پانچ سو کے نوٹ نہیں بھیجے تھے؟''

کرشنا: ''بھیجے نہیں تھے تو کیا آسمان سے گر پڑے؟ تمہارا نام صاف لکھا تھا، مہر بھی وہاں کی تھی''

نرملا: ''تمہارے پیر چھو کر کہتی ہوں کہ میں نے روپے نہیں بھیجے۔ یہ کب کی بات ہے؟''

ماں: ''ارے یہی دو ڈھائی مہینے ہوں گے۔ مگر تو نے نہیں بھیجے تو آئے کہاں سے؟''

نرملا: ''یہ میں کیا جانوں؟ میں نے روپے نہیں بھیجے۔ ہمارے یہاں تو جب سے

جوان بیٹا مرا ہے، کچہری ہی نہیں جاتے۔ میرا ہاتھ تو آپ ہی تنگ تھا۔ روپے کہاں سے آتے؟''

ماں: ''یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ وہاں اور کوئی تیرا قریبہ رشتہ دار تو نہیں ہے؟ وکیل صاحب نے تجھ سے چھپا کر تو نہیں بھیجے''

نرملا: ''نہیں اماں، مجھے تو یقین نہیں''

ماں: ''اس کا پتہ لگانا چاہیے، میں نے سارے روپے کرشنا کے گہنے کپڑے میں خرچ کر ڈالے۔ یہی بڑی مشکل ہوئی''

دونوں لڑکیوں میں کسی بات پر جھگڑا شروع ہوا اور کرشنا اس کا نپٹارا کرنے ادھر چلی گئی تو نرملا نے ماں سے کہا ''اس بیاہ کی بات سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا یہ کیسے ہوا، اماں؟''

ماں: ''یہاں جو سنتا ہے وہی تعجب کرتا ہے جن لوگوں نے طے شدہ شادی سے انکار کر دیا تھا اور وہ بھی محض تھوڑے روپے کے لالچ سے، وہ اب بغیر کچھ لیے کیسے بیاہ کرنے پر تیار ہو گئے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ انہوں نے خود ہی خط بھیجا۔ میں نے صاف لکھ دیا کہ میرے پاس دینے کو کچھ نہیں ہے، صرف کنیا ہی سے آپ کی خدمت کر سکتی ہوں''

نرملا: ''اس کا کچھ جواب نہ دیا؟''

ماں: ''شاستری جی خط لے گئے تھے۔ وہ تو یہ کہتے تھے کہ اب منشی جی کچھ لینے کے خواہش مند نہیں ہیں، اپنی سابق وعدہ خلافی پر کچھ نادم بھی ہیں۔ منشی جی سے تو اتنی فیاضی کی امید نہ تھی مگر سنتی ہوں کہ ان کے بڑے صاحبزادے نہایت شریف آدمی ہیں، انہوں نے کہہ سن کر باپ کو راضی کیا ہے۔''

نرملا: ''پہلے تو وہ حضرت بھی تھیلی چاہتے تھے نہ؟''

ماں: ''ہاں، مگر اب تو شاستری جی کہتے تھے کہ جہیز کے نام سے چڑتے ہیں۔ سنا

ہے کہ یہاں بیاہ نہ کرنے پر پچھتاتے بھی تھے۔ روپے کے لیے بات بگاڑی تھی اور روپے بھی خوب ملے مگر عورت پسند نہیں۔"

نرملا کے دل میں اس شخص کو دیکھنے کی زبردست خواہش ہوئی جو اس سے بے رخی کر کے اب اس کی بہن کا اودھار کرنا چاہتا تھا، کنارہ ہی، مگر کتنے ایسے انسان ہیں جو اس کنارے کے لیے بھی تیار ہوں؟ ان سے باتیں کرنے کے لیے، ملائم الفاظ میں ان کی ملامت کرنے کے لیے اور اپنے حسن بے نظیر کی جھلک سے انہیں اور بھی جلانے کے لیے نرملا کا دل بے چین ہو گیا۔ رات کو دونوں بہنیں، ایک ہی کمرے میں سوئیں۔ محلّہ میں کن کن لڑکیوں کا بیاہ ہو گیا۔ کن کن کے بچے ہو لیے، کس کس کا بیاہ دھوم دھام سے ہوا، کس کس کو خاطر خواہ شوہر ملے، کون کتنے اور کیسے گہنے چڑھاوے میں لایا، انہیں مسئلوں پر دونوں میں بڑی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ کرشنا بار بار چاہتی تھی کہ بہن کے گھر کا کچھ حال دریافت کروں، مگر نرملا اسے اس کا موقع نہ دیتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ یہ جو باتیں پوچھے گی اس کے بتلانے میں مجھے تامل ہوگا۔ آخر ایک بار کرشنا پوچھ ہی بیٹھی "جیجا جی آئیں گے نا؟"

نرملا: "آنے کو کہا تو ہے"

کرشنا: "اب تو تم سے خوش رہتے ہیں نا، یا اب بھی وہی حال ہے؟ میں سنا کرتی تھی کہ دوبارہ شادی کرنے والے لوگ اپنی بیوی کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں، مگر یہاں بالکل الٹی ہی بات دیکھی۔ آخر کس بات پر بگڑتے رہتے ہیں؟"

نرملا: "اب میں کسی کے جی کی کیا جانوں؟"

کرشنا: "میں تو سمجھتی ہوں کہ تمہاری رکھائی سے وہ چڑتے ہوں گے۔ تم تو یہیں سے جلی ہوئی گئی تھیں، وہاں بھی انہیں کچھ کہا ہوگا؟"

نرملا: "یہ بات نہیں ہے کرشنا! میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جو میرے دل میں ان کی طرف سے ذرا بھی میل ہو۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکتا ہے ان کی خدمت کرتی

ہوں۔ اگر ان کے بجائے کوئی دیوتا بھی ہوتا تو بھی میں اس سے زیادہ اور کچھ نہ کر سکتی۔ انہیں مجھ سے محبت ہے۔ برابر میرا منہ دیکھتے رہتے ہیں، لیکن جو بات ان کے اور میرے قابو سے باہر ہے اس کے لیے وہ کیا کر سکتے ہیں، اور میں کیا کر سکتی ہوں؟ نہ وہ جوان ہو سکتے ہیں، نہ میں بوڑھی ہو سکتی ہوں۔ جوان بننے کے لیے وہ نہ جانے کتنے کشتہ جات کھاتے رہتے ہیں، میں بھی بوڑھی ہو جانے کے لیے دودھ گھی سب ترک کر بیٹھی ہوں۔ سوچتی ہوں کہ میرے دبلے ہونے ہی سے عمر کا فرق کچھ کم ہو جاوے۔ مگر نہ انہیں مقوی چیزوں سے کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ مجھے فاقوں سے! جب سے منسارام کا انتقال ہو گیا ہے، ان کی حالت اور بھی ابتر ہو گئی ہے۔''

کرشنا: ''منسارام کو تو تم بھی بہت پیار کرتی تھیں؟''

نرملا: ''وہ لڑکا ہی ایسا تھا، ایسی بڑی بڑی ڈورے دار آنکھیں میں نے کسی کی نہیں دیکھیں۔ کنول سا چہرہ ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ جری ایسا تھا کہ موقع پر آگ میں بھی کود پڑتا! کرشنا! میں تجھ سے سچ کہتی ہوں کہ جب وہ میرے پاس آ کر بیٹھ جاتا تھا تو میں اپنے کو بھول جاتی تھی۔ جی چاہتا کہ یہ ہر دم سامنے بیٹھا رہے اور میں دیکھا کروں۔ میرے دل میں پاپ کا نام نہ تھا اگر ایک لمحے کے لیے بھی میں نے اس کی طرف کسی اور نیت سے دیکھا ہے تو میری آنکھیں پھوٹ جائیں، مگر نہ جانے کیوں اسے اپنے پاس دیکھ کر میرا دل پھولا نہ سماتا تھا۔ اسی لیے میں نے پڑھنے کا سوانگ رچا ورنہ وہ گھر میں آتا ہی نہ تھا۔ یہ میں جانتی ہوں کہ اگر اس کے دل میں پاپ ہوتا تو میں اس کے لیے سب کچھ کر سکتی تھی۔''

کرشنا: ''ارے بہن، چپ رہو، کیسی باتیں منہ سے نکالتی ہو؟''

نرملا: ''ہاں، یہ بات سننے میں بری معلوم ہوتی ہے اور ہے بھی بری، مگر انسانی فطرت کو تو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ تو ہی بتا، ایک پچاس برس کے مرد سے تیرا بیاہ ہو جاوے تو تو کیا کرے گی؟''

کرشنا: ''بہن میں تو زہر کھا کر سو رہوں، مجھے تو اس کا منہ بھی دیکھتے نہ بنے''

نرملا: ''تو بس یہی سمجھ لے۔ اس لڑکے نے کبھی میری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا، مگر بڈھے شکی تو ہوتے ہی ہیں، تمہارے جیجا اس لڑکے کے دشمن ہو گئے اور آخر اس کی جان ہی لے کر چھوڑی۔ جس روز اسے معلوم ہو گیا کہ باپ کے دل میں میری طرف سے شبہ ہے، اسی روز سے اس کو بخار چڑھا جو جان لے کر ہی اترا۔ ہائے وہ آخری وقت کا نظارہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا۔ میں ہسپتال گئی تھی، وہ بخار میں بیہوش پڑا تھا، اٹھنے کی طاقت نہ تھی مگر جونہی میری آواز سنی کہ چونک کر اٹھ بیٹھا اور اماں اماں کہہ کر میرے پیروں پر ہی اس کو غش آ گیا۔ پھر اس نے آنکھیں نہ کھولیں! ڈاکٹر نے اس کے جسم میں تازہ خون پہنچانا تجویز کیا تھا۔ یہی سن کر میں دوڑی گئی تھی لیکن جب تک ڈاکٹر لوگ وہ عمل شروع کریں، اس کی جان ہی ہوا ہو گئی''

کرشنا: ''تازہ خون پہنچ جانے سے اس کی جان بچ جاتی؟''

نرملا: ''کون جانتا ہے؟ مگر میں تو اپنے خون کا آخری قطرہ تک دے ڈالنے پر آمادہ تھی۔ اس حالت میں بھی اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ اگر وہ مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر میرے پیروں پر گر نہ پڑتا، اگر پہلے ہی کچھ خون بدن میں پہنچ جاتا تو شاید بچ بھی سکتا''

کرشنا: ''تو تم نے اس کو اسی وقت لٹا کیوں نہیں دیا تھا؟''

نرملا: ''ارے پگلی! تو نے ابھی تک بات نہیں سمجھی۔ وہ میرے پیروں پر گر کر اور ماں بیٹے کا رشتہ دکھلا کر اپنے باپ کے دل سے وہ شبہ دور کرنا چاہتا تھا صرف اسی لیے وہ اٹھا تھا۔ میری تکلیف رفع کرنے کے لیے اس نے جان دی اور اس کی وہ خواہش پوری ہو گئی۔ تمہارے جیجا اسی دن سے سیدھے ہو گئے۔ اب تو ان کی حالت پر رحم آتا ہے۔ بیٹے کا غم ان کی جان لے کر چھوڑے گا۔ مجھ پر شک کر کے میرے ساتھ

جو ناانصافی کی ہے، اب اس کی تلافی کر رہے ہیں۔ اب کے ان کی شکل دیکھ کر تو ڈر جائے گی۔ بوڑھے بابا بن گئے ہیں۔ کمر بھی کچھ جھک گئی ہے''

کرشنا: ''بڈھے اتنے شکی کیوں ہوتے ہیں، بہن؟''

نرملا: ''یہ جا کر بڈھوں سے پوچھ!''

کرشنا: ''میں تو سمجھتی ہوں کہ ان کے دل میں، ہر دم ایک چور سا بیٹھا رہتا ہوگا کہ میں اس نوجوان عورت کو خوش نہیں کر سکتا۔ اسی لیے ذرا ذرا سی بات پر انہیں شک ہونے لگتا ہے۔''

نرملا: ''جانتی تو ہے پھر مجھ سے کیوں پوچھتی ہے؟''

کرشنا: ''اسی لیے بے چارہ عورت سے دبتا بھی ہوگا۔ دیکھنے والے سمجھتے ہوں گے، کہ یہ بہت پیار کرتا ہے''

نرملا: ''تو نے اتنے ہی دنوں میں اتنی باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟ ان باتوں کو جانے دے، بتا تجھے اپنا دولہا پسند ہے؟ اس کی تصویر تو دیکھی ہوگی؟''

ایک لمحے میں کرشنا نے اس کی تصویر لا نرملا کے ہاتھ میں رکھ دی۔ نرملا نے مسکرا کر کہا ''تو بڑی خوش نصیب ہے''

کرشنا: ''اماں جی نے بھی بہت پسند کیا ہے''

نرملا: ''تجھے پسند ہے کہ نہیں، یہ بتلا؟ دوسروں کی بات نہ کر!''

کرشنا: ''(شرماتی ہوئی) صورت تو بری نہیں ہے۔ مزاج کا حال ایشور جانے۔ شاستری جی تو کہتے تھے کہ ایسے نیک مزاج اور نیک چلن لڑکے کم ہوں گے''

نرملا: ''یہاں سے تیری تصویر بھی گئی تھی؟''

کرشنا: ''گئی تو تھی، شاستری جی ہی لے گئے تھے''

نرملا: ''انہیں پسند آئی''

کرشنا: ''اب کسی کے دل کی بات میں کیا جانوں؟ شاستری جی تو کہتے تھے کہ

بہت خوش ہوئے تھے''

نرملا: ''اچھا بتا تجھے کیا تحفہ دوں؟ ابھی سے بتلا دے کہ بنوا رکھوں''

کرشنا: ''جو تمہارا جی چاہے دینا، انہیں کتابوں سے بہت رغبت ہے، عمدہ عمدہ کتابیں منگوا دینا''

نرملا: ''ان کے لیے نہیں پوچھتی، تیرے لیے پوچھتی ہوں''

کرشنا: ''اپنے ہی لیے تو میں بھی کہتی ہوں''

نرملا: ''(تصویر کی طرف دیکھتی ہوئی) کپڑے سب کھدر لا کر دیہاتوں میں بیچنے جایا کرتے ہیں۔ لیکچر دینے میں بھی ہوشیار ہیں''

نرملا: ''تب تو تجھے کھدر پہننا پڑے گا۔ تجھے تو موٹے کپڑوں سے چڑ ہے''

کرشنا: ''جب انہیں موٹے کپڑے پسند ہیں تو مجھے کیوں چڑ ہو گی؟ میں نے تو چرخہ چلانا سیکھ لیا ہے؟''

نرملا: ''سچ! سوت کات لیتی ہے؟''

کرشنا: ''ہاں بہن! تھوڑا تھوڑا کات لیتی ہوں۔ جب وہ کھدر کے اتنے شائق ہیں تو چرخہ بھی ضرور چلاتے ہوں گے۔ میں نہ چلا سکوں گی تو مجھے کتنی شرم معلوم ہو گی''

اسی طرح باتیں کرتے دونوں بہنیں سو گئیں۔ تقریباً دو بجے رات کو بچی روئی تو نرملا کی آنکھ کھلی۔ دیکھا کرشنا کا پلنگ خالی پڑا تھا۔ نرملا کو تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے کرشنا کہاں چلی گئی۔ شاید پانی پینے گئی ہو۔ مگر پانی تو سرہانے رکھا ہوا ہے، پھر کہاں گئی؟ اس نے دو تین بار اس کا نام لے کر پکارا! مگر کرشنا کا پتہ نہ تھا۔ تب نرملا گھبرا کر اٹھی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے اندیشے ہونے لگے۔ دفعتاً اسے خیال آیا کہ شاید اپنے کمرے میں نہ چلی گئی ہو۔ بچی کے سو جانے پر وہ اٹھ کر کرشنا کے کمرے کے دروازے پر گئی اس کا خیال ٹھیک تھا کرشنا اپنے کمرے میں تھی سارا گھر سو رہا تھا اور بیٹھی چرخہ چلا رہی تھی۔ اتنی محویت سے شاید اس نے تھیٹر بھی نہ دیکھا ہو گا۔ نرملا

دنگ رہ گئی۔ اندر جا کر بولی ''یہ کیا کر رہی ہے، ارے! چرخہ چلانے کا وقت ہے''

کرشنا چونک کر اٹھ بیٹھی اور شرم سے سر جھکا کر بولی ''تمہاری نیند کیسے کھل گئی؟ پانی بھی تو وہیں رکھ دیا تھا''

نرملا: ''میں کہتی ہوں کہ دن کو تجھے وقت نہیں ملتا جو رات کے پچھلے پہر چرخہ لے کر بیٹھی ہے؟''

نرملا: ''(سوت دیکھ کر) سوت تو بہت باریک ہے؟''

کرشنا: ''کہاں بہن، یہ سوت تو موٹا ہے۔ میں باریک سوت کات کر ان کے لیے ایک صافہ بنوانا چاہتی ہوں، یہی میری بھینٹ ہوگی۔''

نرملا: ''بات تو تم نے خوب سوچی ہے، اس سے زیادہ قیمتی چیز ان کی نگاہوں میں اور کیا ہوگی؟ اچھا اٹھ اس وقت! کل کاتنا کہیں بیمار ہو جائے گی تو یہ سب دھرا رہ جائے گا''

کرشنا: ''نہیں میری بہن! تم جا کر سوؤ میں ابھی آتی ہوں''

نرملا نے زیادہ اصرار نہیں کیا، لیٹنے چلی گئی مگر نیند نہیں آئی۔ کرشنا کا یہ اشتیاق و حوصلہ دیکھ کر اس کا دل کسی نامعلوم تحریک سے متحرک ہو اٹھا۔ آہ، اس وقت اس کا دل کتنا خوش ہو رہا ہے۔ محبت نے اسے کتنا مست بنا رکھا ہے۔ اس وقت اپنے بیاہ کی یاد آئی۔ جس روز تلک گیا تھا، اسی روز سے اس کی ساری شوخی، ساری زندہ دلی، رخصت ہو گئی تھی! وہ اپنی کوٹھری بیٹھی اپنی قسمت کو روتی تھی اور ایشور سے بنتی کرتی تھی کہ جان نکل جاوے! جس طرح مجرم سزا کا انتظار کرتا ہے، اسی طرح وہ بیاہ کے دن کو دیکھ رہی تھی، جس بیاہ میں اس کی ساری تمناؤں کا خون ہو جاوے گا۔ جس بیاہ کے منڈپ میں بندے ہوئے ہون کنڈ کے اندر اس کی تمام امیدیں جل کر خاک سیاہ ہو جاویں گی!

مہینہ گزرتے دیر نہیں لگتی ۔ بیاہ کا شبھ مہورت آ پہنچا۔ مہمانوں سے مکان بھر گیا۔ منشی طوطا رام ایک روز قبل ہی آ گئے اور ان کے ساتھ نرملا کی سکھی بھی آئی۔ نرملا نے تو زیادہ اصرار نہ کیا تھا مگر اس نے خود ہی آنے کا حوصلہ کیا تھا۔ نرملا کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ دولہا کے بڑے بھائی کے درشن کروں گی اور بشرط ممکن ان کی خیر اندیشی کا شکریہ ادا کروں گی۔

سدھا نے ہنس کر کہا ''تم ان سے بول سکو گی؟''

نرملا: ''کیوں بولنے میں کیا ہرج ہے؟ اب تو دوسرا ہی رشتہ ہو گیا۔ اور میں نہ بول سکوں گی تو تم موجود ہی ہو''

سدھا: ''نہ بھئی مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ غیر مرد سے نہیں بول سکتی۔ نہ جانے کیسے آدمی ہوں''

نرملا: ''آدمی تو برے نہیں ہیں، اور تمہیں کچھ بیاہ تو کرنا نہیں، ذرا سا بولنے میں کیا ہرج ہے؟ ڈاکٹر صاحب یہاں ہوتے تو میں تمہیں اجازت دیتی''

سدھا: ''جو لوگ دل کے فیاض ہوتے ہیں، کیا ان کا چال چلن بھی اچھا ہوتا ہے؟ پرائی عورت کو تاکنے میں تو کسی مرد کو تامل نہیں ہوتا''

نرملا: ''اچھا نہ بولنا، میں خود ہی باتیں کر لوں گی، تاک لیں گے جتنا تاکتے بنے گا۔ بس اب تو راضی ہوئیں'' اتنے میں کرشنا آ کر بیٹھ گئی نرملا نے مسکرا کر کہا ''سچ بتا کرشنا تیرا دل اس وقت کیوں اچاٹ ہو رہا ہے؟''

کرشنا: ''جیجا جی بلا رہے ہیں، پہلے جا کر سن آؤ پھر گپ شپ کر لینا، بہت بگڑ رہے ہیں''

نرملا: ''کیا ہے؟ تو نے کچھ پوچھا نہیں؟''

کرشنا: ''کچھ بیمار سے معلوم ہوتے ہیں، بہت دبلے ہو گئے ہیں''

نرملا: ''تو ذرا بیٹھ کر ان کا دل بہلا دیتی، یہاں دوڑی کیوں چلی آئی؟ یہ کہو کہ

ایشور نے اپنا فضل کیا ورنہ ایسا ہی مرد مجھے بھی ملتا۔ ذرا بیٹھ کر باتیں تو کر! بڑھے بڑی لچھے دار باتیں کرتے ہیں، جوان اتنا بڑھ بڑھ کر باتیں نہیں کرتا۔''

کرشنا: ''نہیں بہن، تم جاؤ! مجھ سے وہاں نہیں بیٹھا جاتا''

نرملا چلی گئی تو سدھا نے کرشنا سے کہا ''اب تو بارات آ گئی ہو گی، دروازہ چار کیوں نہیں ہوتا؟''

''کیا جانے بہن، شاستری جی سامان اکٹھا کر رہے ہیں''

سدھا: ''سنا ہے کہ دولہا کی بھاوج بہت کڑوے مزاج کی عورت ہے''

کرشنا: ''کیسے معلوم ہوا؟''

سدھا: ''میں نے سنا ہے؟ اس لیے آگاہ کیے دیتی ہوں، چار باتیں غم کھا کر رہنا ہو گا''

کرشنا: ''میری جھگڑنے کی عادت ہی نہیں ہے۔ جب میری طرف سے کوئی شکایت ہی نہ ہو گی تو کیا خواہ مخواہ بگڑے گی؟''

سدھا: ''ہاں سنا تو ایسا ہی ہے، جھوٹ موٹ لڑا کرتی ہیں''

کرشنا: ''میں تو سو بات کی ایک بات جانتی ہوں عاجزی پتھر کو بھی موم کر دیتی ہے''

دفعتاً شور مچا کہ بارات آ رہی ہے۔ دونوں اٹھ کر کھڑکی کے سامنے جا بیٹھیں۔ ایک لمحے میں نرملا بھی وہاں آ گئی۔ اس کے دل میں دولہا کے بڑے بھائی کو دیکھنے کی بڑی خواہش ہو رہی تھی!

سدھا نے کہا: ''یہ کیسے پتہ چلے گا کہ بڑے بھائی کون ہیں؟''

نرملا: ''شاستری جی سے پوچھو تو معلوم ہو۔ ہاتھی پر تو کرشنا کے سسر جی ہیں۔ اچھا ڈاکٹر صاحب یہاں کیسے آ پہنچے؟ وہ گھوڑے پر کیا ہیں، دیکھتی نہیں ہو؟''

سدھا: ''ہاں ہیں تو وہی''

نرملا: ''ان لوگوں سے دوستی ہوگی! کوئی رشتہ تو نہیں ہے؟''

سدھا: ''اب ملاقات ہو تو پوچھوں، مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہے؟''

نرملا: ''پالکی میں جو صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، وہ دولہا کے بھائی جیسے دکھائی نہیں دیتے''

سدھا: ''بالکل نہیں معلوم ہوتا ہے کہ سارے جسم میں پیٹ ہی پیٹ ہے''

نرملا: ''دوسرے ہاتھی پر کون بیٹھا ہوا ہے، سمجھ میں نہیں آتا''

سدھا: ''کوئی ہو دولہا کا بھائی نہیں ہو سکتا۔ اس کی عمر نہیں دیکھتی ہو، چالیس کے اوپر ہوگی''

نرملا: ''شاستری جی تو اس وقت دوار پوجا کی فکر میں ہیں ورنہ ان سے پوچھتی''

اتفاقاً حجام آ گیا۔ صندوقوں کی کنجیاں نرملا کے پاس تھیں۔ اس وقت دروازہ چار کے لیے کچھ روپیوں کی ضرورت تھی۔ ماں نے بھیجا تھا۔ یہی حجام پنڈت موٹے رام جی کے ساتھ تلک لے کر گیا تھا۔ نرملا نے کہا ''کیا ابھی روپے چاہئیں؟''

حجام: ''ہاں بہن جی چل کر دے دیجیے''

نرملا: ''اچھا چلتی ہوں۔ پہلے یہ بات بتلا کہ تو دولہا کے بڑے بھائی کو پہچانتا ہے''

حجام: ''پہچانتا کاہے نہیں، وہ کیا سامنے ہیں!''

نرملا: ''کہاں؟ میں تو نہیں دیکھتی''

حجام: ''ارے وہ کیا گھوڑے پر سوار ہیں، وہی تو ہیں''

نرملا نے تعجب سے کہا ''کیا کہتا ہے؟ گھوڑے پر دولہا کے بھائی ہیں۔ پہچانتا ہے کہ انکل سے کہہ رہا ہے؟''

حجام: ''ارے بہن جی، کیا اتنا بھول جاؤں گا۔ ابھی تو کلیوا (ناشتہ) کا سامان دیئے چلا آتا ہوں''

نرملا: ''ارے یہ تو ڈاکٹر صاحب ہیں، میرے پڑوس میں رہتے ہیں''

حجام: ''ہاں ہاں، وہی تو ڈاکٹر صاحب ہیں''

نرملا نے سدھا کی طرف دیکھ کر کہا ''سنتی ہو بہن، اس کی باتیں؟''

سدھا نے ہنسی ضبط کر کے کہا ''جھوٹ بولتا ہے''

حجام: ''اچھا سرکار، جھوٹ ہی سہی، اب بڑوں کے منہ کون لگے؟ ابھی شاستری جی سے پوچھوا دوں گا تو مانیے گا''

حجام کے جانے میں دیر ہوئی تو موٹے رام خود صحن میں جا کر شور مچانے لگے ''اس گھر کی مرجاد (عزت) رکھنا ایشور ہی کے ہاتھ ہے۔ نائی گھنٹے سے آیا ہوا ہے اور ابھی تک روپے نہیں ملے۔''

نرملا: ''ذرا یہاں چلے آیئے گا، شاستری جی! کتنے روپے چاہئیں؟ نکال دوں''

شاستری گنگناتے اور زور زور سے ہانپتے ہوئے اوپر گئے۔ اور ایک لمبی سانس لے کر بولے ''کیا ہے؟ یہ باتوں کا وقت نہیں ہے، جلدی سے روپے نکال دو''

نرملا: ''لیجیے نکال ہی رہی ہوں اب کیا منہ کے بل گر پڑوں؟ پہلے یہ بتایئے کہ دولہا کے بڑے بھائی کون ہیں؟''

شاستری: ''رام رام، اتنی سی بات کے لیے مجھے آسمان پر لٹکا دیا۔ نائی کیا نہ جانتا جانتا تھا؟''

نرملا: ''نائی تو کہتا ہے کہ جو گھوڑے پر سوار ہیں وہی ہیں''

شاستری جی: ''تو پھر اور کسے بتائے؟ وہی تو ہیں ہی!''

نائی: ''گھڑی بھر سے کہہ رہا ہوں، بہن جی مانتی ہی نہیں''

نرملا نے سدھا کی طرف محبت، مذاق اور مصنوعی حقارت کی نظر سے دیکھ کر کہا ''اچھا تو تمہیں اب تک میرے ساتھ یہ تریا چرتر کر رہی تھیں۔ میں جانتی تو تمہیں بلاتی ہی نہیں۔ آہ بڑا گہرا پیٹ ہے تمہارا! تم مہینوں سے میرے ساتھ یہ شرارت کرتی چلی آ رہی ہو اور کبھی بھول کر بھی اس بات کے متعلق ایک لفظ تمہاری زبان سے نہیں نکلا،

میں تو دو چار دن میں اگل پڑتی۔''

سدھا: ''تمہیں معلوم ہو جاتا تو تم میرے یہاں آتی ہی کیوں؟''

نرملا: ''اف غضب! میں ڈاکٹر صاحب سے کئی بار باتیں کر چکی ہوں۔ تمہیں پر یہ سارا پاپ پڑے گا۔ دیکھی کرشنا تو نے اپنی جٹھانی کی شرارت؟ یہ ایسی جعلساز ہیں، ان سے ڈرتی رہنا''

کرشنا: ''میں تو ایسی دیوی کے پیر دھو دھو کر ماتھے پر لگاؤں گی۔ دھنیہ بھاگ کہ ان کے درشن ہوئے!''

نرملا: ''اب سمجھ گئی، روپے بھی تمہیں نے بھجوائے ہوں گے۔ اب سر ہلایا تو سچ کہتی ہوں مار بیٹھوں گی''

سدھا: ''اپنے گھر بلا کر مہمان کا نرادر نہیں کیا جاتا''

نرملا: ''دیکھو تو ابھی کیسی کیسی خبر لیتی ہوں۔ میں نے تمہاری دلجوئی کے لیے ذرا سا لکھ دیا تھا اور تم سچ مچ آ پہنچیں۔ بھلا وہاں کے لوگ کیا کہتے ہوں گے؟''

سدھا: ''سب سے کہہ کر آئی ہوں''

نرملا: ''اب تمہارے پاس کبھی نہ آؤں گی۔ اتنا تو اشارہ کر دیتیں کہ ڈاکٹر صاحب سے پردہ رکھنا''

سدھا: ''ان کے دیکھ لینے ہی سے کوئی برائی ہوگئی؟ نہ دیکھتے تو اپنی قسمت کو روتے کیسے؟ جانتے کیسے کہ لالچ میں پڑ کر کیسی چیز کھو دی؟ اب تو تمہیں دیکھ کر لالہ صاحب ہاتھ مل رہ جاتے ہیں۔ منہ سے تو کچھ نہیں کرتے مگر اپنی غلطی پر بہت پچھتاتے ہیں''

نرملا: ''اب تمہارے گھر کبھی نہ جاؤں گی''

سدھا: ''اب پنڈ نہیں چھوٹ سکتا۔ میں نے کب تمہارے گھر کی راہ نہیں دیکھی''

دروازہ چار ختم ہو گیا۔ مہمان بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ منشی طوطا رام کے پاس ہی

ڈاکٹر سنہا بیٹھے ہوئے تھے۔ نرملا نے چک کی اوٹ سے انہیں بیٹھے دیکھا وہ اپنا دل تھام کر رہ گئی۔ ایک صحت، شباب اور زینت کا دیوتا تھا اور دوسرا اس بارے میں کچھ نہ کہنا ہی مناسب ہے۔

نرملا نے ڈاکٹروں کو سینکڑوں بار دیکھا تھا۔ مگر آج اس کے دل میں جو خیالات پیدا ہوئے وہ کبھی نہ ہوئے تھے۔ بار بار یہی جی چاہتا تھا کہ بلا کر خوب نصیحت کروں۔ ایسے ایسے طعنے دوں کہ وہ بھی یاد کریں۔ رلا رلا کر چھوڑوں، مگر سہم کر رہ جاتی تھی۔ بارات جنواسا چلی گئی۔ کھانے کی تیاری ہو رہی تھی۔ نرملا کھانوں کے تھال سجانے میں مصروف تھی کہ دفعتاً مہری نے آ کر کہا۔ ''بیٹی! تمہیں سدھا بلا رہی ہیں، تمہارے کمرے میں بیٹھی ہیں''

نرملا نے تھال چھوڑ دیا اور گھبرائی ہوئی سدھا کے پاس گئی۔ مگر اندر قدم رکھتے ہی ٹھٹھک گئی۔ ڈاکٹر سنہا کھڑے تھے۔

سدھا نے مسکرا کر کہا ''لو بہن بلا دیا۔ اب جتنا چاہو ڈانٹ لو، میں دروازہ روکے کھڑی ہوں، بھاگ نہیں سکتے۔''

سدھا نے مسکرا کر کہا ''لو بہن بلا دیا۔ اب جتنا چاہو ڈانٹ لو، میں دروازہ روکے کھڑی ہوں، بھاگ نہیں سکتے''

ڈاکٹر صاحب نے متانت سے کہا ''بھاگتا کون ہے؟ یہاں تو سر جھکائے کھڑے ہیں''

نرملا نے ہاتھ جوڑ کر کہا ''اسی طرح ہمیشہ مہربانی کی نظر رکھیے گا۔ بھول نہ جائیے گا، یہی میری بنتی ہے''

17

کرشنا کے بیاہ کے بعد سدھا چلی گئی۔ لیکن نرملا مائکہ میں ہی رہ گئی۔ وکیل صاحب بار بار لکھتے تھے مگر وہ نہ جاتی تھی۔ وہاں جانے کو اس کا جی نہ چاہتا تھا۔ ایسی کوئی چیز

نہ تھی جو اسے کھینچ لے جاوے۔ یہاں ماں کی خدمت اور چھوٹے بھائیوں کی دیکھ بھال میں اس کا وقت بڑے مزے سے کٹ جاتا تھا۔ وکیل صاحب خود آتے تو شاید وہ جانے پر راضی ہو جاتی مگر اس بیاہ میں محلّہ کی کئی عورتوں نے ان کی وہ درگت بنائی تھی کہ بے چارے سے آنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ سدھا، نے بھی کئی مرتبہ خط لکھا۔ مگر نرملا نے اس سے بھی حیلہ حوالہ کر دیا۔ آخر ایک روز سدھا نے نوکر کو ساتھ لیا اور خود آ دھمکی

جب دونوں مل کر بیٹھیں تو سدھا نے کہا ''تمہیں تو وہاں جاتے ہوئے گویا خوف معلوم ہوتا ہے''

''بیاہ کی گئی ہوئی تین سال میں آئی ہوں، اب کے تم وہاں عمر ہی ختم ہو جاوے گی۔ پھر کون بلاتا ہے۔ اور کون آتا ہے''

سدھا: ''آنے کو کیا ہوا۔ جب چاہے آنا، وہاں وکیل صاحب بے چین ہو رہے ہیں''

نرملا: ''بہت بے چین، رات کو شاید نیند نہ آتی ہو؟''

سدھا: ''بہن تمہارا کلیجہ پتھر کا ہے۔ ان کی حالت دیکھ کر ترس آتا ہے۔ کہتے تھے کہ گھر میں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ نہ لڑکا نہ بالا، کس سے جی بہلاویں؟ جب سے دوسرے مکان میں اٹھ آئے ہیں۔ بہت ملول رہتے ہیں۔''

نرملا: ''دو لڑکے تو ایشور نے دیئے ہوئے ہیں''

سدھا: ''ان دونوں کی تو بڑی شکایت کرتے تھے۔ جیا رام تو اب بات ہی نہیں سنتا۔ ترکی بہ ترکی جواب دیتا ہے اور چھوٹا وہ بھی اسی کے کہنے میں ہے۔ بے چارے بڑے لڑکے کو یاد کر کے رویا کرتے ہیں''

نرملا: ''جیا رام تو شریر نہ تھا۔ وہ شرارت کب سے سیکھ دیا؟ میری تو کوئی بات نہ ٹالتا تھا۔ اشارہ پر کام کرتا تھا۔''

سدھا: ''کیا جانے بہن، سنا، کہا کرتا ہے کہ آپ ہی نے بھیا کو زہر دے کر مار ڈالا ہے۔ آپ ہتھیارے ہیں۔ کئی بار تم سے بیاہ کرنے پر طعنے دے چکا ہے۔ ایسی ایسی باتیں کہتا ہے کہ وکیل صاحب رو دیتے ہیں! ارے تو کیا کہوں، ایک روز پتھر اٹھا کر مارنے دوڑا تھا۔''

نرملا نے گہری سوچ میں پڑ کر کہا ''یہ لڑکا تو بڑا شیطان نکلا۔ اس سے یہ کس نے کہا کہ اس کے بھائی کو انہوں نے زہر دیا؟''

سدھا: ''وہ تمہیں سے ٹھیک ہو گا''

نرملا کو نئی فکر پیدا ہوئی اگر جیا کا یہی رنگ ہے، اپنے باپ سے لڑنے پر تیار رہتا ہے، تو مجھ سے کیوں دبنے لگا؟ وہ رات کو بڑی دیر تک اسی فکر میں ڈوبی رہی۔

منسارام کی آج اسے بہت یاد آئی۔ اس کے ساتھ زندگی آرام سے گزر جاتی۔ اس لڑکے کا جب اپنے باپ کے سامنے ہی یہ حال ہے تو ان کے بعد اس کے ساتھ کیسے نباہ ہو گا؟ مکان ہاتھ سے نکل ہی گیا، کچھ نہ کچھ قرض ہو گا ہی۔ آمدنی کا یہ حال، ایشور ہی بیڑا پار لگائیں۔ آج پہلی بار نرملا کو بچی کی فکر پیدا ہوئی۔ اس بے چاری کا نہ جانے کیا حال ہو گا۔ ایشور نے مصیبت بھی سر پر ڈال دی۔ مجھے تو اس کی ضرورت نہ تھی۔ پیدا ہونا ہی تھا تو کسی بھاگوان کے گھر پیدا ہوتی۔ بچی اس کے سینے سے لپٹی ہوئی سو رہی تھی۔ ماں نے اس کو اور بھی لپٹا لیا۔ گویا کوئی اس کے ہاتھ سے اسے چھینے لیے جا رہا ہے؟

نرملا کے پاس ہی سدھا کا پلنگ بھی تھا۔ نرملا تو بحر تفکر میں غرق ہو رہی تھی اور سدھا خواب شیریں کا لطف اٹھا رہی تھی۔ کیا اسے اپنے بچے کی فکر ستاتی ہے۔ موت تو بڈھے اور جوان کا امتیاز نہیں کرتی۔ پھر سدھا کو کیوں کوئی فکر نہیں ستاتی؟ اسے تو کبھی مستقبل کی فکر سے اداس نہیں دیکھا۔

دفعتاً سدھا کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے نرملا کو ابھی تک جاگتے دیکھا، بولی''

ارے ابھی تو سوئی نہیں؟''

نرملا: ''نیند ہی نہیں آتی''

سدھا: ''آنکھ بند کرلو نیند آپ ہی آجائے گی۔ میں تو پلنگ پر لیٹتے مرہی جاتی ہوں۔ وہ جاگتے ہیں تو خبر نہیں ہوتی۔ نہ جانے مجھے کیوں اتنی نیند آتی ہے۔ شاید کوئی عارضہ ہے؟''

نرملا: ''ہاں بڑا بھاری ہے۔ اسے راج روگ کہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب سے کہو کہ علاج شروع کردیں''

سدھا: ''تو آخر جاگ کر کیا سوچوں؟ کبھی کبھی مائکہ کی یاد آجاتی ہے تو اس روز ذرا دیر سے آنکھ لگتی ہے۔''

نرملا: ''ڈاکٹر صاحب کی یاد نہیں آتی؟''

سدھا: ''کبھی نہیں، ان کی یاد کیوں آئے؟ جانتی ہوں کہ ٹینس کھیل کر آئے ہوں گے، کھایا ہوگا۔ اور آرام سے لیٹے ہوں گے''

نرملا: ''لو موہن بھی جاگ اٹھا۔ جب تم جاگیں تو بھلا وہ کیوں سونے لگا؟''

سدھا: ''ہاں بہن! اس کی عجیب عادت ہے۔ میرے ساتھ سوتا ہے۔ اور میرے ساتھ ہی جاگتا ہے۔ اس جنم کا کوئی سادھو ہے۔ دیکھو اس کے ماتھے پر تلک کا کیسا نشان ہے۔ بازوؤں پر بھی ایسے ہی نشانات ہیں۔ ضرور کوئی سادھو ہے۔''

نرملا: ''سادھو تو چندن تلک نہیں لگاتے، اس جنم کا کوئی مکار پجاری ہوگا کیوں رے! تو کہاں کا پجاری تھا؟ بتا!''

سدھا: ''اس کا بیاہ میں اس بچی سے کروں گی''

نرملا: ''چلو بہن گالی دیتی ہو۔ بہن سے بھی بھائی کا بیاہ ہوتا ہے؟''

سدھا: ''میں تو کروں گی! خواہ کوئی کچھ کہے۔ ایسی خوبصورت بہو اور کہاں پاؤں گی؟ ذرا دیکھو تو بہن! اس کا بدن کچھ گرم ہے یا مجھ ہی کو معلوم ہوتا ہے؟''

نرملا نے سوہن کا ماتھا چھو کر کہا ''نہیں نہیں، بدن گرم ہے! یہ بخار کب آ گیا؟ دودھ تو پی رہا ہے؟''

سدھا: ''ابھی سویا تب تو بدن سرد تھا۔ شاید سردی لگ گئی۔ اوڑھا کر سلائے دیتی ہوں۔ سویرے تک ٹھیک ہو جائے گا''

سویرا ہوتو سوہن کی حالت زیادہ خراب ہو گئی۔ اس کی ناک جاری ہو گئی اور بخار بھی تیز ہو گیا۔ آنکھیں چڑھ گئیں اور سر جھک گیا۔ نہ وہ ہاتھ پیر ہلاتا تھا اور نہ ہنستا بولتا تھا۔ بس چپ چاپ پڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا کہ اس کو اس وقت کسی کا بولنا اچھا نہیں لگتا۔ کچھ کچھ کھانسی بھی آنے لگی۔ اب تو سدھا گھبرائی۔ نرملا کی بھی رائے ہوئی کو ڈاکٹر صاحب کو بلایا جاوے۔ مگر اس کی بوڑھی ماں نے کہا۔ ڈاکٹر کا یہاں کچھ کام نہیں، صاف دیکھ رہی ہوں کہ بچہ کا نظر لگ گئی ہے۔ بھلا ڈاکٹر آ کر کیا کرے گا۔

سدھا: ''اماں! بھلا یہاں نظر کون لگاوے گا؟ ابھی تک تو باہر گیا بھی نہیں''

ماں: ''نظر کوئی لگاتا نہیں بیٹی، کسی کسی آدمی کی نظر ہی بد ہوتی ہے۔ وہ آپ ہی آپ لگ جاتی ہے۔ کبھی کبھی ماں باپ تک کی نظر لگ جاتی ہے۔ جب سے آیا ہے ایک بار بھی نہیں رویا۔ ننھے بچوں کی یہی گت ہوتی ہے۔ میں تو اسے جھکتے ہی دیکھ کر ڈری تھی کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ آنکھیں نہیں دیکھتی ہو کتنی چڑھ گئی ہیں۔ یہی نظر کی بڑی پہچان ہے۔''

بڑھیا مہری اور پڑوس کی مہراجن نے اس بات کی تائید کی۔ بس مہنگو اوجھا بلا لیا گیا۔ مہنگو نے آ کر بچے کا منہ دیکھا اور ہنس کر بولا ''مالکن! یہ ڈِیٹھ ہے اور کچھ نہیں، ذرا پتلی پتلی تیلیاں تو منگوا لیجیے۔ بھگوان نے چاہا تو سانجھ تک بچہ ہنسنے کھیلنے لگے گا۔''

سرکنڈے کے پانچ ٹکڑے لائے گئے۔ مہنگو نے انہیں برابر کے ایک تاگے سے باندھ دیا۔ اور کچھ زیر لب کہتے ہوئے انہیں سے ڈھیلے ہاتھوں کے ساتھ پانچ بار سوہن کا سر سہلایا اب جو دیکھا تو پانچوں تیلیاں گھٹ بڑھ گئیں تھی۔ سب عورتیں یہ

تماشا دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ اب نظر لگنے میں کوئی شبہ ہو سکتا تھا؟ مہنگو نے پھر بچے کو تیلیوں سے سہلانا شروع کیا۔ اب کے تیلیاں برابر ہو گئیں۔ صرف ذرا سا فرق رہ گیا۔ یہ اس امر کا ثبوت تھا کہ نظر کا اثر اب تھوڑا سا اور باقی رہ گیا تھا۔ مہنگو سب کو تسلی دے کر شام کو پھر آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ لڑکے کی حالت دن میں اور ابتر ہو گئی۔ کھانسی شدت سے آنے لگی۔ شام کے وقت مہنگو نے آ کر پھر تیلیوں کا تماشا کیا۔ اس وقت پانچ تیلیاں برابر نکلیں، یہاں تک کہ کئی بار اس کی آنکھیں الٹ گئیں۔ سدھا اور نرملا نے بیٹھ کر سویرا کر دیا۔ خیر، رات بخیریت تمام ہو گئی۔ اب بوڑھی ماں جی نیا رنگ لائیں۔ مہنگو نظر نہ اتار سکا۔ اس لیے اب کسی مولوی سے پھونک ڈلوانا ضروری ہو گیا۔ سدھا پھر بھی اپنے شوہر کو مطلع نہ کر سکی۔ مہری سوہن کو چادر میں لپیٹ کر ایک مسجد میں لے گئی۔ سدھا نے آج دل میں ارادہ کر لیا کہ رات خیرت سے گزری تو علی الصبح شوہر کو تار دوں گی۔

مگر رات خیریت سے نہ گزرنے پائی۔ آدھی رات ہوتے ہوتے بچہ ہاتھ سے نکل گیا۔ سدھا کا سرمایہ حیات دیکھتے دیکھتے اس کے ہاتھوں سے چھن گیا!

وہی جس کے بیاہ کا دو روز پہلے کھیل ہو رہا تھا آج سارے گھر کو رلا رہا ہے۔ جس کی بھولی بھالی صورت دیکھ کر آج ماں کی چھاتی پھٹ جاتی تھی۔ سارا گھر سدھا کو سمجھاتا تھا مگر اس کے آنسو نہ تھمتے تھے۔ صبر نہ ہوتا تھا۔ سب سے بڑا رنج اس بات کا تھا کہ شوہر کو کونسا منہ دکھاؤں گی کہ انہیں خبر تک نہ دی۔

رات ہی کو تار دے دیا گیا۔ اور دوسرے روز ڈاکٹر سنہا نو بجتے بجتے موٹر پر آ پہنچے۔ سدھا نے ان کے آنے کی خبر پائی تو اور بھی زار و قطار رونے لگی۔ بچے کی نعش کو دریا میں ڈال دیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کئی بار اندر آئے مگر سدھا ان کے پاس نہ گئی۔ ان کے سامنے کیسے جائے؟ انہیں کونسا منہ دکھائے؟ اس نے اپنی حماقت سے ان کی زندگی کا انمول جوہر چھین کر دریا میں ڈال دیا تھا۔ اب ان کے پاس جاتے ہوئے

اس کی چھاتی پھٹی جاتی تھی۔ بچے کو ان کی گودی میں دیکھ کر باپ کی آنکھیں چمک اٹھتی تھیں۔ بچہ ٹھمک کر باپ کی گود میں چلا جاتا تھا۔ ماں پھر بلاتی تو باپ کے سینے سے لپٹ جاتا تھا۔ اور لاکھ لاڈ پیار سے بلانے پر بھی باپ کی گود نہ چھوڑتا تھا۔ ماں کہتی تھی۔ بڑا مطلبی ہے۔ آج وہ کسے گود میں لے کر شوہر کے آگے جائے گی؟ اس کی سونی گود کو دیکھ کر کہیں وہ چلا کر رو نہ پڑیں! شوہر کے سامنے جانے کی بہ نسبت اسے مر جانا کہیں سہل معلوم ہوتا تھا وہ ایک لمحے کے لیے بھی نرملا کو نہ چھوڑتی تھی کہ کہیں شوہر کا سامنا نہ ہو جاوے۔

نرملا نے کہا ''بہن! اب جو ہونا تھا وہ ہو ہی چکا، اب ان سے کب تک بھاگتی پھرو گی؟ رات ہی کو چلے جائیں گے، اماں کہتی تھیں''

سدھا نے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا ''کونسا منہ لے کر ان کے پاس جاؤں؟ مجھے ڈر لگتا ہے کہ ان کے سامنے جاتے ہی میرے پاؤں نہ تھرانے لگیں اور گر نہ پڑوں''

نرملا: ''چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں، تمہیں سنبھالے رہوں گی''

سدھا: ''مجھے چھوڑ کر بھاگ تو نہ آؤ گی؟''

نرملا: ''نہیں نہیں! بھاگوں گی نہیں''

سدھا: ''میرا کلیجہ تو ابھی سے اڈ آتا ہے۔ میں اتنی سخت مصیبت میں پڑنے پر بھی بیٹھی ہوں۔ مجھے تعجب ہو رہا ہے۔ سوہن کو وہ بہت پیار کرتے تھے۔ بہن! نہ جانے ان کے دل کی کیا حالت ہو گی۔ میں انہیں ڈھارس کیا دوں خود ہی روتی ہوں گی کیا رات ہی کو جائیں گے؟''

نرملا: ''ہاں اماں جی کہتی تھیں، رخصت نہیں لی ہیں'' دونوں سہیلیاں مردانہ کمرے کی طرف چلیں، لیکن کمرے کے دروازے پر پہنچ کر سدھا نے نرملا کو رخصت کر دیا۔ تنہا کمرے میں داخل ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب گھبرا رہے تھے۔ جانے کو تیار تو بیٹھے تھے مگر دل نہ چاہتا تھا۔ زندگی سونی سی معلوم ہوتی تھی۔ دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔ اگر ایشور کو اتنی جلد یہ چیز دے کر چھین لینی تھی تو دی کیوں تھی؟ انہوں نے کبھی اولاد کے لیے ایشور سے التجا نہ کی تھی۔ وہ تمام عمر بے اولاد رہ سکتے تھے۔ مگر اولاد پا کر اس سے محروم ہو جانا انہیں نا قابل برداشت معلوم ہوتا تھا۔ کیا واقعی انسان ایشور کے ہاتھوں کا کھلونا ہے؟ یہی انسانی زندگی کی اہمیت ہے! وہ بچوں کا گھروندا ہے جس کے بننے کا کوئی سبب ہے نہ بگڑنے کا۔ پھر بچوں کو بھی اپنے گھروندے سے، اپنی کاغذی کشتیوں سے، اپنے لکڑی کے گھوڑوں سے محبت ہوتی ہے۔ اچھے کھلونے کو وہ مہان کے پیچھے کر رکھتے ہیں۔ اگر ایشور بچہ ہی ہے تو عجیب بچہ ہے!

مگر عقل سلیم تو ایشور کی ایسی شکل کو قبول نہیں کرتی۔ لامحدود خلقت کا خالق شریر بچہ نہیں ہو سکتا۔ ہم اسے ان تمام اوصاف سے متصف کرتے ہیں جو ہماری عقل کے پرے ہیں۔ کھلاڑی پن تو ان زبردست اوصاف میں نہیں! کیا ہنستے کھیلتے بچوں کی جان لے لینا کوئی کھیل ہے؟ کیا ایشور ایسے شیطانی کھیل کھیلتا ہے؟

دفعتاً سدھا دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور اس کے پاس جا کر بولے ”تم کہاں تھیں سدھا؟ میں تمہاری راہ دیکھ رہا تھا!“

سدھا کی آنکھوں میں کمرہ تیرتا ہوا معلوم ہوا۔ شوہر کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس نے ان کے سینے پر سر رکھ دیا اور رونے لگی۔ لیکن اس رونے میں اسے بے حد صبر و تسکین کا احساس ہو رہا تھا۔ شوہر کے سینے سے لپٹی ہوئی وہ اپنے دل میں ایک عجیب طاقت و تازگی پیدا ہوتی ہوئی محسوس کرتی تھی۔ گویا ہوا سے ہلتا ہوا چراغ آنچل کی اوٹ میں آ گیا ہو۔

ڈاکٹر صاحب نے اہلیہ کے اشک آلودہ رخساروں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے

کر کہا ''سدھا! تم اتنا چھوٹا دل کیوں کرتی ہو؟ سوہن اپنی زندگی میں جو کچھ کرنے آیا تھا اسے کر چکا تھا۔ پھر وہ کیوں بیٹھا رہتا؟ جیسے کوئی درخت پانی اور دھوپ سے بڑھتا ہے مگر ہوا کے تند جھونکوں سے مضبوط ہوتا ہے۔ اسی طرح محبت میں بھی رنج کی چوٹ ہی سے ارتقاء ہوتا ہے۔ خوشی میں ساتھ ہنسنے والے بہت مل جاتے ہیں، رنج میں جو ساتھ روئے وہی ہمارا سچا دوست ہے! جن دوستوں کو ساتھ رونا نہیں نصیب ہوا وہ محبت کے مزے کیا جانیں؟ سوہن کی موت نے آج ہماری دوئی کو بالکل مٹا دیا۔ آج ہی ہم نے ایک دوسرے کا سچا روپ دیکھا ہے۔ سدھا نے سسکتے ہوئے کہا ''میں نظر کے دھوکے میں تھی۔ ہائے تم اس کا منہ بھی نہ دیکھ پائے۔ نہ جانے ان دنوں اتنی سمجھ سے کہاں سے آ گئی تھی۔ جب مجھے روتے دیکھتا تو اپنی تکلیف بھول کر مسکرا دیتا۔ تیسرے ہی روز میرے لاڈلے کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ کچھ دوا دارو بھی نہ دینے پائی۔

یہ کہتے کہتے سدھا کے آنسو پھر امنڈ آئے۔ ڈاکٹر سنہا نے اسے سینے سے لگا کر رقت بھری آواز میں کہا '' پیاری! آج تک کوئی ایسا بچہ یا بوڑھا نہ مرا ہو گا جس کے گھر والوں کی دوا دارو والی خواہش پوری ہو گئی ہو''

سدھا: ''نرملا نے میری بڑی مدد کی۔ میں تو ایک آدھ جھپکی لے بھی لیتی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں نہیں جھپکیں۔ رات رات بھر لیے بیٹھی یا ٹہلتی رہتی تھی۔ اس کا احسان کبھی نہ بھولوں گی۔ کیا تم آج ہی جا رہے ہو؟''

ڈاکٹر: ''ہاں رخصت لینے کا موقع نہ تھا۔ سول سرجن شکار کھیلنے گیا ہوا تھا''

سدھا: ''یہ سب ہمیشہ شکار ہی کھیلا کرتے ہیں؟''

ڈاکٹر: ''بادشاہوں کا اور کام ہی کیا ہے؟''

سدھا: ''میں تو آج نہ جانے دوں گی''

ڈاکٹر: ''جی تو میرا ابھی نہیں چاہتا''

سدھا: ''تو نہ جاؤ، تار دے دو، میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ نرملا کو بھی لیتی چلوں گی''

سدھا وہاں سے لوٹی تو اس کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ شوہر کی محبت آمیز گفتگو نے اس کے تمام رنج و غم کو دور کر دیا تھا۔ محبت میں بے حد تیقن ہے، بے حد تسکین ہے اور بے حد طاقت ہے!

18

جب ہم پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو اس سے ہمیں صرف رنج ہی نہیں ہوتا، بلکہ ہمیں دوسروں کے طعنے بھی سہنے پڑتے ہیں۔ عوام کو ہمارے متعلق رائے زنی کرنے کا اچھا موقع مل جاتا ہے۔ جس کے وہ متلاشی رہتے ہیں۔ منسارام کیا مرا گویا لوگوں کو آوازے کسنے کا بہانہ مل گیا۔ اندر کی بات کون جانے؟ ظاہری بات تو یہ تھی کہ یہ سب سوتیلی ماں کی کرتوت ہے۔ چاروں طرف یہی چرچا تھا۔ ایشور نہ کرے لڑکوں کی سوتیلی ماں سے پالا پڑے۔ جس کو اپنا بنا ہوا گھر اجاڑنا ہو، اپنے پیارے بچوں کے ہوتے ہوئے اپنی دوسری شادی کرے۔ ایسا کبھی دیکھا کہ سوت کے آنے پر گھر نہ تباہ ہو گیا ہو۔ وہی باپ جو بچوں پر جان دیتا تھا سوت کے آتے ہی انہیں بچوں کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اس کی مت بھی بدل جاتی ہے! ایسی دیوی نے جنم ہی نہیں لیا جس نے سوت کے بچوں کو اپنا سمجھا ہو۔

مشکل یہ تھی کہ لوگ ایسی رائے زنی کرنے پر ہی قانع نہ ہوتے تھے۔ کچھ ایسے بھلے لوگ بھی تھے جنہیں اب جیارام اور سیارام سے خاص محبت ہو گئی تھی۔ وہ دونوں لڑکوں سے بڑی ہمدردی ظاہر کرتے، حتیٰ کہ دو چار عورتیں تو ان کی ماں کے مزاج اور برتاؤ کو یاد کر کے آنسو بہانے لگتی تھیں۔ ہائے ہائے، بے چاری کیا جانتی تھی کہ اس کے مرتے ہی اس کے لاڈلوں کی یہ درگت ہو گی؟

اب دودھ مکھن کا ہے کو ملتا ہو گا؟

جیارام کہتا ''ملتا کیوں نہیں!''

عورت کہتی، ملتا ہے! ارے بیٹا، ملنا بھی کئی طرح کا ہوتا ہے، پانی ملا دودھ ٹکے سیر کا منگا کر رکھ دیا۔ پیو چاہے نہ پیو، کون پوچھتا ہے؟ نہیں تو بے چاری نوکر سے دودھ دوہا کر منگاتی تھی۔ وہ تو چہرہ ہی کہے دیتا ہے۔ دودھ کی صورت چھپی نہیں رہتی۔ وہ صورت ہی نہیں رہی۔

جیارام کو اپنی ماں کے وقت کے دودھ کا ذائقہ تو یاد تھا نہیں جو اس الزام کی تردید کرتا اور نہ اس وقت کی اپنی صورت ہی یاد تھی، ناچار خاموش ہو جاتا۔ ان خیر خواہیوں کا اثر بھی ہونا قدرتی تھا۔ جیارام کو اپنے گھر والوں سے نفرت ہوتی جاتی تھی۔ منشی جی مکان نیلام ہو جانے کے بعد دوسرے گھر میں اٹھ گئے تو کرایہ کی ہوئی۔ نرملا نے مکھن منگانا بند کر دیا۔ جب وہ آمدنی نہ رہی تو وہ خرچ کیسے رہتا۔ دونوں کہار علیحدہ کر دیئے گئے۔ جیارام کو پڑھانے والے ماسٹر شرما کر بھی جواب دے دیا گیا۔ جیارام کو یہ قطع و برید ناگوار معلوم ہوتی تھی۔ جب نرملا مائکہ چلی گئی تو منشی جی نے دودھ بھی بند کر دیا۔ نوزائیدہ لڑکی کی فکر ابھی سے ان کے سر پر سوار ہو گئی تھی!

جیارام نے بگڑ کر کہا ''دودھ بند کر دینے سے تو آپ کا محل بن رہا ہو گا، کھانا بھی بند کر دیجیے''

منشی جی: ''دودھ پینے کا شوق ہے تو جا کر دوہا کیوں نہیں لاتے؟ پانی کے پیسے تو مجھ سے نہ دیے جائیں گے''

جیارام: ''میں دودھ دوہانے جاؤں اور کوئی سکول کا لڑکا دیکھ لے تب؟''

منشی جی: ''تب کچھ نہیں کہہ دینا کہ اپنے لیے دودھ لیے جاتا ہوں۔ دودھ لانا کوئی عیب نہیں ہے!''

جیارام: ''عیب نہیں ہے؟ آپ ہی کو کوئی دودھ لاتے دیکھ لے تو آپ کو شرم نہ

آئے گی؟''

منشی جی: ''بالکل نہیں میں نے تو انہیں ہاتھوں سے پانی کھینچا ہے۔ اناج کی گٹھریاں اٹھائی ہیں! میرے باپ لکھ پتی نہیں تھے''

جیارام: ''میرے باپ تو غریب نہیں ہیں، میں کیوں دودھ دوہا نے جاؤں؟ آخر آپ نے کہاروں کو کیوں جواب دے دیا۔''

منشی جی: ''کیا تمہیں اتنا بھی نہیں سوجھتا کہ میری آمدنی اب پہلے سی نہیں رہی، اتنے نادان تو نہیں ہو!''

جیارام: ''آخر آپ کی امدنی کیوں کم ہوگئی؟''

منشی جی: ''جب تمہیں عقل ہی نہیں ہے تو کیا سمجھاؤں؟ یہاں زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔ مقدمے کون لے؟ لوں بھی تو تیار کون کرے؟ وہ دل ہی نہیں رہا۔ اب تو زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں، سارے ارمان منسارام کے ساتھ چلے گئے۔''

جیارام: ''اپنے ہی ہاتھوں نہ؟''

منشی جی نے چیخ کر کہا ''ارے احمق! وہ ایشور کی مرضی تھی، اپنے ہاتھوں اپنا گلا کون کاٹتا ہے۔''

جیارام: ''ایشور تو آپ کا بیاہ کرنے نہ آیا تھا؟''

منشی جی اب ضبط نہ کر سکے۔ سرخ سرخ آنکھیں نکال کر بولے ''کیا تم آج لڑنے کے لیے کمر باندھ کر آئے ہو؟ آخر کس برتے پر؟ میری روٹیاں تو نہیں چلاتے۔ جب اس قابل ہو جانا تو مجھے نصیحت کرنا تب میں سن لوں گا۔ ابھی تم کو مجھے نصیحت کرنے کا حق نہیں ہے۔ کچھ دنوں ادب اور تمیز سیکھو۔ تم میرے صلاح کار نہیں ہو کہ میں جو کام کروں، اس میں تم سے صلاح لوں۔ میری پیدا کی ہوئی دولت ہے، اسے جس طرح چاہوں خرچ کر سکتا ہوں۔ تم کو زبان کھولنے کا بھی اختیار نہیں ہے۔ اگر پھر تم نے مجھ سے ایسی بے ادبی کی تو نتیجہ برا ہوگا۔ جب منسارام جیسا رتن

کھوکر میری جان نہ نکلی تو تمہارے بغیر میں مر نہ جاؤں گا، سمجھ گئے"

ایسی بری طرح ڈانٹے جانے پر بھی جیارام وہاں سے نہ ٹلا۔ بے خوفی سے بولا "تو کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہمیں خواہ کتنی ہی تکلیف ہو، مگر زبان نہ ہلائیں؟ مجھ سے تو نہ ہوگا۔ بھائی صاحب کو ادب اور تمیز کا جو انعام ملا اس کی مجھے حاجت نہیں۔ مجھ میں زہر کھا کر جان دینے کی جرأت نہیں! ایسے ادب کو دور سے سلام کرتا ہوں"

منشی جی: "تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم نہیں آتی؟"

جیارام: "لڑکے اپنے بزرگوں ہی کی نقل کرتے ہیں"

منشی جی کا غصہ فرو ہوگیا۔ جیارام پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا، اس کا انہیں یقین ہو گیا، اٹھ کر ٹہلنے چلے گئے۔ آج انہیں معلوم ہوگیا۔ کہ یہ گھر جلد ہی تباہ ہونے والا ہے۔

اس روز سے باپ بیٹے میں کسی نہ کسی بات پر ہمیشہ کھٹ پٹ ہو جاتی۔ منشی جی جیوں جیوں طرح دیتے، جیارام اور بھی شریر ہوتا جاتا تھا۔ ایک روز جیارام نے رکمنی سے یہاں تک کہہ ڈالا "باپ ہے یہ سمجھ کر درگزر کرتا ہوں۔ ورنہ میرے ایسے ساتھی ہیں کہ چاہوں تو سر بازار پٹوا دوں" رکمنی نے منشی جی سے کہہ دیا۔ منشی جی نے ظاہراً تو لاپرواہی دکھائی مگر ان کے دل میں اندیشہ پیدا ہوگیا شام کو ہوا خوری کرنا چھوڑ دیا۔ یہ نئی فکر لاحق ہوگئی۔ اس خوف سے نرملا کو بھی نہ بلاتے تھے کہ یہ شیطان اس کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے گا۔ جیارام ایک بار دبی زبان سے کہہ بھی چکا تھا کہ دیکھوں اب کے کیسے اس گھر میں آتی ہیں، دور ہی سے دھتکار نہ دوں تو جیارام نام ہی نہیں بوڑھے میاں کر رہی کیا سکیں گے؟

منشی جی بھی خوب سمجھ گئے تھے کہ میں اس کا کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ کوئی غیر شخص ہوتا تو اس کو پولیس اور قانون کے شکنجہ میں کسے، اپنے لڑکے کو کیا کریں؟ سچ کہا ہے کہ آدمی ہارتا ہے تو اپنے لڑکوں سے!

ایک روز ڈاکٹر سنہا نے جیا رام کو سمجھانا شروع کیا۔ جیا رام ان کا ادب کرتا تھا، چپ چاپ بیٹھا سنتا رہا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے آخر میں دریافت کیا کہ تم چاہتے کیا ہو تو وہ بولا ''صاف صاف کہہ دوں نہ، برا تو مانیے گا؟''

سنہا: ''نہیں تو کچھ تمہارے دل میں ہو صاف صاف کہہ دو؟''

جیا رام: ''تو سنیے جب سے بھیا مرے ہیں مجھے باپ کی صورت دیکھ کر غصہ آتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں نے ان کو ہلاک کیا ہے اور کسی روز موقع پا کر ہم دونوں بھائیوں کو بھی ہلاک کر ڈالیں گے۔ اگر ان کی یہ خواہش نہ ہوتی تو شادی ہی کیوں کرتے؟''

ڈاکٹر صاحب نے بڑی مشکل سے ہنسی روک کر کہا ''تمہیں ہلاک کرنے کے لیے انہیں شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، بلا شادی کے بھی وہ ہلاک کر سکتے تھے''

جیا رام: ''کبھی نہیں، اس وقت تو ان کا دل ہی کچھ اور تھا، اب منہ تک نہیں دیکھنا چاہتے۔ ان کی یہی مرضی ہے کہ ان کے راستے سے ہم لوگوں کو ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ یہی ان دونوں کا دلی منشا ہے۔ ہمیں طرح طرح کی تکلیفیں دے کر بھگا دینا چاہتے ہیں۔ اسی لیے آج کل مقدمہ نہیں لیتے۔ ہم دونوں بھائی آج مر جائیں، تو پھر دیکھیے کہ کیسی بہار ہوتی ہے''

ڈاکٹر: ''اگر تمہیں بھگانا ہی ہوتا تو کوئی الزام لگا کر گھر سے نکال نہ دیتے؟''

جیا رام: ''اس کے لیے پہلے ہی تیار بیٹھا ہوں''

ڈاکٹر: ''میں بھی سنوں، کیا تیاری کی ہے؟''

جیا رام: ''جب موقع آئے گا دیکھ لیجیے گا''

یہ کہہ کر جیا رام چلتا ہوا۔ ڈاکٹر سنہا نے بہت پکارا! مگر اس نے مڑ کر دیکھا بھی نہیں۔ کئی روز کے بعد ڈاکٹر صاحب کی جیا رام سے پھر ملاقات ہو گئی۔ ڈاکٹر

صاحب سینما دیکھنے کے شائق تھے اور جیا رام کی تو جان ہی سینما میں تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے سینما پر رائے زنی کرتے ہوئے جیا رام کو باتوں میں لگا لیا اور اپنے گھر لے گئے۔ کھانے کا وقت آ گیا تھا۔ دونوں کھانے پر بیٹھے۔ جیا رام کو یہاں کھانا بہت لذیذ معلوم ہوا بولا ''میرے یہاں تو جب سے مہراج بھی علیحدہ ہوا، کھانے کا مزہ ہی جاتا رہا۔ بوا جی پکا ویشنو کھانا بناتی ہیں۔ جبراً کھا لیتی ہوں مگر دراصل کھانے کو جی نہیں چاہتا۔''

ڈاکٹر: ''میرے یہاں تو جب گھر میں کھانا پکتا ہے تو اس سے کہیں زیادہ مزے دار ہوتا ہے۔ تمہاری بوا جی پیاز لہسن نہ چھوتی ہوں گی؟''

جیا رام: ''ہاں صاحب، ابال کر رکھ دیتی ہیں۔ لالہ جی کو اس کی پرواہ نہیں کہ کوئی کھاتا ہے یا نہیں۔ اسی لیے تو مہراج کو علیحدہ کر دیا ہے۔ اگر روپے نہیں ہیں تو روز گہنے کہاں سے بنتے ہیں؟''

ڈاکٹر: ''یہ بات نہیں ہے، جیا رام! ان کی آمدنی واقعی بہت کم ہو گئی ہے۔ تم انہیں بہت دق کرتے ہو''

جیا رام: ''(ہنس کر) میں انہیں دق کرتا ہوں۔ مجھ سے قسم لے لیجیے کہ جو کبھی ان سے بولتا بھی ہوں۔ مجھے بدنام کرنے کا انہوں نے بیڑا اٹھا لیا ہے۔ بے سبب، بے وجہ پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ میرے دوستوں سے بھی انہیں چڑ ہے۔ آپ ہی سوچیے کہ دوستوں کے بغیر کوئی زندہ رہ سکتا ہے۔ میں کوئی ذائقہ نہیں ہوں کہ لقوں کی صحبت کروں۔ مگر آپ دوستوں ہی کے پیچھے مجھے روزانہ تنگ کیا کرتے ہیں۔ کل تو میں نے صاف کہہ دیا کہ میرے دوست میرے گھر آئیں گے کسی کو اچھا لگے یا برا۔ جناب! کوئی ہو، مگر ہر وقت کی دھونس نہیں سہہ سکتا''

ڈاکٹر: ''مجھے تو بھئی ان پر رحم آتا ہے۔ یہ وقت ان کے آرام کرنے کا تھا۔ ایک تو بڑھاپا، اس پر بیٹے کی جواں مرگ کا غم۔ صحت بھی اچھی نہیں۔ ایسا آدمی کیا کر

سکتا ہے؟ وہ جو کچھ تھوڑا بہت کرتے ہیں، وہی بہت ہے۔ تم ابھی اور کچھ نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنی بول چال سے تو انہیں خوش رکھ سکتے ہو۔ بوڑھوں کو خوش رکھنا بہت مشکل کام نہیں، مانو کہ تمہارا ہنس کر بولنا ہی انہیں خوش کرنے کو کافی ہے۔ اتنا پوچھنے میں تمہارا کیا خرچ ہوتا ہے کہ بابو جی آپ کا مزاج کیسا ہے؟ وہ تمہاری یہ کج روی دیکھ کر دل میں دل میں کڑھتے ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کئی مرتبہ رو چکے ہیں۔ مان لو کہ انہوں نے شادی کرنے میں غلطی کی۔ اسے وہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر تم اپنے فرض سے کیوں نہ موڑتے ہو؟ وہ تمہارے باپ ہیں، تمہیں ان کی خدمت کرنی چاہیے۔ ایک بات بھی اسی منہ سے نہ نکالنی چاہیے جس سے ان کا دل دکھے۔ انہیں یہ خیال کرنے کا موقع ہی کیوں دو کہ سب کے سب میری کمائی کھانے والے ہیں۔ بات پوچھنے والا کوئی نہیں؟ میری عمر تم سے کہیں زیادہ ہے، جیا رام! مگر آج تک میں نے اپنے والد صاحب کو کسی بات پر جواب نہیں دیا۔ وہ آج بھی مجھے ڈانٹتے ہیں۔ میں سر جھکا کر سن لیتا ہوں کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں میرے بھلے ہی کے لیے کہتے ہیں۔ ماں باپ سے بڑھ کر ہمارا بہی خواہ اور کون ہو سکتا ہے؟ ان کے احسان سے کون سبکدوش ہو سکتا ہے۔"

جیا رام بیٹھا روتا رہا۔ ابھی اس کی نیک دلی بالکل زائل نہیں ہوگئی تھی۔ اپنی ناخلفی اسے صاف نظر آ رہی تھی۔ اتنی پشیمانی اسے بہت روز سے نہ ہوئی تھی۔ اس نے رو کر ڈاکٹر صاحب سے کہا "میں بہت نادم ہوں۔ میں دوسروں کے بہکانے میں آ گیا تھا۔ اب آپ میری ذرا بھی شکایت نہ سنیں گے۔ آپ والد صاحب سے میرا قصور معاف کرا دیجیے۔ میں واقعی بڑا بدنصیب ہوں۔ انہیں میں نے بہت ستایا۔ ان سے کہیے کہ میرا قصور معاف کر دیں، ورنہ میں اپنے منہ کالکھ لگا کر کہیں نکل جاؤں گا، کہیں ڈوب مروں گا"

ڈاکٹر صاحب نصیحت دہی پر پھولے نہ سمائے انہوں نے جیا رام کو گلے لگا کر

رخصت کیا۔ جیا رام گھر پہنچا تو گیارہ بج گئے تھے۔ منشی جی کھانا کھا کر ابھی باہر آئے تھے۔ اسے دیکھتے ہی بولے ”جانتے ہو، کتنے بجے ہیں؟ بارہ کا وقت ہے؟“

جیا رام نے نہایت عاجزی سے کہا ”ڈاکٹر سنہا مل گئے۔ ان کے ساتھ ان کے مکان تک چلا گیا۔ انہوں نے کھانے کے لیے اصرار کیا۔ مجبوراً کھانا پڑا؟“

منشی جی: ”ڈاکٹر سنہا سے دکھڑا رونے گئے ہوگے یا اور کوئی کام تھا؟“

جیا رام کی عاجزی کا ایک چوتھائی حصہ مفقود ہو گیا، بولا ”دکھڑا رونے کی میری عادت نہیں ہے۔“

منشی جی: ”ذرا بھی نہیں۔ تمہارے منہ میں زبان ہی نہیں ہے! مجھ سے جو لوگ تمہاری باتیں کہا کرتے ہیں وہ یوں ہی کہا کرتے ہوں گے؟“

جیا رام: ”اوروں کی تو میں نہیں کہتا مگر آج ڈاکٹر سنہا کے یہاں میں نے کوئی بات ایسی نہیں کہی جو اس وقت آپ کے روبرو نہ کہہ سکوں“

منشی جی: ”خوشی کی بات ہے، بے حد خوشی ہوئی۔ آج سے مریدی کر لی ہے کیا؟“

جیا رام کی عاجزی کا ایک چوتھائی حصہ اور غائب ہو گیا۔ سر اٹھا کر بولا ”آدمی بلا مرید ہوئے بھی اپنی برائیوں پر نادم ہو سکتا ہے۔ اپنا سدھار کرنے کے لیے گورو کا منتر کوئی چیز نہیں“

منشی جی: ”اب تو شہدے نہ جمع ہوں گے؟“

جیا رام: ”آپ کسی کو شہدا کیوں کہتے ہیں۔ جب تک ایسا کہنے کے لیے آپ کے پاس کوئی ثبوت نہیں؟“

منشی جی: ”تمہارے دوست سب شہدے لُچے ہیں۔ میں تمہیں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ انہیں یہاں نہ جمع کرو، مگر تم نے سنا نہیں۔ آج میں آخری بار کہہ دیتا ہوں کہ اگر تم نے ان کو پھر جمع کیا تو مجھے پولیس کی مدد لینی پڑے گی“

جیا رام کی عاجزی کا ایک چوتھائی اور غائب ہو گیا، کڑک کر بولا، اچھی بات ہے،

پولیس کی مدد لیجیے! دیکھوں پولیس کیا کرتی ہے؟ میرے دوستوں میں نصف سے زیادہ پولیس کے افسروں کے ہی لڑکے ہیں۔ جب آپ میرا سدھار کرنے پر تلے ہوئے ہیں تو میں بے فائدہ کیوں تکلیف برداشت کروں؟

یہ کہتا ہوا جیا رام اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور ایک لمحے کے بعد ہارمونیم کے نغمہ شیریں کی آواز باہر آنے لگی۔

ہمدردی کا جلا ہوا چراغ بے دردانہ طنز والی ہوا کے ایک جھونکے سے بجھ گیا یا اڑا ہوا گھوڑا دم دلاسا سے ذرا آگے بڑھنے کو تھا کہ چابک پڑتے ہی پھر اڑ گیا۔ اور گاڑی کو پیچھے کی طرف دھکیلنے لگا۔

19

اب کے سدھا کے ساتھ نرملا کو بھی آنا پڑا۔ وہ تو مائکہ میں کچھ دنوں اور رہنا چاہتی بھی، مگر مغموم سدھا تنہا کیسے رہتی، اس کی خاطر سے نرملا کو آنا پڑا۔

رکمنی نے بھنگی سے کہا ''دیکھتی ہے، بہو میکے سے کیسی نکھر کر آئی ہے؟''

بھنگی نے کہا ''دیدی! اماں کے ہاتھ کی روٹیاں لڑکیوں کو بہت اچھی لگتی ہیں''

رکمنی: ''ٹھیک کہتی ہے بھنگی! کھلانا تو کچھ ماں ہی جانتی ہے''

نرملا کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گھر کا کوئی آدمی اس کے آنے سے خوش نہیں۔ منشی جی نے خوشی تو بہت دکھائی مگر دلی تفکر کو نہ چھپا سکے۔ بچی کا نام سدھا نے آشا رکھ دیا تھا۔ وہ آشا کی مورت سی تھی بھی۔ اسے دیکھ کر ساری فکر دور ہو جاتی تھی۔ منشی جی نے اسے گودی میں لینا چاہتا تو وہ رونے لگی اور دوڑ کر ماں سے لپٹ گئی گویا باپ کو جانتی ہی نہ تھی۔ منشی جی نے شیرینی کے ذریعے اسے مانوس کرانا چاہا۔ گھر میں کوئی نوکر تو تھا نہیں، جا کر سیارام سے دو آنے کی مٹھائی لانے کو کہا جیا رام بھی بیٹھا ہوا تھا۔ بول اٹھا، ہم لوگوں کے لیے تو کبھی مٹھائی نہیں آتی۔

منشی جی نے جھنجھلا کر کہا ''تم لوگ بچے نہیں ہو''

جیا رام: ''اور کیا بوڑھے ہیں؟ مٹھائیاں منگوا کر رکھوا دیجیے تو معلوم ہو کہ بچے ہیں یا بوڑھے۔ نکالیے چار آنے اور آشا کی بدولت ہمارے نصیب بھی جاگیں۔''

منشی جی: ''کیا فضول باتیں کرتے ہو؟ ننھی سی بچی کی برابری کرتے تمہیں شرم نہیں آتی! جاؤ سیارام، یہ پیسے لو''

جیا رام: ''مت جانا سیا! تم کسی کے نوکر نہیں ہو''

سیارام بڑے شش و پنج میں پڑ گیا۔ کس کا کہنا کرے؟ بالآخر اس نے جیا رام کا کہنا ماننے کا ارادہ کر لیا۔ باپ سے زیادہ سے زیادہ ڈانٹ دیں گے، جیا تو مارے گا۔ پھر وہ کس کے پاس فریاد لے کر جائے گا۔ بولا ''میں نہ جاؤں گا''

منشی جی نے دھمکا کر کہا ''اچھا میرے پاس کوئی چیز مانگنے مت آنا''

منشی جی خود بازار چلے گئے اور ایک روپے کی شیرینی لے کر لوٹے۔ دو آنے کی مٹھائی لیتے ہوا نہیں شرم معلوم ہوئی۔ حلوائی انہیں پہچانتا تھا۔ دل میں کیا کہے گا؟

مٹھائی لیے ہوئے منشی جی اندر چلے گئے۔ سیارام نے مٹھائی کا بڑا سا دونا دیکھا تو باپ کا کہنا نہ ماننے کا اسے رنج ہوا اب وہ کس منہ سے مٹھائی لینے اندر جائے گا؟ بڑی غلطی ہوئی۔ وہ دل ہی دل میں جیا رام کے طمانچوں کی چوٹ کا شیرینی کی حلاوت سے موازنہ کرنے لگا۔

دفعتاً بھنگی نے دو طشتریاں دونوں کے سامنے لاکر رکھ دیں، جیا رام نے بگڑ کر کہا'' اسے اٹھا لے جا''

بھنگی: ''کاہے کو بگڑتے ہو بابو؟ کیا مٹھائی اچھی نہیں لگتی؟''

جیا رام: ''مٹھائی آشا کے لیے آئی ہے۔ ہمارے لیے نہیں۔ لے جا! ورنہ میں سڑک پر پھینک دوں گا۔ ہم تو پیسے پیسے کے لیے ترستے رہتے ہیں اور یہاں روپیوں کی مٹھائی آتی ہے۔''

بھنگی: ''تم لے لو بابو! یہ نہ لیں گے نہ سہی'' سیارام نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھایا

تھا کہ جیا رام نے ڈانٹ کر کہا ''مت چھونا مٹھائی، ورنہ ہاتھ توڑ کر رکھ دوں گا لالچی کہیں کا'' سیارام یہ ڈانٹ سن کر سہم گیا۔ مٹھائی کھانے کی ہمت نہ پڑی۔ نرملا نے یہ ماجرا سنا تو دونوں لڑکوں کو منانے چلی۔ منشی جی نے کڑی قسم کھلا دی۔

نرملا: ''آپ سمجھتے نہیں یہ سارا غصہ مجھ پر ہے''

منشی جی: ''گستاخ ہو گیا ہے۔ اس خیال سے سختی نہیں کرتا کہ لوگ کہیں گے بن ماں کے بچوں کو ستاتے ہیں، ورنہ ساری شرارت گھڑی بھر میں نکال دوں گا''

نرملا: ''اسی بدنامی کا مجھے بھی تو خوف ہے''

منشی جی: ''اب ڈروں گا نہیں جس کے جی میں آئے کہے''

نرملا: ''پہلے تو یہ ایسے نہ تھے''

منشی جی: ''اجی کہتا ہے'' کہ آپ کے لڑکے موجود تھے۔ آپ نے بیاہ کیوں کیا؟ یہ کہنے میں بھی اسے تامل نہیں ہوتا کہ آپ لوگوں نے منسا رام کو زہر دے دیا۔ لڑکا نہیں ہے دشمن ہے!

جیا رام دروازے کے پاس چھپا ہوا کھڑا تھا۔ میاں بیوی میں کیا باتیں ہوتی ہیں۔ یہی سننے وہ آیا تھا۔ منشی جی کا آخری جملہ سن کر اس سے رہا نہ گیا بول اٹھا ''دشمن نہ ہوتا تو آپ اس کے پیچھے کیوں پڑتے؟ آپ جو اس وقت کہہ رہے ہیں وہ میں بہت پیشتر پہلے سے سمجھے ہوئے بیٹھا ہوں۔ بھیا نہ سمجھتے تھے، دھوکہ کھا گئے۔ ہمارے ساتھ آپ کی دال نہ گلے گی۔ سارا زمانہ کہہ رہا ہے کہ بھائی صاحب کو زہر دیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں تو کیوں آپ کو غصہ آتا ہے؟''

نرملا نے سناٹے میں آ گئی۔ معلوم ہوا کسی نے اس کے بدن پر انگارے ڈال دیئے۔ منشی جی نے ڈانٹ کر جیا رام کو چپ کرانا چاہا مگر جیا رام بے خوفی کے ساتھ اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا رہا۔ یہاں تک کہ نرملا کو بھی اس پر غصہ آ گیا۔ یہ کل کا چھوکرا نہ کسی کام نہ کاج کا، یوں کھڑا اترا رہا ہے۔ جیسے سارے گھر والوں کی پرورش

یہی کرت اہے۔ تیوریاں چڑھا کر بولی ”بس اب بہت ہوا جیا رام! معلوم ہو گیا کہ تم بڑے لائق ہو باہر جا کر بیٹھو“

منشی جی ذرا دب کر بولتے رہے، اب نرملا کی شہہ پائی تو دل بڑھ گیا۔ دانت پیس کر لپکے اور اس سے قبل کہ نرملا ان کے ہاتھ پکڑ سکے ایک تھپڑ چلا ہی دیا گا۔ تھپڑ نرملا کے منہ پر پڑا۔ وہی سامنے پڑ گئی تھی۔ سر چکرا گیا ”منشی جی کے خشک ہاتھوں میں بھی اتنی سکت ہے، اس کا وہ قیاس نہ کر سکتی تھی۔ سر تھام کر بیٹھ گئی منشی جی کا غصہ اور بھی بھڑک اٹھا پھر گھونسا چلایا مگر اب کے جیا رام نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور پیچھے دھکیل کر بولا“ دور سے باتیں کیجیے ناحق اپنی بے عزتی کراتے ہیں۔ اماں جی کا لحاظ کر رہا ہوں ورنہ دکھا دیتا

یہ کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ منشی جی بے حس کھڑے رہ گئے۔ اس وقت اگر جیا رام پر خدائی قہر نازل ہوتا تو شاید انہیں دلی مسرت ہوتی۔ جس لڑکے کو بھی گودی میں لے کر خوش ہو جاتے تھے۔ اسی کے متعلق آج انواع، اقسام کی بد اندیشیاں پیدا ہو رہی تھیں۔

رکمنی اب تک تو اپنی کوٹھری میں تھی اب آ کر بولی ”بیٹا اپنے برابر کا ہو گیا تو اس پر ہاتھ نہ چلانا چاہیے“

منشی جی ہونٹ چبا کر کہا ”میں اسے گھر سے نکال کر دم لوں گا۔ بھینک مانگے یا چوری کرے، مجھ سے کوئی واسطہ نہیں“

رکمنی: ”ناک کس کی کٹے گی؟“

منشی جی: ”اس کی پرواہ نہیں“

نرملا: ”میں جانتی کہ میرے آنے سے یہ طوفان اٹھ کھڑا ہو گا تو بھول کر بھی نہ آتی۔ اب بھی بہتر ہے، مجھے بھیج دیجیے۔ اس گھر میں مجھ سے رہا نہ جائے گا“

رکمنی: ”تمہارا بہت لحاظ کرتا ہے۔ بہو! ورنہ آج آفت آ جاتی“

نرملا: ''اب اور کیا آفت ہوگی دیدی جی! میں پھونک پھونک کر قدم رکھتی ہوں۔ پھر بھی کلنک لگ جاتا ہے۔ ابھی گھر میں قدم رکھے دیر نہیں ہوئی اور یہ حال ہو گیا۔ ایشور ہی کشل کریں!''

رات کو کھانے کے لیے کوئی نہ اٹھا۔ تنہا منشی جی نے کھایا۔ نرملا کے دل میں آج ایک نئی فکر پیدا ہو گئی تھی۔ زندگی کیسے پار ہوگی؟ اپنا ہی پیٹ ہوتا تو کوئی خاص تردو نہ تھا۔ اب تو ایک نئی بلا گلے پڑ گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ میری ننھی بچی کے بھاگ میں کیا لکھا ہے رام؟

20

فکر میں نیند کب آتی ہے؟ نرملا پلنگ پر پڑی کروٹیں بدل رہی تھی۔ کتنی ہی کوشش کرتی تھی کہ نیند آ جاوے مگر نیند نے تو نہ آنے کی قسم ہی کھالی تھی۔ چراغ ٹھنڈا کر دیا تھا۔ کھڑکی کھول دی تھی۔ ٹک ٹک کرنے والی گھڑی بھی دوسرے کمرے میں رکھ آئی تھی، مگر نیند کا نام نہ تھا۔ جتنی باتیں سوچنی تھی، سب سوچ چکی، تفکرات کا خاتمہ ہو گیا، مگر پلک نہ جھپکی۔ تب اس نے پھر لیمپ جلایا اور ایک کتاب پڑھنے لگی۔ دو چار صفحے پڑھے ہوں گے کہ جھپکی آ گئی۔ کتاب کھلی کی کھلی رہ گئی۔

دفعتاً جیا رام نے کمرے میں قدم رکھا۔ اس کے پیر تھر تھر کانپ رہے تھے۔ اس نے کمرے کے اوپر نیچے دیکھا۔ نرملا سوئی ہوئی تھی۔ اس کے سرہانے طاق پر ایک چھوٹا سا پیتل کا صندوقچہ رکھا ہوا تھا۔ جیا رام دبے پاؤں گیا۔ آہستہ سے صندوقچہ اتارا اور بڑی تیزی سے کمرے سے باہر نکلا۔ اسی وقت نرملا کی آنکھیں کھل گئیں۔ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی دروازہ پر آ کر دیکھا۔ کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ یہ جیا رام ہے؟ میرے کمرے میں کیا کرنے آیا تھا۔ کہیں مجھے دھوکہ تو نہیں ہوا؟ شاید دیدی جی کے کمرے سے آیا ہو۔ یہاں اس کا کام ہی کیا تھا؟ شاید مجھے کچھ کہنے آیا ہو اور سوتا دیکھ کر چلا گیا ہو۔ لیکن اس وقت کیا کہنے آیا ہو گا؟ اس کی نیت کیا ہے؟ اس کا دل

کانپ اٹھا۔

منشی جی اوپر چھت پر سو رہے تھے۔ منڈیر نہ ہونے کے سبب نرملا اوپر نہ سو سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ چل کر انہیں جگاؤں مگر جانے کی ہمت نہ پڑی۔ شکّی آدمی ہیں، نہ جانے کیا سمجھ بیٹھیں! اور کیا کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اگر پھر وہی کتاب پڑھنے لگی۔ سویرے پوچھنے پر آپ ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جانے، مجھے دھوکا ہی ہوا ہو۔ نیند میں کبھی دھوکا ہو جاتا ہے، لیکن صبح پوچھنے کا ارادہ کر لینے پر بھی اس کی نیند نہ آئی۔

صبح وہ ناشتہ لے کر خود جیا رام کے پاس گئی تو اسے دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ روز تو بھنگی آتی تھی، آج یہ کیوں آ رہی ہیں؟ نرملا کی طرف دیکھنے کی اسے جرأت نہ ہوئی۔

نرملا نے اس کو تیقن آمیز نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا "رات کو تم میرے کمرے میں گئے تھے"

جیا رام نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا "میں بھلا رات کو کیا کرنے جاتا؟ کیا کوئی گیا تھا؟" نرملا نے اس لہجے میں کہا گویا اسے اس کی بات کا پورا یقین ہو گیا تھا "ہاں مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی میرے کمرے سے نکلا ہے۔ میں نے اس کا چہرہ تو نہ دیکھا مگر اس کی پیٹھ دیکھ کر قیاس کیا کہ شاید تم کسی کام سے آئے ہو۔ اس کا پتہ کیسے چلے کہ کون تھا؟ کوئی تھا ضرور اس میں ذرا شبہ نہیں۔"

جیا رام اپنے کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہنے لگا "میں تو رات کو تھیٹر دیکھنے چلا گیا تھا۔ وہاں سے لوٹا تو ایک دوست کے گھر میں لیٹ رہا۔ تھوڑی دیر ہوئی، لوٹا ہوں میرے ساتھ اور بھی کئی دوست تھے، جس سے جی چاہے پوچھ لیں۔ ہاں بھئی میں بہت ڈرتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کوئی چیز اٹھ گئی ہو تو میرا نام لگے۔ چوری تو کوئی پکڑ نہیں سکتا، میرے ماتھے لگ جائے گی۔ بابو جی کو آپ جانتی ہیں، مجھے مارنے دوڑیں گے"

نرملا: ''تمہارا نام کیوں لگے گا۔ اگر تمہیں ہوتے تو بھی تمہیں کوئی چوری نہیں لگا سکتا۔ چوری دوسرے کی چیز کی جاتی ہے اپنی چیز کی چوری کوئی نہیں کرتا۔''

ابھی تک نرملا کی نگاہ اپنے صندوقچہ پر نہ پڑی تھی۔ کھانا پکانے لگی۔ جب وکیل صاحب کچہری چلے تو وہ سدھا سے ملنے چلی۔ ادھر کئی روز سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ پھر رات والے واقعے پر باہمی گفتگو بھی ہونی تھی۔ بھنگی سے کہا ''کمرے سے گہنے کا بکس اٹھالا''

بھنگی نے واپس آ کر کہا ''وہاں تو کہیں نہیں ہے کہاں رکھا تھا؟''

نرملا نے چڑ کر کہا ''ایک مرتبہ میں تو کبھی میرا کام ہی نہیں ہوتا۔ وہاں چھوڑ کر اور جائے گا کہاں؟ الماری میں دیکھا تھا''

بھنگی: ''نہیں بہوجی، الماری میں تو نہیں دیکھا جھوٹ کیوں بولوں؟''

نرملا مسکرا پڑی ''بولی جاؤ دیکھو جلدی آ''

ایک لمحے میں بھنگی پھر خالی ہاتھ لوٹ آئی ''الماری میں بھی تو نہیں ہے۔ اب جہاں بتاؤں وہاں دیکھوں''

نرملا جھنجھلا کر یہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی ''تجھے ایشور نے آنکھیں نہ جانے کس لیے دیں، دیکھ اسی کمرے میں سے لاتی ہوں کہ نہیں''

بھنگی بھی پیچھے پیچھے کمرے میں گئی۔ نرملا نے طاق پر نگاہ ڈالی، الماری کھول کر دیکھی، پلنگ کے نیچے جھانک کر دیکھا، پھر کپڑوں کا بڑا صندوق کھول کر دیکھا، مگر بکس کا کہیں پتہ نہ تھا، تعجب ہوا کہ آخر بکس گیا کہاں؟

دفعتاً رات کا واقعہ بجلی کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چمک گیا۔ کلیجہ اچھل پڑا۔ اب تک بے فکری سے تلاش کر رہی تھی اب بخار سا ہو گیا۔ بڑی بے تابی سے چاروں طرف کھوجنے لگی۔ کہیں پتہ نہ تھا جہاں کھوجنا چاہیے تھا وہاں بھی تلاش کیا اور جہاں نہ کھوجنا چاہیے تھا وہاں بھی اتنا بڑا صندوقچہ بستر کے نیچے کیسے چھپ جاتا؟ مگر

اسے بھی جھاڑ کر دیکھا۔ لمحہ لمحہ چہرے کا رنگ فق ہوتا جاتا تھا۔ جان ناخنوں میں آ رہی تھی۔ آخر مایوس ہو کر اس نے چھاتی پر ایک گھونسہ مارا اور رونے لگی۔

گہنے ہی عورتوں کی پونجی ہوتے ہیں۔ شوہر کی اور کسی پونجی پر اختیار نہیں ہوتا، اس پونجی کا اس کو گھمنڈ اور بل ہوتا ہے۔ نرملا کے پاس چھ ہزار کے گہنے تھے۔ جب انہیں پہن کر وہ نکلتی تھی تو اتنی دیر کے لیے مسرت سے اس کا دل شگفتہ رہتا تھا۔ ایک ایک زیور گویا مصائب دنیوی سے محفوظ رکھنے کے لیے ایک ہتھیار تھا۔ ابھی رات ہی اس نے سوچا تھا کہ جیا رام کی لونڈی بن کر وہ نہ رہے گی۔ ایشور نہ کرے کہ وہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلائے اس ڈانڈ سے وہ اپنی ناؤ کو بھی پار لگاوے گی اور اپنی بچی کو بھی کسی نہ کسی گھاٹ پہنچاوے گی۔ اسے کس بات کی فکر ہے۔ گہنے تو اس سے کوئی نہ چھین لے گا۔ آج یہ میرے سنگار ہیں۔ کل ہی میرے سہارے کا کام دیں گے۔ اس خیال سے اس کے دل کی تسکین ہوتی تھی۔ وہی پونجی آج اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ اب وہ بے کس تھی۔ دنیا میں اس کے لیے کوئی وسیلہ کوئی سہارا نہ تھا۔ اس کی امیدوں کی بیخ کنی ہو گئی۔ وہ زار و قطار رونے لگی۔ ایشور! تم سے اتنا بھی نہ دیکھا گیا؟ مجھ دکھیا کو تم نے یونہی مجہول بنا دیا تھا، اب آنکھیں بھی پھوڑ دیں! اب وہ کس کے سامنے ہاتھ پھیلائے گی؟ کس کے در و دروازے پر بھیک مانگے گی؟ اس کا جسم پسینہ سے شل ہو گیا۔ روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔ وہ سر جھکائے رو رہی تھی اور رکمنی اسے دلاسا دے رہی تھی۔ اس کے آنسو نہ تھمتے تھے اور رنج کی آگ فرو نہ ہوتی تھی۔

تین بجے جیا سکول سے لوٹا۔ نرملا اس کے آنے کی خبر پا کر دیوانہ وار اٹھی اور اس کے کمرے کے دروازے پر جا کر بولی "بھیا دل لگی کی ہو تو دے دو، دکھیا کو ستا کر کیا پاؤ گے؟"

جیا رام ایک لمحے کے لیے مضمحل ہو گیا۔ چوری میں اس کی پہلی کوشش تھی۔ وہ

سنگدلی جسے ستانے میں مزہ آتا ہے ابھی تک اس میں نہ پیدا ہوئی تھی۔ اگر اس کے پاس صندوقچہ ہوتا اور اسے پھر اتنا موقع ملتا کہ وہ اس کو اسی طرق پر رکھ دے تو شاید وہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا۔ مگر اب صندوقچہ اس کے ہاتھ نکل چکا تھا۔ یار لوگوں نے اسے صرافے میں پہنچا دیا تھا۔ اور گہنے کم و بیش قیمت پر فروخت بھی کر ڈالے تھے۔ چوری کی آڑ جھوٹ کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے بولا'' بھلا اماں جی میں آپ سے ایسی دل لگی کروں گا۔ آپ ابھی تک مجھ پر شک کرتی جا رہی ہیں۔ میں کہہ چکا ہوں کہ رات کو گھر میں نہ تھا۔ مگر آپ کو یقین نہیں آتا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ آپ مجھے اتنا کمینہ سمجھتی ہیں''

نرملا نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا'' میں تمہارے اوپر شک نہیں کرتی، بھیا، تمہیں چوری نہیں لگاتی، میں نے سمجھا کہ شاید دل لگی ہو''

جیارام پر چوری کا شبہ کیسے کر سکتی تھی؟ دنیا یہی تو کہے گی کہ لڑکے کی ماں مر گئی ہے، تو اس پر چوری کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ میرے منہ میں تو کالکھ لگ جائے گی۔

جیارام نے تشفی دیتے ہوئے کہا'' چلیے میں تو دیکھوں آخر لے کون گیا؟ چور آیا کس راستے سے؟''

بھنگی: '' بھیا تم بھی چوروں کے آنے کو کہتے ہو، چوہے کے بل سے تو نکل ہی آتے ہیں۔ یہاں تو چاروں طرف کھڑکیاں ہیں''

جیارام: '' خوب اچھی طرح تلاش کر لیا ہے؟''

نرملا: '' سارا گھر تو چھان مارا، اب کہاں کھوجنے کو کہتے ہو؟''

جیارام: '' آپ لوگ سو بھی تو جاتی ہیں مردوں سے بازی لگا کر''

چار بجے منشی جی گھر میں آئے تو نرملا کی حالت دیکھ کر دریافت کیا۔ کیسی طبیعت ہے؟ کہیں درد تو نہیں ہے؟ یہ کہہ کہ انہوں نے آشا کو گود میں اٹھا لیا۔

نرملا: '' کوئی جواب نہ دے سکی، پھر رونے لگی!''

بھنگی نے کہا ''ایسا کبھی نہ ہوا تھا۔میری ساری عمر اسی گھر میں کٹ گئی۔آج تک ایک پیسے کی چوری نہیں ہوئی۔دنیا یہی کہے گی کہ بھنگی کا کام ہے۔اب تو بھگوان ہی آبرو رکھیں''

منشی جی اچکن کے بٹن کھول رہے تھے۔پھر بٹن بند کرتے ہوئے بولے ''کیا ہوا؟ کیا کوئی چیز چوری ہوگئی؟''

بھنگی: ''بہو جی کے سارے گہنے اٹھ گئے''

منشی جی: ''رکھے کہاں تھے؟''

نرملا نے سسکیاں بھرتے ہوئے رات کا سارا واقعہ بیان کر دیا۔مگر جیارام کے صورت والے آدمی کے اپنے کمرے سے نکلنے کی بات نہ کہی۔منشی جی نے آہ سرد بھر کر کہا ''ایشور بھی بڑا انیائی ہے، جو مرے ہیں انہیں کو مارتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ برے دن آگئے ہیں۔مگر چور آیا تو آیا کدھر سے؟ کہیں نقب نہیں ہوئی، اور کسی طرف سے آنے کا راستہ نہیں۔میں نے تو کوئی اور گناہ بھی نہیں کیا جس کی مجھے یہ سزا مل رہی ہے۔بار بار کہتا رہا کہ یہ زیور کا صندوقچہ طاق پر نہ دھو مگر کون سنتا ہے؟''

نرملا: ''میں کیا جانتی تھی کہ یہ غضب ٹوٹ پڑے گا''

منشی جی، ''اتنا تو جانتی تھیں کہ سب دن برابر نہیں جاتے۔آج بنوانے جاؤں تو دس ہزار سے کم نہ لیں گے۔پھر آج کل اپنی جو حالت ہے، وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔خرچ بھر کو مشکل سے ملتا ہے، زیور کہاں سے بنیں گے؟ جاتا ہوں، تھانے میں اطلاع کیے آتا ہوں، مگر ملنے کی امید نہ سمجھو۔''

نرملا نے معترضانہ لہجے میں کہا ''جب جانتے ہیں کہ تھانہ میں اطلاع کرنے سے کچھ نہ ہوگا، تو کیوں جا رہے ہیں؟''

منشی جی: ''دل نہیں مانتا اور کیا؟ اتنا بڑا نقصان اٹھا کر خاموش تو نہیں بیٹھا جاتا''

نرملا: ''ملنے والے ہوتے تو جاتے ہی کیوں؟ تقدیر کے نہ تھے تو کیسے رہتے؟''

منشی جی: ''تقدیر کے ہوں گے تو مل جائیں گے۔ ورنہ گئے تو ہیں ہی''

منشی جی کمرے سے نکلے۔ نرملا نے ان کا ہاتھ پکڑ کہا ''میں کہتی ہوں، نہ جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو م لینے کے دینے پڑ جائیں''

منشی جی نے ہاتھ چھڑا کر کہا ''تم بھی کیسی بچوں کی سی ضد کر رہی ہو؟ دس ہزار کا نقصان ایسا نہیں ہے جس کو میں یونہی برداشت کر لوں۔ میں رو نہیں رہا ہوں مگر میرے دل پر جو کچھ گزر رہی ہے وہ میں ہی جانتا ہوں۔ یہ چوٹ میرے کلیجے پر لگی ہے'' منشی جی اور کچھ نہ کہہ سکے۔ گلا بھر آیا، وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکلے۔ تھانے دار ان کا بہت لحاظ کرتا تھا اسے ایک بار رشوت کے مقدمہ سے رہا کرا چکے تھے۔ وہ ان کے ساتھ ہی تفتیش کرنے آ پہنچا۔ نام تھا الہ یار خاں

شام ہو گئی تھی۔ تھانے دار نے مکان کے آگے پیچھے گھوم گھوم کر دیکھا۔ اندر جا کر نرملا کے کمرے کو غور سے دیکھا۔ اوپر کی منڈیر کی جانچ کی اور تب منشی جی سے بولا'' جناب! خدا کی قسم! یہ کسی باہر کے آدمی کا کام نہیں۔ خدا کی قسم، اگر کوئی باہری آدمی نکلے تو میں آج تھانے داری کرنا چھوڑ دوں۔ آپ کے گھر میں کوئی ملازم تو ایسا نہیں ہے جس پر آپ کو شبہ ہو؟''

منشی جی: ''گھر میں آج کل صرف مہری ہے''

تھانے دار: ''اجی، وہ پاگل ہے، یہ کسی بڑے شاطر کا کام ہے، خدا کی قسم!''

منشی جی، ''تو گھر میں اور کون ہے؟ میرے دونوں لڑکے ہیں، بیوی ہے اور بہن ہے۔ ان میں سے کس پر شبہ کروں؟''

تھانے دار: ''خدا کی قسم، گھر ہی کے کسی آدمی کا کام ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ انشا اللہ دو چار روز میں آپ کو اس کی خبر دوں گا۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مال بھی سب مل جاوے گا۔ مگر خدا کی قسم، چور کو ضرور پکڑ لوں گا''

تھانے دار چلا گیا تو منشی جی نے آ کر نرملا سے اس کی باتیں کہیں۔ نرملا سہم گئی

بولی ''آپ تھانے دار سے کہہ دیجیے کہ تفتیش نہ کریں۔ میں آپ کے پیروں پڑتی ہوں''

منشی جی: ''آخر کیوں؟''

نرملا: ''اب کیوں بتاؤں؟ وہ کہہ رہا ہے کہ گھر ہی کے کسی آدمی کا کام ہے''

منشی جی: ''اسے بکنے دو''

جیارام اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا ایشور کو یاد کر رہا تھا۔ اس کے منہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں وہ سن چکا تھا کہ پولیس والے چہرے سے بھانپ جاتے ہیں، باہر نکلنے کی ہمت نہ پڑتی تھی دونوں آدمیوں میں کیا باتیں ہو رہی ہیں یہ جاننے کے لیے وہ بے قرار ہو رہا تھا۔ جیوں ہی تھانے دار چلا گیا اور بھنگی کسی کام سے باہر نکلی تو جیارام نے پوچھا۔ ''تھانے دار کیا کہہ رہا تھا بھنگی؟''

بھنگی کے پاس جا کر کہا'' ڈاڑھی جار کہتا تھا کہ گھر ہی کے کسی آدمی کا کام ہے۔ باہر کا کوئی نہیں ہے''

جیارام: ''دادا جی نے کچھ نہیں کہا؟''

بھنگی: '' کچھ تو نہیں کہا، کھڑے ہوں ہوں کرتے رہے۔ گھر میں ایک بھنگی ہی بیگانی ہے نا اور تو سب اپنے ہی ہیں''

جیارام: ''میں بھی تو بیگانہ ہوں ہتو ہی کیوں؟''

بھنگی: ''تم بیگانہ کاہے کو ہو بھیا؟''

جیارام: ''بابو جی نے تھانے دار سے کہا نہیں کہ گھر میں کسی پر ان کا شبہ نہیں ہے؟''

بھنگی: '' کچھ تو کہتے نہیں سنا، بے چارے تھانے دار نے پہلے ہی کہا کہ بھنگی تو پاگل ہے، یہ کیا چوری کرے گی۔ بابو جی تو مجھے پھنسائے ہی دیتے تھے''

جیارام: ''تب تو تو بھی نکل گئی، اکیلا میں ہی رہ گیا۔ تو ہی بتا کہ تو نے مجھے اس دن گھر میں دیکھا تھا؟''

بھنگی: ''نہیں بھیا، تم تھیٹر دیکھنے گئے تھے''

جیارام: ''گواہی دے گی نا؟''

بھنگی: ''کیا کہتے ہو بھیا؟ بہو جی تحقیقات بند کرادیں گی''

جیارام: ''سچ؟''

بھنگی: ''ہاں بھیا، بار بار کہتی ہیں کہ تحقیقات نہ کراؤ۔ گہنے گئے تو جانے دو۔ بابو جی مانتے ہی نہیں''

پانچ چھ روز تک جیارام نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ کبھی دو چار لقمے کھالیتا اور کبھی کہہ دیتا کہ بھوک نہیں ہے۔ اس کے چہرے کا رنگ فق رہتا تھا راتیں جاگتے گزر جاتیں۔ ہر لمحہ تھانے دار کا خوف لگا رہتا تھا۔ اگر وہ جانتا کہ معاملہ اتنا طول پکڑے گا تو کبھی ایسا کام نہ کرتا۔ اس نے تو سمجھا تھا کہ کسی چور پر شبہ ہوگا۔ میری طرف کسی کا دھیان بھی نہ جاوے گا۔ مگر اب بھانڈا پھوٹتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کمبخت تھانہ دار جس ڈھنگ سے چھان بین کر رہا تھا، اس سے جیارام کو سخت اندیشہ ہو رہا تھا۔

ساتویں روز شام کے وقت جیارام گھر لوٹا تو بہت متفکر تھا۔ آج تک اسے بچنے کی کچھ نہ کچھ امید تھی۔ مال ابھی تک کہیں برآمد نہ ہوا تھا۔ مگر آج اسے مال کے برآمد ہونے کی خبر مل گئی تھی۔ اسی دم تھانے دار کانسٹیبلوں کو لیے آتا ہوگا۔ بچنے کی کوئی سبیل نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ تھانہ دار رشوت دینے سے معاملہ کو دبا دے۔ روپے بھی ہاتھ میں تھے۔ مگر کیا بات چھپی رہے گی؟ ابھی مال برآمد نہیں ہوا، پھر بھی کل شہر میں افواہ تھی کہ بیٹے ہی نے مال اڑایا ہے۔ مال مل جانے پر گلی گلی بات پھیل جاوے گی۔ پھر وہ کسی کو منہ نہ دکھا سکے گا۔

منشی جی کچہری سے لوٹے تو بہت گھبرائے ہوئے تھے۔ سر پکڑ کر پلنگ پر بیٹھ گئے۔

نرملا نے کہا ''کپڑے کیوں نہیں اتارے؟ آج تو اور دنوں سے دیر ہو گئی ہے!''

منشی جی: ''کچھ سنا تم نے؟''

نرملا: ''کیا بات ہے؟ میں نے تو کچھ نہیں سنا!''

منشی جی: ''مال برآمد ہو گیا اب جیا کا بچنا مشکل ہے''

نرملا کو تعجب نہیں ہوا۔ اس کے چہرے سے ایسا معلوم ہوا گویا اس کو یہ بات معلوم تھی بولی ''میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ تھانے میں اطلاع نہ کیجیے''

منشی جی: ''تمہیں جیا پر شبہ تھا؟''

نرملا: ''شبہ کیوں نہیں تھا؟ میں نے اسے اپنے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا''

منشی جی: ''پھر تم نے مجھ سے کیوں نہ کہہ دیا؟''

نرملا: ''یہ بات میرے کہنے کی نہ تھی۔ آپ کے دل میں ضرور خیال گزرتا کہ یہ حسد سے الزام لگا رہی ہے کہیے، یہ خیال گزرتا یا نہیں؟ جھوٹ نہ بولیے گا''

منشی جی: ''ممکن ہے، میں انکار نہیں کر سکتا۔ اس حالت میں بھی تمہیں مجھ سے کہہ دینا چاہیے تھا۔ رپورٹ کی نوبت نہ آتی۔ تم نے اپنی نیک نامی کی فکر کی۔ یہ نہ سوچا کہ نتیجہ کیا ہوگا؟ میں ابھی تھانے سے چلا آتا ہوں۔ الہ یار خاں آتا ہی ہوگا''

نرملا نے مایوسی سے پوچھا ''اب؟''

منشی جی نے آسمان کی طرف تاکتے ہوئے کہا ''پھر جیسی ایشور کی مرضی، ہزار دو ہزار روپے رشوت دینے کے لیے ہوتے تو شاید معاملہ دب جاتا۔ مگر میری حالت تو تم جانتی ہو۔ تقدیر کھوٹی ہے۔ اور کچھ نہیں، پاپ تو میں نے کیے ہیں؟ سزا کون بھوگے گا۔ ایک لڑکا تھا، اس کی وہ حالت ہوئی۔ دوسرے کی یہ حالت ہو رہی ہے۔ نالائق تھا، گستاخ تھا، نکما تھا، مگر تھا تو اپنا ہی لڑکا! کبھی نہ کبھی چیت ہی جاتا۔ یہ صدمہ اب نہ اٹھایا جا سکے گا''

نرملا: ''اگر کچھ دے دلا کر جان بچ سکے تو میں روپے کا بندوبست کروں''

منشی جی: ''کر سکتی ہو؟ کتنے روپے دے سکتی ہو؟''

نرملا: ''کتنا درکار ہوگا؟''

منشی جی: ''ایک ہزار سے کم میں سے تو شاید بات چیت نہ ہو سکے۔ میں نے ایک مقدمہ میں اس سے ایک ہزار لیے تھے۔ وہ اس کی کسر آج نکالے گا۔''

نرملا: ''ہو جاوے گا۔ آپ ابھی تھانے جائیے''

منشی جی کو تھانہ میں بہت دیر لگی۔ تنہائی میں گفتگو کرنے کا بہت دیر بعد موقع ملا۔ الہ یار خاں بہت پرانا خرانٹ تھا، بڑی مشکل سے ہتھے چڑھا۔ پانچ سو روپے لیکن احسان کا بوجھ سر پر لادی دیا کہ کام ہو گیا۔ منشی جی واپس آ کر نرملا سے بولے ''لو بھی بازی مار لی، روپے تم نے دیے مگر کام میری زبان نے ہی کیا۔ بڑی مشکل سے راضی ہو گیا۔ یہ بھی یاد رہے گی۔ جیا رام کھانا کھا چکا ہے؟''

نرملا: ''کہاں وہ تو ابھی گھوم کر لوٹا ہی نہیں''

منشی جی: ''بارہ تو بج ہی رہے ہوں گے!''

نرملا: ''کئی مرتبہ جا جا کر دیکھ آئی، کمرے میں اندھیرا پڑا ہوا ہے''

منشی جی: ''اور سیا رام؟''

نرملا: ''وہ تو کھا پی کر سویا ہے''

منشی اس سے پوچھا نہیں کہ جیا کہاں گیا ہے؟ جی:

نرملا۔ ''وہ تو کہتا ہے کہ مجھ سے کچھ کہہ کر نہیں گیا''

منشی جی کو کچھ اندیشہ ہوا۔ سیا رام کو جگا کر پوچھا ''تم سے جیا رام نے کچھ کہا نہیں؟ کب تک لوٹے گا؟ گیا کہاں ہے؟''

سیا رام نے سر کھجلاتے اور آنکھیں ملتے ہوئے کہا ''مجھ سے کچھ نہیں کہا''

منشی جی: ''کپڑے سب پہن کر گیا ہے؟''

سیا رام: ''صرف کرتہ اور دھوتی''

منشی جی: ''جاتے وقت خوش تھا؟''

سیا رام: ''خوش تو نہیں معلوم ہوتے تھے۔ کئی بار اندر آنے کا ارادہ کیا مگر دروازے سے لوٹ گئے۔ کئی منٹ تک سائبان کے نیچے کھڑے رہے۔ چلنے لگے تو آنکھیں پونچھ رہے تھے۔ ادھر کئی دنوں سے اکثر رویا کرتے ہیں''

منشی جی نے ایسی ٹھنڈی سانس لی گویا زندگی میں اب کچھ نہیں رہا۔ نرملا سے بولے ''تم نے کیا تو اپنی سمجھ میں بھلے ہی کے لیے مگر کوئی دشمن بھی مجھ سے اس سے زیادہ سخت چوٹ نہ کر سکتا تھا۔ جیا رام سچ کہتا تھا کہ بیاہ کرنا ہی میری زندگی کی سب سے بڑی خطا تھی۔''

اور کسی وقت ایسے سخت الفاظ سن کر نرملا تلملا جاتی مگر اس وقت وہ خود اپنی غلطی پر پچھتا رہی تھی۔ اگر جیا رام کی ماں ہوتی تو کیا وہ اس میں تامل کرتی؟ ہرگز نہیں بولی'' ذرا ڈاکٹر صاحب کے کیوں نہیں چلے جاتے؟ شاید وہاں بیٹھا ہو۔ کئی لڑکے روز آتے ہیں۔ انہیں سے پوچھئے، شاید کچھ پتہ لگ جائے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنے پر بھی کلنک لگ گیا''

منشی جی نے بیدلی سے کہا ''ہاں جاتا ہوں، اور کیا کروں گا''

منشی جی باہر آئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر سنہا کھڑے ہیں چونک کر پوچھا ''کیا آپ دیر سے کھڑے ہیں؟''

ڈاکٹر: ''جی نہیں ابھی آیا ہوں، آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ ساڑھے بارہ بج گئے ہیں''

منشی جی: ''آپ ہی کی طرف جا رہا تھا۔ جیا رام ابھی تک گھوم کر نہیں آیا۔ آپ کی طرف تو نہیں گیا تھا؟''

ڈاکٹر سنہا نے منشی جی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور اتنا کہہ پائے تھے۔ ''بھائی صاحب، اب صبر سے کام'' کہ منشی جی گولی کھائے ہوئے آدمی کی طرح زمین پر گر

پڑے!

21

رکمنی نے تیوریاں بدل کر کہا ''کیا لڑکے ننگے پیر ہی مدرسہ جائے گا؟''

نرملا نے بچی کے بال گوندھتے ہوئے کہا ''میں کیا کروں؟ میرے پاس روپے نہیں ہیں''

رکمنی: ''گہنے بنوانے کے لیے روپے ہیں؟ لڑکے کے جوتے کے لیے روپیوں میں آگ لگ جاتی ہے۔ دو تو چلے ہی گئے۔ کیا تیسرے کو بھی رولا رولا کر مار ڈالنے کا ارادہ ہے؟''

نرملا نے آہ سرد بھر کر کہا ''جس کو جینا ہے، جیے گا جس کو مرنا ہے، مر جائے گا۔ میں کسی کو مرنے جلانے نہیں جاتی!''

آج کل ایک نہ ایک بات پہ نرملا اور رکمنی میں روز ہی کھٹ پٹ ہو جاتی تھی۔ جب سے گہنے چوری گئے ہیں، نرملا کا مزاج بالکل تبدیل ہو گیا ہے۔ وہ ایک ایک کوڑی کو دانت سے پکڑنے لگی ہے۔ سیارام روتے روتے چاہے جان دے دے مگر اسے مٹھائی کے لیے پیسے نہیں ملتے اور یہ برتاؤ کچھ سیارام ہی کے ساتھ نہیں ہے نرملا خود اپنی ضرورتوں کو ٹالتی رہتی ہے۔ دھوتی جب تک پھٹ کر تار تار نہ ہو جائے، نئی دھوتی نہیں آتی۔ مہینوں سر کا تیل نہیں منگایا جاتا۔ پان کھانے کا اسے شوق تھا، اب کئی کئی روز تک پاندان خالی پڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بچی کے لیے دودھ نہیں آتا۔ ننھی بچی کا مستقبل خوفناک صورت اختیار کر کے اس کے خیالات کی فضا پر منڈلایا کرتا ہے۔

منشی جی نے اپنے کو بالکل نرملا کے ہاتھوں میں سونپ رکھا ہے۔ اس کے کسی کام میں دخل نہیں دیتے۔ نہ جانے اس سے کیوں کچھ دبے رہتے ہیں۔ وہ اب بلا ناغہ کچہری جاتے ہیں۔ اس قدر محنت انہوں نے جوانی میں بھی نہ کی تھی۔ آنکھیں

خراب ہو گئی ہیں۔ ڈاکٹر سنہا نے رات میں پڑھنے لکھنے کی ممانعت کر دی ہے۔ ہاضمہ پہلے ہی کمزور تھا، اب اور بھی خراب ہو گیا ہے۔ تنفس کی شکایت بھی پیدا ہو چلی ہے۔ مگر بے چارے صبح سے نصف شب تک کام کرتے رہتے ہیں۔ کام کرنے کو جی چاہے یا نہ چاہے۔ طبیعت اچھی ہو یا نہ ہو، کام کرنا ہی پڑتا ہے۔ نرملا کو ان پر ذرا بھی رحم نہیں آتا ہے۔ وہی مستقبل کی خوفناک فکر اس کی نیک مزاجی کو غارت کر رہی ہے۔ کسی فقیر کی آواز پر وہ جھلا اٹھتی ہے۔ وہ ایک کوڑی بھی خرچ نہیں کرنا چاہتی۔

ایک روز نرملا نے سیارام کو گھی لانے کے لیے بازار بھیجا۔ بھنگی کا اسے اعتبار نہ تھا۔ اس سے اب کوئی سودا نہ منگاتی تھی۔ سیارام میں کاٹ کپٹ کی عادت نہ تھی۔ اون پون کرنا نہ جانتا تھا۔ عموماً بازار کا سارا کام اسی کو کرنا پڑتا۔ نرملا ایک ایک چیز کو تولتی، ذرا بھی کم ہوتی تو اسے لوٹا دیتی۔ سیارام کا بہت سا وقت اسی لوٹا پھیری میں گزر جاتا تھا۔ بازار والے اسے جلدی کوئی سودا نہ دیتے۔ آج بھی وہی نوبت آئی۔ سیارام اپنے خیال سے بہت اچھا گھی کئی دکان دیکھ کر لایا تھا۔ مگر نرملا نے اسے سونگھتے ہی کہا، گھی خراب ہے۔ لوٹا آؤ

سیارام نے جھنجھلا کر کہا ''اس سے اچھا گھی بازار میں نہیں ہے، میں تمام دکانیں دیکھ کر لایا ہوں''

نرملا: ''تو میں جھوٹ کہتی ہوں''

سیارام: ''میں نہیں کہتا مگر اب گھی واپس نہ لے گا۔ اس نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ جس طرح دیکھنا چاہو، یہیں دیکھ لو، مال تمہارے سامنے ہے۔ بوہنی کے وقت میں سودا واپس نہ لوں گا۔ میں نے سونگھ کر چکھ کر دیکھ لیا تھا۔ اب کس منہ سے واپس کرنے جاؤں''

نرملا نے دانت پیس کر کہا۔ ''گھی میں صاف چربی ملی ہوئی ہے، اور تم کہتے ہو گھی اچھا ہے۔ میں اسے رسوائی میں نہ لے جاؤں گی۔ تمہارا جی چاہے لوٹا دو، جی چاہے

کھا جاؤ‘‘

گھی کی ہانڈی وہیں چھوڑ کر نرملا اندر چلی گئی۔سیا رام غم و غصے سے گھبرا اٹھا۔وہ کونسا منہ لے کر لوٹانہ جاوے۔بنیا صاف کہہ دے گا کہ میں نہیں لوٹاتا۔تب وہ کیا کرے گا۔قریب کے دس پانچ بنیے اور سڑک پر چلنے والے لوگ وہاں جمع ہو جائیں گے۔ان سبھوں کے سامنے اسے شرمندہ ہونا پڑے گا۔بازار میں یونہی کوئی بنیا اسے جلد سودا نہیں دیتا۔وہ کسی دکان پر کھڑا نہیں ہونے پاتا۔چاروں طرف سے اسی پر پھٹکار پڑے گی۔اس نے دل ہی میں جھنجھلا کر کہا۔پڑا رہے گھی، میں لوٹانے نہ جاؤں گا۔

بلا ماں کے بچے کا سا غریب، بیکس اور مغموم جاندار دنیا میں نہیں ہوتا۔اور دکھ بھول جاتے ہیں، بچے کو ماں کی یاد نہیں بھولتی، سیا رام کو اس وقت ماں کی یاد آئی۔اماں ہوتیں تو کیا آج مجھے یہ سب سہنا پڑتا؟ بھیا بھی چلے گئے۔جیا رام بھی چلے گئے۔میں ہی اکیلا یہ ساری مصیبت اٹھانے کے لیے کیوں بچ رہا؟ سیا رام کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔اس کے بھرے ہوئے گلے سے ایک گہری سانس کے ساتھ ملے ہوئے یہ الفاظ نکل پڑے۔’’اماں! تم مجھے بھول گئیں؟ کیوں نہیں بلا لیتیں‘‘

دفعتاً نرملا پھر کمرے کی طرف آئی۔اس نے سمجھا تھا کہ سیا رام چلا گیا ہوگا۔اسے بیٹھا دیکھا تو غصہ سے بولی’’تم ابھی تک بیٹھے ہی ہو، آخر کھانا کب بنے گا؟‘‘

سیا رام نے آنکھیں پونچھ ڈالیں بولا’’مجھے اسکول جانے کو دیر ہو جائے گی‘‘

نرملا:’’ایک روز دیر ہی ہو جائے گی۔تو کون ہرج ہے؟ یہ بھی تو گھر ہی کا کام ہے‘‘

سیا رام:’’روز تو یہی دھندا لگا رہتا ہے۔میں کبھی وقت پر نہیں پہنچتا۔گھر پر بھی پڑھنے کا وقت نہیں ملتا۔کوئی سودا بنا دو چار بار لوٹائے نہیں لیا جاتا۔ڈانٹ تو مجھ پر پڑتی ہے، شرمندہ تو مجھے ہونا پڑتا ہے، آپ کو کیا؟‘‘

نرملا: ''ہاں مجھے کیا، میں تمہاری دشمن ٹھہری نہ؟ اپنا ہوتا تب تو اس سے تعلق ہوتا۔ میں تو ایشور سے منایا ہی کرتی ہوں کہ تم پڑھ لکھ نہ سکو۔ مجھ میں تو ساری برائیاں ہی ہیں، تمہارا کوئی قصور نہیں۔ سوتیلی ماں کا نام ہی برا ہوتا ہے۔ اپنی ماں زہر بھی دے تو امرت ہے، میں امرت بھی دوں تو زہر ہو جاوے! تم لوگوں کے کارن مٹی مل گئی۔ روتے روتے عمر کٹی جاتی ہے۔ معلوم ہی نہ ہوا کہ ایشور نے کس لیے جنم دیا تھا۔ اور تمہاری سمجھ میں مزہ کر رہی ہوں۔ تمہیں ستانے میں مجھے مزہ آتا ہے۔ ایشور بھی نہیں پوچھتا کہ سب دکھ درد کا خاتمہ وہ جاتا۔''

یہ کہتے کہتے نرملا کی آنکھیں بھر آئیں۔ وہ اندر چلی گئی۔ سیارام اسے روتا دیکھ کر سہم گیا۔ اسے رنج تو ہوا۔ البتہ یہ خوف ہوا کہ نہ جانے کون سی سزا ملے۔ چپکے سے ہانڈی اٹھالی اور گھی لوٹانے چلا۔ اس طرح جیسے کوئی کتا کسی نئے گاؤں میں جاتا ہے۔ اسی کتے کی طرح اس کا دلی رنج اس کے ایک ایک عضو سے ظاہر ہوتا تھا۔ اسے دیکھ کر معمولی عقل والا انسان بھی قیاس کر سکتا تھا کہ یہ اناتھ ہے۔

سیارام جیوں جیوں آگے بڑھتا تھا، آنے والے جھگڑے کے خوف سے اس کے دل کی حرکت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ اس نے طے کر لیا کہ اگر بنیے نے گھی نہ لوٹایا، تو وہ گھی کو وہیں چھوڑ کر چلا آئے گا۔ جھک مار کر بنیا آپ ہی بلاوے گا۔ بنیے کو ڈانٹنے کے لیے بھی اس نے الفاظ سوچ لیے۔ وہ کہے گا کیوں شاہ جی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو؟ دکھاتے ہو بڑھیا مال دیتے ہو ردی؟ مگر یہ سب سوچ لینے پر بھی اس کے قدم بہت آہستہ آہستہ آگے بڑھتے تھے۔ وہ یہ نہ چاہتا تھا کہ بنیا اسے آتا ہوا دیکھے۔ وہ یک بارگی اس کے سامنے پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اس لیے وہ چکر کاٹ کر دوسری گلی سے بنیے کی دکان پر گیا۔

بنیے نے اسے دیکھتے ہی کہا ''ہم نے کہہ دیا تھا کہ سودا واپس نہ لیں گے بولا کہا تھا کہ نہیں؟''

سیا رام نے بگڑ کر کہا ''تم نے تو وہ گھی کہاں دیا جو دکھایا تھا؟ دکھایا ایک مال اور دیا دوسرا مال! لوٹاؤ گے کیسے نہیں؟ کیا کوئی رہزنی ہے؟''

شاہ: ''اس سے چوکھا گھی بازار سے نکل آوے تو جرمانہ دوں۔ اٹھاؤ ہانڈی اور دو چار دکان دیکھ آؤ''

سیا رام: ''ہمیں اتنی فرصت نہیں ہے اپنا گھی لوٹا لو''

شاہ: ''گھی نہ لوٹے گا''

بنیے کی دکان پر ایک جٹا دھاری سادھو بیٹھا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اٹھ کر سیا رام کے پاس آیا اور ہانڈی کا گھی سونگھ کر بولا ''بچہ گھی تو بہت بڑھیا معلوم ہوتا ہے''

شاہ نے شہہ پا کر کہا ''بابا جی ہم لوگ تو آپ ہی ان کو گھٹیا سودا نہیں دیتے۔ برا مال کیا جانے بوجھے گاہکوں کو دیا جاتا ہے؟''

سادھو: ''گھی لے جاؤ بچہ! بہت اچھا ہے''

سیا رام رو پڑا۔ گھی کو برا ثابت کرنے کے لیے اس کے پاس اب کیا ثبوت تھا، بولا ''وہ تو کہتی ہیں گھی اچھا نہیں ہے۔ لوٹا آؤ، میں تو کہتا ہوں کہ گھی اچھا ہے۔''

سادھو: ''کون کہتا ہے؟''

شاہ: ''ان کا اماں کہتی ہوں گی۔ کوئی سودا ان کے من ہی نہیں بھاتا۔ بے چارے لڑکے کو بار بار دوڑایا کرتی ہیں۔ سوتیلی ماں ہیں نہ، اپنی ماں ہو تو کچھ خیال کرے''

سادھو نے سیا رام کو رحم بھری نگاہوں سے دیکھا، گویا اسے نجات دینے کے لیے اس کا دل بے چین ہو رہا ہے۔ تب ہمدردانہ لہجے میں بولا ''تمہاری ماں کا سورگباش ہوئے کتنے دن ہوئے بچہ؟''

سیا رام: ''چھٹا سال ہے''

سادھو: ''تب تم اس وقت بہت ہی چھوٹے رہے ہو گے۔ بھگوان تمہاری لیلا کتنی انوکھی ہے! اس دودھ منہے بچے سے تم نے ماں کا پیار چھین لیا۔ بڑا انیائے کرتے ہو

بھگوان! ہائے چھ سال کا بچہ اور راکشسی سوتیلی ماں کے پالے پڑا۔ دھنیہ ہے تمہاری دیا! شاہ جی لڑکے پر دیا کرو۔ گھی لوٹا لو نہیں تو اس کی ماں اسے گھر میں نہ آنے دے گی۔ بھگوان کی دیا سے تمہارا گھی جلدی بک جائے گا۔ میرا آشیرواد تمہارے ساتھ رہے گا''

شاہ جی نے روپے نہ واپس کیے۔ آخر لڑکے کو پھر گھی لینے آنا ہی پڑے گا۔ نہ جانے دن میں کتنی بار چکر لگانا پڑے اور کسی فریبی سے پالا پڑے۔ اس کی دکان میں جو گھی سب سے بڑھیا تھا وہ اس نے سیارام کو دے دیا۔ سیارام دل میں سوچ رہا تھا کہ باباجی کتنے رحیم ہیں۔ انہوں نے نہ سفارش کی ہوتی تو شاہ جی کیوں اچھا گھی دیتے۔

سیارام گھی لے کر چلا تو باباجی بھی اس کے ساتھ ہو لیے۔ راستے میں میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگے ''بچہ میری ماں بھی مجھے تین سال کا چھوڑ کر پرلوک سدھار گئی تھی۔ تبھی سے بلا ماں والے بچوں کو دیکھتا ہوں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے'' سیارام نے پوچھا ''آپ کے باپ نے بھی دوسرا بیاہ کرلیا تھا؟''

سادھو: ''ہاں بچہ! نہیں تو آج سادھو کیوں ہوتا؟ پہلے میرے باپ پیار کرتے تھے۔ مجھے بہت چاہتے تھے۔ پھر نہ جانے کیوں من بدل گیا۔ بیاہ کرلیا سادھو ہوں، کڑوی بات منہ سے نہ نکالنا چاہیے، مگر میری دوسری ماں جتنی سندر تھی اتنی ہی کڑے دل کی تھی۔ مجھے دن بھر کھانے کو نہ دیتی۔ روتا تو مارتی۔ باپ کی آنکھیں بھی پھر گئیں۔ انہیں میری صورت سے گھن ہونے لگی۔ میرا رونا سن کر مجھے پیٹنے لگتے۔ آخر میں ایک دن گھر سے بھاگ کھڑا ہوا۔''

سیارام کے دل میں بھی گھر سے نکل بھاگنے کا ارادہ کئی بار ہوا تھا۔ اس وقت بھی اس کے دل میں یہی خیال پیدا ہورہا تھا۔ بڑے جوش سے بولا ''گھر سے نکل کر آپ کہاں گئے؟''

بابا جی نے ہنس کر کہا۔ اسی دن میرے سارے دکھ درد دور ہو گئے۔ جس دن گھر کے مایا موہ سے چھوٹا اور درمن سے دور ہوا، اسی دن میرا اودھار سا ہو گیا۔ دن بھر میں تو ایک پل کے نیچے بیٹھا رہا۔ سانجھ ہوتے مجھے ایک مہاتما مل گئے۔ ان کا نام سوامی پر مانند تھا۔ وہ بال برہمچاری تھے۔ انہوں نے مجھ پر دیا کی اور مجھے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ ان کے ساتھ میں تمام دیسوں میں گھومنے لگا۔ وہ بڑے بھاری جوگی تھے۔ مجھے بھی انہوں نے جوگ ودیا سکھلائی۔ تو اب میرے کو اتنا بھیاس ہو گیا ہے، کہ جب من میں آتا ہے، ماتا جی کے درشن کر کے ان سے باتیں کر لیا کرتا ہوں۔

سیارام نے حیرت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا ''آپ کی ماتا جی کا تو سرگباش ہو چکا تھا؟''

سادھو: ''تو کیا ہوا بچہ، جوگ میں اتنی شکتی (طاقت) ہے کہ جس مرے ہوئے آتما کو چاہے بلا لے''

سیارام: ''میں وہ ودیا سیکھ لوں تو مجھے بھی ماتا جی کے درشن ہوں گے؟''

سادھو رام: ''ضرور! بھیاس (مشق) سے سب کچھ ہو سکتا ہے؟ ہاں اچھا گرو چاہیے، جوگ سے بڑی بڑی سدھیاں مل سکتی ہیں۔ جتنا دھن چاہو لمحے میں منگا سکتے ہو۔ کیسی ہی بیماری ہو اس کی دو بتا سکتے ہو۔''

سیارام: ''آپ کا استھان کہاں ہے؟''

سادھو: ''بچہ میرے کو استھان کہیں نہیں ہے۔ دیس دیس میں رہتا پھرتا ہوں۔ اچھا بچہ! اب تم جاؤ، اب میں اشنان دھیان کرنے جاؤں گا''

سیارام: ''چلیے میں ابھی اسی طرف چلتا ہوں۔ آپ کے درشن سے جی نہیں بھرا''

سادھو: ''نہیں بچہ، تمہیں پاٹھ شالہ جانے وک دیر ہو رہی ہے''

سیارام: ''پھر آپ کے درشن کب ہوں گے؟''

سادھو: ''کبھی آ جاؤں گا، بچہ، تمہارا گھر کہاں ہے؟''

سیارام خوش ہو کر بولا: ''چلیے گا میرے گھر؟ بہت نزدیک ہے، آپ کی بڑی کرپا ہوگی''

سیارام قدم بڑھا کر آگے آگے چلنے لگا۔ اتنا خوش تھا گویا سونے کی گٹھری لیے جاتا ہو۔ گھر کے سامنے پہنچ کر بولا ''آئیے بیٹھیے کچھ دیر''

سادھو: ''نہیں بچہ بیٹھوں گا نہیں۔ پھر کل پرسوں کسی وقت آ جاؤں گا۔ یہی تمہارا گھر ہے؟''

سیارام: ''کل کسی وقت آیئے گا؟''

سادھو: ''ٹھیک نہیں کہہ سکتا، کسی وقت آ ؤں گا''

سادھو آگے بڑھا تو تھوڑی ہی دور پر انہیں دوسرا سادھو ملا۔ اس کا نام تھا ہری ہرانند۔ پرمانند نے پوچھا ''کہاں سیر کی؟ کوئی شکار پھنسا؟''

ہری ہرانند: ''ادھر تو چاروں طرف گھوم آیا کوئی شکار نہ ملا۔ ایک آدھ ملا بھی تو میری ہنسی اڑانے لگا''

پرمانند: ''مجھے تو ایک ملتا ہوا جان پڑتا ہے۔ پھنس جائے تو جانوں''

ہری ہرانند: ''تم یونہی کہا کرتے ہو۔ جو آتا ہے، داؤں کے پیچھے نکل بھاگتا ہے''

پرمانند: ''اب کی نہ بھاگے گا، دیکھ لینا۔ اس کی ماں مر گئی ہے، باپ کے دوسرا بیاہ کرلیا ہے۔ ماں ستایا کرتی ہے، گھر سے اوب گیا ہے۔''

ہری ہرانند: ''ہاں یہ بات ہے تو ضرور پھنسے گا۔ لاسا لگادیا ہے نہ''

پرمانند: ''بہت اچھی طرح، یہی ترکیب سب سے اچھی ہے۔ پہلے یہ پتا لگالینا چاہیے کہ کن کن گھروں میں سوتیلی مائیں ہیں، بس انہی گھروں میں پھندا ڈالنا چاہیے۔''

نرملا نے بگڑ کر پوچھا ''اتنی دیر کہاں لگائی؟''

سیا رام نے گستاخانہ لہجے میں کہا ''راستے میں ایک جگہ سو گیا تھا!''

نرملا: ''یہ تو میں نہیں کہتی مگر جانتے ہو، کتنے بج گئے ہیں؟ دس کبھی کے بج گئے۔ بازار کچھ دور بھی نہیں ہے۔''

سیا رام: ''کچھ دور نہیں، دروازے پر ہی تو ہے''

نرملا: ''سیدھے منہ کیوں نہیں بات کرتے؟ ایسا بگڑ رہے ہو گویا میرا ہی کچھ کام کرنے گئے ہو۔

سیا رام: ''تو آپ فضول بکواس کیوں کرتی ہیں؟ لیا ہوا سودا لوٹانا کیا آسان کام ہے؟ بنیے سے گھنٹوں کی حجت کرنی پڑی وہ تو کہو کہ ایک بابا جی نے کہہ سن کر واپس کرا دیا ورنہ وہ کبھی نہ واپس لیتا۔ راستہ میں ایک منٹ بھی کہیں نہیں رکا، سیدھا چلا آتا ہوں۔''

نرملا: ''گھی کے لیے گئے تو تم گیارہ بجے لوٹے ہو، لکڑی کے لیے جاؤ گے تو شام ہی کر دو گے۔ تمہارے بابو جی بغیر کھائے چلے گئے۔ تمہیں اتنی دیر لگانی تھی تو پہلے ہی کیوں نہ کہہ دیا تھا؟ جاتے ہو لکڑی کے لیے؟''

سیا رام اب ضبط نہ کر سکا۔ جھلا کر بولا ''لکڑی کسی اور سے منگا یئے۔ مجھے اسکول جانے کے لیے دیر ہو رہی ہے''

نرملا: ''کھانا نہ کھاؤ گے؟''

سیا رام: ''نہ کھاؤں گا''

نرملا: ''میں کھانا بنانے کو تیار ہوں۔ مگر لکڑی لانے تو جا نہیں سکتی''

سیا رام: ''بھنگی کو کیوں نہیں بھیجتیں؟''

نرملا: ''بھنگی کا لایا سودا تم نے کبھی دیکھا نہیں ہے؟''

سیا رام: ''اب میں تو اس وقت نہ جاؤں گا''

نرملا: ''پھر تو مجھے دکھ نہ دینا''

سیارام کئی دنوں سے اسکول نہیں گیا تھا۔ بازار ہاٹ کے سبب اسے کتابیں پڑھنے کا وقت نہ ملتا تھا۔ اسکول جا کر جھڑکیاں کھانے، بنچ پر کھڑے ہونے یا اونچی ٹوپی پہننے کے سوا اور کیا ملتا؟ وہ گھر سے کتابیں لے جاتا مگر شہر کے باہر جا کر کسی درخت کے سایہ میں بیٹھا رہتا یا پلٹنوں کی قواعد دیکھتا۔ آج بھی وہ گھر سے چلا مگر بیٹھنے کو جی نہ لگا۔ اس پر آنتیں الگ جل رہی تھیں۔ ہائے اب اسے روٹیوں کے بھی لالے پڑ گئے۔ دس بجے کیا کھانا نہ بن سکتا تھا؟ مانا کہ بابو جی چلے گئے تھے تو کیا میرے لیے گھر میں دو چار پیسے بھی نہ تھے؟ اماں ہوتیں تو اس طرح بلا کچھ کھائے پئے آنے دیتیں؟ میرا اب کوئی نہیں رہا!

سیارام کا دل بابا جی کے درشن کے لیے بے قرار ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ اس وقت وہ کہاں ملیں گے؟ کہاں چل کر دیکھوں؟ ان کی دلکش گفتگو، ان کی حوصلہ افزائی اور تشفی اس کے دل کو کھینچنے لگیں۔ اس نے گھبرا کر کہا۔ میں ان کے ساتھ ہی کیوں نہ چلا گیا؟ گھر پر میرے لیے کیا رکھا ہے؟

وہ آج یہاں سے چلا تو گھر نہ جا کر سیدھا شاہ جی گھی والے کی دکان پر گیا۔ شاید بابا جی سے وہاں ملاقات ہو جاوے۔ مگر وہ وہاں نہ تھے۔ بڑی دیر تک کھڑا رہا۔ پھر لوٹ آیا، مکان میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ نرملا نے کہا۔ آج دیر کہاں لگائی؟ سویرے کھانا نہیں بنا۔ کیا اس وقت بھی اپاس ہوگا؟ جا کر بازار سے کوئی ترکاری لاؤ۔

سیارام نے جھلا کر کہا ''دن بھر کا بھوکا چلا آتا ہوں، کچھ ناشتہ تک نہیں لائیں اوپر سے بازار جانے کا حکم دے دیا۔ میں نہیں جاتا بازار، کسی کا نوکر نہیں ہوں۔ آخر روٹیاں ہی تو کھلاتی ہو اور کچھ؟ ایسی روٹیاں جہاں محنت کروں گا، وہیں مل جائیں گی۔ جب مزدوری ہی کرنا ہے تو آپ کی نہ کروں گا۔ جایئے، میرے لیے کھانا نہ بنایئے گا۔''

نرملا ساکت رہ گئی۔ لڑکے کو آج یہ کیا ہو گیا؟ اور دن تو چپکے سے جا کر کام کر لاتا تھا۔ آج کیوں تیوریاں بدل رہا ہے؟ اب بھی اس کو یہ نہ سوجھی کہ سیارام کو دو چار پیسے کچھ کھانے کو دے دے۔ وہ اتنی بخیل ہو گئی تھی! بولی "گھر کا کام کرنا مزدوری نہیں کہلاتی اسی طرح میں بھی کہہ دوں کہ میں کھانا نہیں پکاتی تمہارے بابو جی کہہ دیں کہ میں کچہری نہیں جاتا تو کیا بنے بتاؤ! نہیں جانا چاہتے، نہ جاؤ، میں بھنگی سے منگا لوں گی۔ میں کیا جانتی تھی کہ تمہیں بازار جانا برا لگتا ہے۔ نہیں بلا سے، پیسے کی چیز دھیلے کی آتی مگر تمہیں بھیجتی۔ لو آج سے کان پکڑتی ہوں۔"

سیارام دل میں کچھتا دم ہوا۔ مگر بازار نہ گیا۔ اس کا دھیان بابا جی پر لگا ہوا تھا۔ اپنی ساری تکالیف کا خاتمہ اور زندگی کی ساری امیدیں اسے اب بابا جی کے آشیرواد میں معلوم ہوتی تھیں۔ انہیں کی خدمت میں جا کر اس کی زندگی کا مقصد حاصل ہو گا۔ غروب آفتاب کے وقت گھبرا اٹھا۔ سارا بازار چھان مارا مگر بابا جی کا کہیں پتہ نہ تھا۔ دن بھر کا بھوکا پیاسا وہ نادان لڑکا دکھتے ہوئے دل کے ہاتھوں سے دبائے امید و بیم کا مجسمہ بنا ہوا گلیوں اور مندروں میں اس چیز کو ڈھونڈھتا پھرتا تھا جس کے بغیر اسے اپنی جان وبال معلوم ہوتی تھی۔ ایک بار ایک مندر کے سامنے اسے کوئی سادھو کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے سمجھا وہی ہیں۔ وہ خوشی سے پھول گیا۔ دوڑا اور سادھو کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ مگر یہ کوئی اور ہی مہاتما تھے۔ مایوس ہو کر آگے بڑھ گیا۔

رفتہ رفتہ سڑک پر سناٹا چھا گیا۔ مکانوں کے دروازے بند ہونے لگے۔ سڑک کی پٹریوں پر اور گلیوں میں بورے بچھا بچھا کر ہندوستان کی رعایا خواب شیریں کا لطف اٹھانے لگی۔ مگر سیارام گھر واپس نہ گیا۔ اس گھر سے اس کا دل متنفر ہو گیا تھا۔ جہاں کسی کو اس سے محبت نہ تھی۔ جہاں وہ کسی محتاج کی طرح پڑا ہوا تھا۔ اور یہ صرف اس لیے کہ اس کا اور کہیں ٹھکانا نہ تھا۔ اس وقت بھی اس کے گھر واپس نہ جانے کی کسے فکر ہو گی؟ بابو جی کھانا کھا کر لیٹے ہوں گے، اماں جی بھی آرام کرنے جا رہی ہوں گی،

کسی نے میرے کمرے کی طرف جھانک کر دیکھا بھی نہ ہوگا۔ ہاں، بوا جی گھبرا رہی ہوں گی۔ جب تک میں نہ جاؤں گا وہ کھانا نہ کھائیں گی۔

رکمنی کی یاد آتے ہی سیارام گھر کی طرف چلا۔ وہ اگر اور کچھ نہ کر سکتی تھی تو کم از کم اسے گود میں لپٹا کر روتی تو تھی۔ اس کے باہر سے آنے پر ہاتھ منہ دھونے کے لیے پانی تو رکھ دیتی تھی! دنیا میں سبھی لڑکے دودھ کی کلیاں نہیں کرتے سبھی سونے کے لقمے نہیں کھاتے۔ سبھی کو پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں ملتا۔ مگر گھر سے متنفر وہی ہوتے ہیں جو مہر مادری سے محروم ہیں!

سیارام گھر کی طرف چلا ہی تھا کہ دفعتاً بابا ہری پرمانند ایک گلی سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ سیارام نے جا کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پرمانند نے چونک کر پوچھا ''بچہ! تم یہاں کہاں؟''

سیارام نے بات بنا کر کہا ''ایک دوست سے ملنے آیا تھا۔ آپ کا استھان یہاں سے کتنی دور ہے؟''

پرمانند: ''ہم لوگ آج یہاں سے جا رہے ہیں بچہ، ہردوار کی جاترا ہے۔''

سیارام نے نراش ہو کر کہا ''کیا آج ہی چلے جایئے گا؟''

پرمانند: ''ہاں بچہ اب لوٹ کر آؤں گا تب درشن دوں گا''

سیارام نے مایوس ہو کر کہا ''لوٹ کر؟''

پرمانند: ''جلد ہی آؤں گا بچہ!''

سیارام نے انکساری سے کہا ''میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا''

پرمانند: ''میرے ساتھ! تمہارے گھر کے لوگ جانے دیں گے؟''

سیارام: ''گھر کے لوگوں کو میری کیا پرواہ ہے؟'' اس کے آگے سیارام اور کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کی آنسو بھری آنکھوں نے اس کی داستان غم کو اس سے کہیں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جتنی اس کی زبان سے ادا ہو سکتی تھی۔

پرمانند نے بچے کو گلے سے لگا کر کہا ''اچھا بچہ، تیری اچھا (خواہش) ہے تو چل! سادھوسنتوں کی سنگت کا بھی آنند اٹھا۔ بھگوان کی اچھا ہوگی تو تیری اچھا پوری ہو جائے گی''

دانہ پر منڈلاتا ہوا طائر بالآخر دانہ پر گر پڑا۔ اس کی زندگی کا خاتمہ پنجرے میں ہوگا یا صیاد کی چھری تلے، یہ کون جانتا ہے؟

23

منشی جی پانچ بجے کچہری سے لوٹے اور اندر جا کر پلنگ پر گر پڑے۔ بڑھاپے کا بدن اس پر آج تمام دن کھانا نہ نصیب ہوا، منہ سوکھ گیا تھا، نرملا سمجھ گئی، آج بھی دن خالی گیا

نرملا نے پوچھا: ''آج کچھ نہ ملا؟''

منشی جی: ''سارا دن دوڑتے گزرا! مگر ہاتھ کچھ نہ لگا؟''

نرملا: ''فوجداری والے معاملے میں کیا ہوا؟''

منشی جی: ''میرے موکل کو سزا ہو گئی''

نرملا: ''آپ تو کہتے تھے، دعویٰ خارج ہو جائے گا''

منشی جی: ''کہا تو تھا، اور اب بھی کہتا ہوں کہ دعویٰ خارج ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر اتنا سر مغزن کون کرے؟''

نرملا: ''اس شہر والے دعوے میں؟''

منشی جی: ''اس میں ہار ہو گئی''

نرملا: ''تو آج کس ابھاگے کا منہ دیکھ کر اٹھے تھے''

منشی جی سے اب کام بالکل نہ ہو سکتا تھا۔ ایک تو ان کے پاس مقدمے آتے ہی نہ تھے اور جو آتے بھی تھے وہ خراب ہو جاتے تھے۔ مگر اپنی ناکامیوں کو وہ نرملا سے چھپاتے رہتے تھے۔ جس روز کچھ نہ ملتا اس روز کسی سے دو چار روپے ادھار لا کر نرملا

کو دے دیتے۔ عموماً سبھی دوستوں سے کچھ نہ کچھ لے چکے تھے آج وہ ڈول بھی نہ لگا۔

نرملا نے متفکرانہ لہجے میں کہا ''آمدنی کا یہ حال ہے تو ایشور ہی مالک ہے۔ اس پر بیٹے کا یہ حال ہے کہ بازار جانا مشکل۔ بھنگی ہی سے سب کام کرانے کو جی نہیں چاہتا ہے۔ گھی لے کر گیارہ بجے کو لوٹے۔ کتنا کہہ کر ہار گئی کہ لکڑے لیتے آو مگر سنتا ہی نہیں''

منشی جی: ''تو کھانا نہیں پکایا؟''

نرملا: ''ایسی ہی باتوں سے مقدمے ہارتے ہیں۔ ایندھن کے بغیر کسی نے کھانا بنایا ہے کہ میں بھی بنا لیتی؟''

منشی جی: ''تو بنا کچھ ہی کھائے چلا گیا؟''

نرملا: ''گھر میں اور کیا رکھا تھا جو کھلا دیتی؟''

منشی جی نے ڈرتے ڈرتے کہا ''کچھ پیسے نہ دیئے؟''

نرملا نے بھنوئیں سکوڑ کر کہا ''گھر میں پیسے پھلتے ہیں نہ؟''

منشی جی نے کچھ جواب نہ دیا۔ ذرا دیر تو انتظار کرتے رہے۔ کہ شاید ناشتے کے لیے ملے گا، لیکن جب نرملا نے پانی تک نہ منگایا تو بے چارے مایوس ہو کر باہر چلے گئے۔ سیارام کی تکلیف کا اندازہ کر کے ان کا دل بے چین ہو گیا۔ سارا دن گزر گیا۔ بے چارے نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔ کمرے میں پڑا ہو گا۔ ایک بار بھنگی ہی سے لکڑی منگائی جاتی تو ایسا کیا نقصان ہو جاتا۔ ایسی کفایت بھی کس کام کی کہ گھر کے آدمی بھوکے رہ جائیں؟ اپنا صندوقچہ کھول کر ٹٹولنے لگے کہ شاید دو چار آنے پیسے مل جائیں۔ اس کے اندر سے سارے کاغذات نکال ڈالے۔ ایک ایک خانہ دیکھا، نیچے ہاتھ ڈال کر دیکھا مگر کچھ نہ ملا۔ اگر نرملا کے صندق میں پیسے نہ پھلتے تھے تو اس صندوقچہ میں شاید اس کے پھول بھی نہ لگتے ہوں۔ لیکن اتفاق ہی کہیے کہ کاغذات کو

جھاڑتے ہوئے ایک چونی گر پڑی۔ مارے خوشی کے منشی جی اچھل پڑے۔ اس کے پیشتر بڑی رقمیں کما چکے تھے، مگر یہ چونی پا کر اس وقت انہیں جتنی خوشی ہوئی اتنی پیشتر کبھی نہ ہوئی تھی۔ چونی ہاتھ میں لیے ہوئے سیارام کے کمرے کے سامنے جا کر پکارا۔ کوئی جواب نہ ملا، تب کمرے میں جا کر دیکھا۔ سیارام کا کہیں پتہ نہ تھا۔ کیا ابھی اسکول سے نہیں لوٹا۔ دل میں یہ سوال پیدا ہوتے ہی منشی جی نے اندر جا کر بھنگی سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ اسکول سے لوٹ آیا ہے۔

منشی جی نے پوچھا ''کچھ پانی پیا ہے؟''

بھنگی نے کچھ جواب نہ دیا۔ ناک سکوڑ کر منہ پھیرے ہوئے چلی گئی۔

منشی جی آہستہ آہستہ آ کر اپنے کمرے میں بیٹھ گئے۔ آج پہلی بار انہیں نرملا پر غصہ آیا، لیکن ایک لمحے میں غصہ کا حملہ اپنے ہی اوپر ہونے لگا۔ اس اندھیرے کمرے میں فرش پر لیٹے ہوئے وہ اپنے لڑکے کی طرف سے اتنا بے پرواہ ہونے پر اپنے کو لعنت ملامت کرنے لگے۔ دن بھر کے تھکے تھے، ذرا ہی دیر بعد انہیں نیند آ گئی۔

بھنگی نے آ کر پکارا ''بابو جی، رسوئی تیار ہے''

منشی جی چونک کر اٹھ بیٹھے۔ کمرے میں لیمپ جل رہا تھا۔ پوچھا ''کے بج گئے بھنگی مجھے نیند آ گئی تھی۔''

بھنگی نے کہا ''کوتوالی کے گھنٹے میں نو بج گئے ہیں''

منشی جی: ''سیا بابو آئے؟''

بھنگی: ''آئے ہوں گے تو گھر ہی نہ ہوں گے؟''

منشی جی نے جھنجھلا کر پوچھا ''میں پوچھتا ہوں، آئے کہ نہیں اور تو نہ جانے کیا جواب دیتی ہے؟ آئے کہ نہیں؟''

بھنگی: ''میں نے تو نہیں دیکھا۔ جھوٹ کیسے کہہ دوں؟''

منشی جی پھر لیٹ گئے اور بولے ''ان کو آ جانے دے تب چلوں گا''

نصف گھنٹے تک دروازہ کی طرف آنکھیں لگائے ہوئے منشی جی دیکھتے رہے تب وہ اٹھ کر باہر آئے اور داہنے ہاتھ کوئی دو تین فرلانگ تک چلے۔ تب لوٹ کر دروازے پر آئے اور پوچھا ''سیا بابو آ گئے؟''

اندر سے جواب ملا ''ابھی نہیں''

منشی جی پھر بائیں طرف چلے اور گلی کے موڑ تک گئے۔ سیارام کہیں نہ دکھائی دیا۔ وہاں سے پھر گھر لوٹے۔ اور دروازے پر کھڑے ہو کر پوچھا ''سیا بابو آ گئے؟''

اندر سے جواب ملا: ''ابھی نہیں''

کوتوالی کے گھنٹے پر دس بجنے لگے۔ منشی جی بڑی تیزی سے کمپنی باغ کی طرف چلے۔ سوچنے لگے کہ شاید وہاں گھومنے گیا ہو۔ گھاس پر لیٹے لیٹے نیند آ گئی ہو۔ باغ میں پہنچ کر انہوں نے ہر بینچ کو دیکھا۔ چاروں طرف گھومے، بہت سے آدمی گھاس پر پڑے ہوئے تھے۔ مگر سیارام کا کہیں پتہ نہ تھا۔ انہوں نے سیارام کا نام لے کر زور سے پکارا مگر کہیں سے آواز نہیں آئی۔

پھر خیال آیا شاید اسکول میں کوئی تماشا ہو رہا ہو۔ اسکول ایک میل سے زیادہ فاصلے پر تھا۔ وہ اسکول کی طرف چلے مگر نصف ہی راستے لوٹ پڑے۔ بازار بند ہو گیا تھا۔ اسکول میں اتنی رات تک تماشا نہیں ہو سکتا۔ اب کے انہیں امید ہو رہی تھی کہ سیارام لوٹ آیا ہوگا۔ دروازے پر آ کر انہوں نے پکارا۔ بھنگی کواڑ کھول کر بولی ''ابھی تک تو نہیں آئے''

منشی جی نے آہستہ سے بھنگی کو اپنے پاس بلایا اور درد بھری آواز میں بولے ''تو تو گھر کی سب باتیں جانتی ہے، بتا آج کیا ہوا تھا؟''

بھنگی: ''بابو جی جھوٹ نہ بولوں گی۔ مالکن نوکری چھڑا دیں گی اور کیا؟ دوسرے کا لڑکا اس طرح نہیں رکھا جاتا۔ جہاں کوئی کام ہوا کہ بس بازار بھیج دیا۔ دن بھر بازار

دوڑتے بیتتا تھا۔ آج لکڑی لانے نہ گئے تو چولہا ہی نہ جلا۔ کہو تو منہ پھلا دیں۔ جب آپ ہی نہیں دیکھتے تو دوسرا کون دیکھے گا؟ چلیے کھانا کھا لیجیے، بہو جی کب سے بیٹھی ہیں"

منشی جی: "کہہ دے اس وقت نہیں کھائیں گے"

منشی جی پھر اپنے کمرے میں چلے گئے اور ایک لمبی سانس لی۔ ساتھ ہی درد سے بھرے ہوئے یہ الفاظ ان کے منہ سے نکل پڑے "ایشور! کیا ابھی سزا پوری نہیں ہوئی؟ کیا اس اندھے کی لکڑی کو بھی ہاتھ سے چھین لوگے؟"

نرملا نے آ کر کہا "آج سیارام ابھی تک نہیں آئے۔ کہتی رہی کہ کھانا بنائے دیتی ہوں۔ کھا لو مگر نہ جانے کب اٹھ کر چل دیئے۔ نہ جانے کہاں گھوم رہے ہیں؟ بات تو سنتے ہی نہیں۔ اب کب تک ان کی راہ دیکھا کروں؟ چل کر کھا لیجیے، ان کے لیے کھانا اٹھا کر رکھ دوں گی"

منشی جی نے نرملا کی طرف سے تیز نگاہوں دیکھتے ہوئے کہا "ابھی کے بجے ہوں گے؟"

نرملا: "کیا جانے، شاید دس بجے ہوں گے"

منشی جی: "جی نہیں بارہ بجے ہیں"

نرملا: "بارہ بج گئے! اتنی دیر تو کبھی نہ کرتے تھے۔ تو اب کب تک ان کی راہ دیکھو گے؟ دوپہر کو بھی تو کچھ نہ کھایا تھا۔ ایسا سیلانی لڑکا تو میں نے نہیں دیکھا"

منشی جی: "جی تمہیں بہت دق کرتا ہے، کیوں؟"

نرملا: "دیکھیے نا کہ اتنی رات گئی اور گھر کی سدھ ہی نہیں"

منشی جی: "شاید آخری شرارت ہو؟"

نرملا: "کیسی باتیں منہ سے نکالتے ہیں۔ جائیں گے کہاں؟ کسی یار دوست کے گھر پر رہے ہوں گے"

منشی جی: ''شاید ایسا ہی ہو، ایشور کرے ایسا ہی ہو''

نرملا: ''سویرے آویں تو ذرا تنبیہ کر دیجیے گا''

منشی جی: ''خوب اچھی طرح کروں گا''

نرملا: ''چلئے کھا لیجیے، بہت دیر ہوئی ہے''

منشی جی: ''سویرے اس کو تنبیہ کر کے کھاؤں گا۔ کہیں نہ آیا تو تمہیں ایسا ایماندار نوکر کہاں ملے گا؟''

نرملا نے اینٹھ کر کہا ''تو کیا میں نے بھگا دیا''

منشی جی: ''نہیں یہ کون کہتا ہے؟ تم اسے کیوں بھگانے لگیں؟ تمہارا تو کام کرتا تھا، شامت آ گئی ہو گی''

نرملا نے اور کچھ نہیں کہا۔ بات بڑھ جانے کا خوف تھا، اندر چلی گئی، سونے کو بھی نہیں کہا۔ ذرا دیر میں بھنگی نے اندر سے کواڑ بھی بند کر دیئے۔

کیا منشی جی کو نیند آ سکتی تھی؟ تین لڑکوں میں صرف ایک بچ رہا تھا۔ وہ بھی ہاتھ سے نکل گیا تو زندگی میں تاریکی کے سوا اور کیا ہے کوئی نام لیوا بھی نہ رہ جائے گا۔ ہائے کیسے کیسے جواہر ہاتھ سے نکل گئے! منشی جی کی آنکھوں سے اگر اس وقت آنسوؤں کا تار بندھا ہوا تھا تو اس میں کیا تعجب ہو سکتا ہے؟ اس بڑی پشیمانی، اس گھنی تاریکی میں امید کی ایک جھلک انہیں سنبھالے ہوئے تھی۔ جس وقت یہ جھلک غائب ہو جائے گی تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان پر کیا بیتے گی؟ ان کی اس پریشانی کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

کئی بار منشی جی کی آنکھیں جھپکیں، مگر ہر بار سیارام کی آہٹ کے دھوکے میں چونک پڑے! صبح ہوتے ہی منشی جی پھر سیارام کو ڈھونڈنے لگے ظاہراً کسی سے پوچھتے ہی شرم آتی تھی۔ کس منہ سے پوچھیں؟ انہیں کسی سے ہمدردی کی امید نہ تھی۔ ظاہراً کہہ کر بھی دل میں سب یہی کہیں گے کہ جیسا کیا ویسا بھوگو۔ تمام دن وہ اسکولوں

کے میدانوں بازاروں اور باغیچوں کا چکر لگاتے رہے۔ دو دن فاقے سے رہنے پر بھی ان میں سکت کہاں سے آئی، یہ وہی جانیں۔

رات کے بارہ بجے منشی جی لوٹے۔ دروازے پر لالٹین جل رہی تھی۔ نرملا دروازے پر کھڑی تھی۔ دیکھتے ہی بولی ''کہا بھی نہیں، نہ جانے کب چل دیئے۔ کچھ پتہ چلا؟''

منشی جی نے جلتی ہوئی آنکھوں سے تاکتے ہوئے کہا ''ہٹ جاؤ، سامنے سے ورنہ برا ہوگا۔ میں آپے میں نہیں ہوں۔ یہ تمہاری کرتوت ہے۔ تمہارے ہی سبب آج میری یہ حالت ہورہی ہے۔ آج سے چھ سال قبل کیا اس گھر کی یہی حالت تھی؟ تم نے میرا بنا ہوا گھر بگاڑ دیا۔ تم نے میرے لہلہاتے ہوئے باغ کو اجاڑ ڈالا۔ صرف ایک ٹھونٹھ رہ گیا ہے، اس کا نشان بھی مٹا کر ہی تمہیں صبر ہوگا۔ میں اپنی تباہی کے لیے تمہیں اپنے گھر نہیں لایا تھا۔ آسائش کی زندگی کو اور بھی آسائش والی بنانا چاہتا تھا۔ یہ اس کا خمیازہ ہے جو لڑکے پان کی طرح پھیرے جاتے تھے۔ انہیں میرے جیتے جی تم نے غلام سمجھ لیا اور میں آنکھوں سے سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اندھا بنا بیٹھا رہا۔ جاؤ میرے لیے تھوڑا سا سنکھیا بھیج دو۔ بس یہی کسر رہ گئی ہے، وہ بھی پوری ہو جاوے''

نرملا نے روتے ہوئے کہا ''میں تو ابھاگن ہی ہوں، کیا جب آپ کہیں گے تب جاؤں گی؟ نہ جانے ایشور نے مجھے جنم کیوں دیا تھا۔ مگر یہ آپ نے کیسے سمجھ لیا کہ سیا رام اب آویں گے ہی نہیں؟''

منشی جی نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا ''جلاؤ مت! جا کر خوشیاں مناؤ۔ تمہاری دلی خواہش پوری ہوگئی''

نرملا ساری رات روتی رہی۔ اتنا بڑا کلنک! اس نے جیا رام کو گہنے لے جاتے

ہوئے دیکھنے پر بھی منہ کھولنے کی جرأت نہ کی تھی۔ کیوں؟ اسی لیے تو یہ کہ لوگ سمجھیں گے کہ وہ جھوٹا الزام لگا کر لڑکے سے دشمنی کر رہی ہے۔ آج اس کے خاموش رہنے پر اسے قصوروار قرار دیا جا رہا ہے۔ اگر وہ جیا رام کو اسی وقت روک دیتی اور جیا رام شرم سے کہیں بھاگ جاتا تو اس کے سر پر الزام نہ رکھا جاتا؟

سیا رام ہی کے ساتھ اس نے کون سی بدسلوکی کی تھی؟ وہ کچھ بچت کرنے ہی کے خیال سے تو سیا رام کی معرفت سودا منگوایا کرتی تھی۔ کیا وہ بچت کر کے اپنے لیے زیور بنوانا چاہتی تھی؟ جب آمدنی کا یہ حال ہو رہا تھا تو پیسے پیسے پر نگاہ رکھنے کے سوائے کچھ جمع کرنے کا اس کے پاس اور ذریعہ ہی کیا تھا؟ جوانوں کی زندگی کا ہی کوئی بھروسہ نہیں پھر بوڑھوں کا کیا ٹھکانہ؟ بچی کے بیاہ کے لیے وہ کس کے آگے ہاتھ پھیلاتی؟ بچی کا بار کچھ اس پر تو نہیں تھا؟ وہ صرف شوہر کی آسانی کے لیے کچھ جمع کر لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ شوہر ہی کیوں؟ سیا رام ہی تو باپ کے گھر کا مالک ہوتا۔ بہن کے بیاہ کا بار اس کے سر نہ پڑتا؟ نرملا ساری کانٹ چھانٹ شوہر کی تکلیف رفع کرنے کے خیال سے کر رہی تھی۔ موجودہ حالات میں بچی کا بیاہ بجز تکلیف دہی کے اور کیا ہو سکتا تھا؟ مگر اس کے لیے بھی اس کے نصیب میں بدنامی ہی بدی تھی!

دوپہر ہو گئی تھی مگر آج بھی چولہا نہیں جلا۔ کھانا بھی زندگی کا کام ہے۔ اس کا کسی کو ہوش نہ تھا۔ منشی جی باہر بے جان سے پڑے تھے اور نرملا اندر۔ بچی کبھی باہر جاتی کبھی اندر، کوئی اس سے بولنے والا نہ تھا۔ بار بار سیا رام کے کمرے کے دروازے پر جا کر کھڑی ہوتی اور ''بیا بیا'' پکارتی مگر ''بیا'' کوئی جواب نہ دیتا تھا

شام کو منشی جی آ کر نرملا سے بولے ''تمہارے پاس کچھ روپے ہیں؟''

نرملا نے چونک کر پوچھا ''کیا کیجیے گا؟''

منشی جی: ''میں جو پوچھتا ہوں اس کا جواب دو''

نرملا: ''کیا آپ کونہیں معلوم ہے؟ دینے والے تو آپ ہی ہیں''

منشی جی: ''تمہارے پاس کچھ روپے ہیں یا نہیں؟ اگر ہوں تو مجھے دے دو ورنہ صاف جواب دے دو''

نرملا نے اب بھی صاف جواب نہ دیا بولی ''ہوں گے تو گھر ہی میں نا ہوں گے۔ میں نے کہیں اور تو نہیں بھیج دیئے''

منشی جی باہر چلے گئے۔وہ جانتے تھے کہ نرملا کے پاس روپے ہیں۔واقعی تھے بھی، نرملا نے یہ بھی نہیں کہا کہ نہیں ہیں یا میں نہ دوں گی مگر اس کی گفتگو سے ظاہر ہو گیا وہ دینا نہیں چاہتی۔

نو بجے رات کو منشی جی نے کہا ''بہن میں ذرا باہر جا رہا ہوں۔میر ابستر بھنگی سے بندھوا دینا اور ٹرنک میں کچھ کپڑے رکھوا کر بند کر دینا''

رکمنی کھانا پکا رہی تھی بولی ''بہو تو کمرے میں ہے۔کہہ کیوں نہیں دیتے؟ کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

منشی جی: ''میں تم سے کہتا ہوں بہو سے کہنا ہوتا تو تم سے کیوں کہتا؟ آج تم کیوں کھانا پکا رہی ہو؟''

رکمنی: ''کون پکاوے؟ بہو کے سر میں درد ہو رہا ہے۔آخر اس وقت کہاں جا رہے ہو؟ سویرے چلے جانا''

منشی جی: ''اسی طرح ٹالتے ٹالتے تو آج تین روز ہو گئے۔ادھر ادھر گھوم گھام کر دیکھوں شاید سیا رام کا پتہ چل جاوے۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایک سادھو کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔شاید ہی کہیں بہکا کر لے گیا ہو''

رکمنی: ''لوٹو گے کب؟''

منشی جی: ''کچھ کہہ نہیں سکتا۔ہفتہ بھر لگ جائے، مہینہ بھر لگ جائے، کونسا ٹھکانا ہے''

رکمنی: ''آج کون سا دن ہے؟ کسی پنڈت سے پوچھ لیا ہے، جانتا ہے کہ نہیں؟''

منشی جی کھانا کھانے بیٹھے۔ نرملا کو اس وقت ان پر بڑا ترس آیا۔ اس کا سارا غصہ فرو ہو گیا۔ خود تو نہ بولی مگر بچی کو جگا کر بچکارتی ہوئی بولی ''دیکھ تیرے بابو جی کہاں جا رہے ہیں پوچھ تو!''

بچی نے وہیں سے کھڑے کھڑے کہا ''ام بی تلیں گے''

منشی جی: ''بڑی دور جاتے ہیں بچی! تمہارے واسطے چیزیں لاویں گے۔ یہاں کیوں نہیں آتی'' بچی مسکرا کر چھپ گئی اور ایک لمحہ بعد پھر کواڑ سے سر نکال کر بولی'' ام بھی تلیں گے؟''

منشی جی نے اسی لہجے میں کہا ''تم کو نہیں لے تلیں گے''

بچی: ''ام کو کیوں نہیں لے تلو گے؟''

منشی جی: ''تم تو ہمارے پاس آتی نہیں ہو''

لڑکی ٹھمکتی ہوئی آ کر باپ کی گودی میں بیٹھ گئی۔ ذرا دیر کے لیے منشی جی اس کی طفلانہ حرکتوں میں اپنا دکھ بھول گئے

کھانا کھا کر منشی جی باہر چلے گئے۔ نرملا کھڑی تاکتی رہی۔ کہنا چاہتی تھی کہ بے فائدہ جا رہے ہو۔ مگر کہہ نہ سکتی تھی۔ کچھ روپے نکال کر دینے کا ارادہ کرتی تھی مگر دے نہ سکی۔

آخر رہا نہ گیا رکمنی سے بولی ''دیدی جی! ذرا سمجھا دیجیے، کہاں جا رہے ہیں؟ میری تو زبان پکڑی جائے گی۔ مگر بغیر رہا نہیں جاتا۔ بلا ٹھکانے کہاں کھوجیں گے؟ بے فائدہ حیرانی ہو گی''

رکمنی نے رقت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

نرملا بچی کو گود میں لیے سوچ رہی تھی کہ شاید جانے کے قبل بچی کو دیکھنے یا مجھ سے ملنے کے لیے آویں مگر اسے مایوس ہونا پڑا۔ منشی جی نے بستر ا اٹھایا اور تانگہ پر جا

بیٹھے۔

اسی وقت نرملا کا کلیجہ مسوسنے لگا۔ اسے ایسا معلوم ہوا کہ اب ان سے ملاقات نہ ہو گی۔ وہ بے صبری سے دروازے پر آئی کہ منشی جی کو روک سکے مگر تانگہ روانہ ہو گیا تھا۔

25

دن گزرنے لگے، پورا ایک مہینہ گزر گیا، مگر منشی جی نہ لوٹے، کوئی خط بھی نہ بھیجا۔ نرملا کو اب روز یہی تردد رہتا تھا کہ وہ لوٹ کر نہ آئے تو کیا ہو گا؟ اسے اس کی فکر نہ ہوتی تھی کہ اب پر کیا بیت رہی ہو گی، اور کہاں مارے مارے پھرتے ہوں گے۔ ان کی صحت کیسی ہو گی؟ اسے صرف اپنی اور اس سے بھی زیادہ بچی کی فکر تھی۔ گرہستی کیسے چلے گی؟ ایشور کیسے بیڑا پار لگاویں گے؟ بچی کی کیا حالت ہو گی؟

اس نے کانٹ چھانٹ کر کے جو روپے جمع کیے تھے اس میں ہر روز کچھ نہ کچھ کمی ہوتی جاتی تھی۔ نرملا کو اس میں سے ایک ایک پیسہ نکالنا اس قدر کھلتا تھا گویا کوئی اس کے بدن سے خون نکال رہا ہو۔ جھنجھلا کر منشی جی کو کوستی۔ لڑکی کسی چیز کے لیے روتی تو اسے کمبخت منحوس وغیرہ کہہ کر ڈانٹ دیتی۔ یہی نہیں، رکمنی کا گھر میں رہنا بھی ناگوار تھا۔ گویا وہ اس کی گردن پر سوار ہے۔ جب دل جلتا ہے تو الفاظ بھی جلے کٹے نکلتے ہیں۔ نرملا بڑی شیریں زبان عورت تھی۔ مگر اب اس کا شمار بد زبان عورتوں میں کیا جا سکتا تھا۔ تمام دن اس کے منہ سے سخت باتیں نکلا کرتیں۔ اس کے الفاظ کی نرمی نہ جانے کیا ہو گئی تھی۔ مزاج میں بردباری تھی، مگر یہ ہر وقت کی بکواس اس سے بھی برداشت نہ ہو سکتی۔ یہاں تک کہ جس بچی کو وہ جان سے عزیز رکھتی تھی اس کی صورت سے بھی نفرت ہو گئی۔ بات بات پر جھڑک دیتی، کبھی کبھی مار بیٹھتی۔ رکمنی روتی ہوئی لڑکی کو گود میں اٹھا لیتی اور لاڈ پیار کر کے چپ کراتی۔ اس بے کس کے لیے اب یہی ایک سہارا رہ گیا تھا۔

نرملا کو اب اگر کچھ اچھا لگتا تھا تو سدھا سے باتیں کرنا۔ وہ وہاں جانے کا موقع تلاش کرتی رہتی تھی۔ بچی کو اب وہ اپنے ساتھ نہ لے جانا چاہتی تھی۔ پہلے جب بچی کو اپنے گھر میں سبھی چیزیں کھانے کو ملتی تھیں تو وہاں جا کر ہنستی کھیلتی تھی۔ اب وہاں جا کر اسے بھوک لگتی تھی۔ نرملا اسے گھور گھور کر دیکھتی۔ مٹھیاں باندھ کر دھمکاتی مگر لڑکی بھوک کی رٹ لگانا نہ چھوڑتی تھی۔ اسی لیے نرملا اب اسے ساتھ نہ لے جاتی تھی۔ سدھا کے پاس بیٹھ کر اسے معلوم ہوتا تھا کہ میں آدمی ہوں۔ اتنی دیر کے لیے اس کو تفکرات سے نجات مل جاتی تھی جیسے شرابی کو شراب کے نشہ میں بےفکری ہوتی ہے اسی طرح نرملا سدھا کے گھر جا کر مطمئن ہو جاتی۔ اس کے مزاج میں تبدیلی نظر آتی۔ بد زبان عورت یہاں آ کر حلاوت اور خوش گفتاری کا مجسمہ بن جاتی تھی۔ شباب کی قدرتی تحریکیں وہاں گھر میں راستہ بند پا کر یہاں متحرک ہو جاتی تھیں۔ وہ اپنا پورا بناؤ سنگار کر کے آتی اور حتی الامکان اپنے رنج و غم کو اپنے دل ہی میں رکھتی۔ یہاں وہ رونے کے لیے نہیں ہنسنے کے لیے آتی تھی۔

مگر شاید اس کے نصیب میں یہ سکھ بھی نہیں بدا تھا۔ نرملا عموماً دوپہر یا تیسرے پہر میں سدھا کے گھر جایا کرتی تھی۔ ایک روز اس کا جی اس قدر گھبرایا کہ سویرے ہی جا پہنچی۔ سدھا دریا نہانے گئی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب ہسپتال جانے کے لیے کپڑے پہن رہے تھے۔ مہری اپنے کام دھندے میں لگی ہوئی تھی نرملا اپنی سکھی کے کمرے میں جا کر فراغت سے بیٹھ گئی۔ اس نے سمجھا سدھا کوئی کام کر رہی ہوگی اور ابھی آتی ہو گی۔ جب بیٹھے بیٹھے دو تین منٹ گزر گئے تو اس نے الماری سے تصاویر کی ایک کتاب اتار لی۔ اور بال کھولے ہوئے پلنگ پر لیٹ کر تصویریں دیکھنے لگی۔ اسی اثناء میں ڈاکٹر صاحب کو ضرورتاً نرملا کے کمرے میں آنا پڑا شاید عینک تلاش کر رہے تھے۔ بے دھڑک اندر چلے آئے۔ نرملا دروازے کی طرف بال کھولے ہوئے لیٹی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہی ایک دم اٹھ بیٹھی اور سر کو ڈھانکتی ہوئی پلنگ سے

اتر کر نیچے کھڑی ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے لوٹتے ہوئے چق کے پاس کھڑے ہوکر کہا ''معاف کرنا نرملا، مجھے معلوم نہ تھا کہ تم یہاں ہو۔ میری عینک میرے کمرے میں نہیں مل رہی ہے، نہ جانے کہاں اتار کر رکھ دی تھی۔ میں نے سمجھا کہ عینک یہاں ہو۔''

نرملا نے پلنگ کے سرہانے والے طاق پر نگاہ ڈالی تو عینک کا خانہ دکھائی پڑا۔ اس نے آگے بڑھ کر خانہ اتار دیا۔ اور سر جھکائے، بدن سمیٹے، شرم سے منہ پھیرے ہوئے ڈاکٹر صاحب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ڈاکٹر صاحب نے نرملا کو دو ایک بار پیشتر بھی دیکھا تھا مگر اس وقت کے ارادے کبھی ان کے دل میں نہ پیدا ہوئے تھے۔ جس آگ کو برسوں سے دل میں دبائے ہوئے تھے، وہ آج ہوا کا جھونکا پا کر بھڑک اٹھی۔ انہوں نے عینک لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ کانپ رہا تھا۔ عینک لے کر بھی وہ باہر نہ گئے۔ وہیں ساکت سے کھڑے رہے۔ نرملا نے اس تنہائی سے خوفزدہ ہوکر پوچھا ''سدھا کہیں گئی ہیں کیا؟''

ڈاکٹر صاحب نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا ''ہاں ذرا نہانے گئی ہیں''

پھر بھی ڈاکٹر صاحب باہر نہ گئے وہیں کھڑے رہے۔ نرملا نے پھر پوچھا ''کب آویں گی''

ڈاکٹر نے سر جھکائے ہو کہا ''آتی ہی ہوں گی''

پھر بھی وہ باہر نہ گئے۔ ان کے دل میں سخت تلاطم ہو رہا تھا۔ اخلاقی رکاوٹ نہیں بلکہ کم ہمتی کا تاگا ان کی زبان کو باندھے ہوئے تھا۔

نرملا نے پڑھا۔ ''کہیں گھومنے لگی ہوں گی، میں بھی اس وقت جاتی ہوں''

کم ہمتی کا کچا دھاگا بھی ٹوٹ گیا۔ دریا کی ساحلی بلندیوں پر پہنچ کر بھاگتی ہوئی موج میں غیر معمولی طاقت آجاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سر اٹھا کر نرملا کو دیکھا اور نہایت محبت آمیز لہجے میں کہا ''نہیں نرملا، اب آتی ہی ہوں گی، ابھی نہ جاؤ۔ روز

سدھا کی خاطر سے بیٹھی ہو تو آج میری خاطر سے بیٹھو، بتاؤ کب تک اس آگ میں جلا کروں؟ سچ کہتا ہوں نرملا''

نرملا نے آگے نہ سنا، اسے ایسا معلوم ہوا گویا ساری زمین چکر کھا رہی ہے گویا اس کی جان پر ہزاروں بجلیاں گر رہی ہیں۔ اس نے جلدی سے الگنی پر لٹکتی ہوئی چادر اتار لی اور بغیر منہ کے ایک لفظ نکالے کمرے سے باہر نکل گئی۔ ڈاکٹر صاحب کھسیانے سے ہوئے رونی صورت بنائے کھڑے رہ گئے۔ اسے روکنے کی یا اور کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑی۔

نرملا جونہی دروازے پر پہنچی کہ اس نے سدھا کو تانگے سے اترتے دیکھا۔ سدھا اسے دیکھتے ہی جلدی سے اتر کر اس کی طرف دوڑی اور کچھ کہنا چاہتی تھی، مگر نرملا نے اس کو موقع نہ دیا وہ تیر کی طرح تیزی سے چلی گئی۔ سدھا ایک لمحے تک متحیر کھڑی رہی۔ وہ کچھ نہ سمجھ سکی کہ بات کیا ہے۔ وہ گھبرا اٹھی۔ جلد اندر گئی اور مہری سے پوچھا کہ کیا بات ہوئی۔ اسے محسوس ہوا کہ کہیں مہری یا کسی نوکر نے اس کو کوئی توہین آمیز بات کہہ دی ہے۔ وہ مجرم کا پتہ لگائے گی اور اس کو کھڑے کھڑے نکال دے گی۔ دوڑی ہوئی وہ اپنے کمرے میں گئی۔ اندر قدم رکھتے ہی ڈاکٹر کو سر جھکائے پلنگ پر بیٹھے دیکھا پوچھا ''نرملا یہاں آئی تھیں؟''

ڈاکٹر نے سر کھجاتے ہوئے کہا ''ہاں آئی تھیں''

سدھا: ''کسی مہری نے انہیں کچھ کہہ تو نہیں دیا؟ مجھ سے بولیں تک نہیں، تیزی سے نکل گئیں''

ڈاکٹر صاحب کا چہرا اور اداس ہو گیا، کہاں ''یہاں تو انہیں کسی نے بھی کچھ نہیں کہا''

سدھا: ''کسی نے کچھ کہا ہے، دیکھو میں پوچھتی ہوں نہ۔ ایشور جانتا ہے کہ پتہ پا جاؤں گی تو کھڑے کھڑے نکال دوں گی''

ڈاکٹر صاحب ٹپٹا کر بولے ''میں نے تو کسی کو کچھ کہتے ہوئے نہیں سنا، تمہیں

انہوں نے دیکھا ہی نہ ہوگا‘‘

سدھا: ’’واہ دیکھا ہی نہ ہوگا! ان کے سامنے تو میں تانگے سے اتری۔ انہوں نے میری طرف دیکھا بھی مگر بولیں کچھ نہیں۔ اس کمرے میں آئی تھیں۔؟‘‘

ڈاکٹر کی روح فنا ہوئی جاتی تھی۔ ہچکچاتے ہوئے بولے ’’آئی کیوں نہیں تھیں‘‘

سدھا: ’’تمہیں یہاں بیٹھا دیکھ کر چلی گئی ہوں گی۔ بس کسی مہری نے کچھ کہہ دیا ہو گا۔ نیچ ذات ہیں نا، کسی کو بات کرنے کی تمیز تو ہے نہیں۔ اری او رسندریا، ذرا یہاں تو آنا!‘‘

ڈاکٹر: ’’اسے کیوں بلاتی ہو؟ وہ یہاں سیدھے دروازے کی طرف گئی، مہریوں سے تو بات تک نہیں ہوئی‘‘

سدھا: ’’تو پھر تمہیں نے کچھ کہہ دیا ہوگا‘‘

ڈاکٹر صاحب کا دل دھڑکنے لگا بولے ’’میں بھلا کیا کہہ دیتا، کیا گنوار ہوں‘‘

سدھا: ’’تم نے اسے آتے دیکھا تب بھی بیٹھے رہ گئے‘‘

ڈاکٹر: ’’میں یہاں تھا ہی نہیں، باہر کمرے میں عینک ڈھونڈتا رہا۔ جب وہاں نہ ملی تو میں نے سوچا کہ شاید اندر ہو۔ یہاں آیا تو انہیں بیٹھے دیکھا۔ میں باہر جانا چاہتا تھا کہ انہوں نے خود ہی پوچھا ’’کسی چیز کی ضرورت ہے؟ میں نے کہا ذرا دیکھنا، یہاں میری عینک تو نہیں ہے۔ اسی سرہانے والے طاق پر تھی۔ انہوں نے اٹھا کر دے دی بس اتنی ہی بات ہوئی

سدھا: ’’بس تمہیں عینک دیتے ہی وہ جھلائی ہوئی باہر چلی گئیں‘‘

ڈاکٹر: ’’جھلائی ہوئی تو نہیں چلی گئیں۔ جانے لگیں تو میں نے کہا، بیٹھے وہ آتی ہوں گی۔ نہ بیٹھیں تو میں کیا کرتا؟‘‘

سدھا نے کچھ سوچ کر کہا ’’بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ میں ذرا ان کے پاس جاتی ہوں دیکھوں کیا بات ہے‘‘

ڈاکٹر: ''تو چلی جانا، ایسی جلدی کیا ہے؟ سارا دن تو پڑا ہوا ہے''

سدھا تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی نرملا کے گھر کی طرف چلی اور پانچ منٹ میں جا پہنچی۔ دیکھا تو نرملا اپنے کمرے میں پلنگ پر پڑی رو رہی تھی۔ اور بچی اس کے پاس کھڑی پوچھ رہی تھی ''اماں! کیوں لوتی ہو؟'' سدھا نے لڑکی کو گود میں اٹھالیا۔ اور نرملا سے بولی ''بہن سچ بتاؤ، کیا بات ہے؟ میرے یہاں کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے؟ میں سب سے پوچھ چکی، کوئی کچھ نہیں بتلاتا''

نرملا آنسو پونچھتی ہوئی بولی ''کسی نے کچھ نہیں، بہن! بھلا وہاں مجھے کون کچھ کہتا؟''

سدھا: ''تو یوں نہ بتاؤ گی تو میں قسم رکھا دوں گی''

نرملا: ''قسم نہ رکھانا بھئی! بھئی مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا، جھوٹ کیسے لگادوں؟''

سدھا: ''کھاؤ میری قسم!''

نرملا: ''تم ناحق ضد کرتی ہو''

سدھا: ''اگر تم نے نہ بتلایا! تو میں سمجھوں گی کہ تمہیں مجھ سے ذرا بھی محبت نہیں ہے، بس سب زبانی جمع خرچ ہے۔ میں تم سے کسی بات کا پردہ نہیں رکھتی اور تم مجھے غیر سمجھتی ہو۔ مجھے تم پر بڑا بھروسا تھا، اب جان گئی کہ کوئی کسی کا نہیں ہوتا''

سدھا آبدیدہ ہوگئی، اس نے بچی کو گودی سے اتارلیا اور دروازے کی طرف چلی۔ نرملا نے اٹھ کر اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ اور روتی ہوئی بولی ''سدھا! میں تمہارے پیروں پڑتی ہوں، کچھ مت پوچھو، تمہیں سن کر رنج ہوگا اور شاید میں پھر اپنا منہ نہ دکھا سکوں۔ میں ابھاگن نہ ہوتی تو یہ دن ہی کیوں دیکھتی؟ اب تو ایشور سے یہی بنتی ہے کہ وہ اس دنیا سے مجھے اٹھالیں۔ ابھی یہ درگت ہو رہی ہے تو آگے نہ جانے کیا ہوگا۔''

ان الفاظ میں جو اشارہ تھا وہ فہیم سدھا سے مخفی نہ رہ سکا۔ وہ سمجھ گئی کہ ڈاکٹر صاحب نے کچھ چھیڑ چھاڑ کی ہے۔ ان کے جھجکتے ہوئے باتیں کرنا اور اس کے سوالوں کو

ٹالنا، ان کا وہ اداس اور بد رنگ چہرہ یاد آ گیا۔ وہ سر سے پیر تک کانپ اٹھی ۔ اور بلا کچھ کہے سنے شیرنی کی طرح غصہ میں بھری ہوئی دروازے کی طرف چلی ۔ نرملا نے اسے روکنا چاہا مگر وہ روک نہ سکی ۔ دیکھتے دیکھتے وہ سڑک پر جا رہی اور گھر کی طرف چل دی۔ تب نرملا وہیں زمین پر بیٹھ گی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔

26

نرملا تمام دن پلنگ پر پڑی رہی ۔ معلوم ہوتا ہے، اس کے بدن میں جان ہی نہیں ہے۔ نہ نہایا اور نہ کھانا کھانے کے لیے اٹھی ۔ شام کو اسے بخار ہو گیا ۔ تمام رات بدن توے کی طرح جلتا رہا۔ دوسرے روز بھی بخار نہ اترا، البتہ کچھ کم ہو گیا تھا۔ وہ پلنگ پر لیٹی ہوئی ٹکٹکی باندھ کر دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی ۔ چاروں طرف سونا تھا، اندر بھی سونا۔ نہ کوئی فکر تھی ، نہ کچھ یاد، نہ کسی قسم کا رنج تھا۔ دماغ میں احساس کی قوت ہی باقی نہ رہی تھی ۔

دفعتاً رکمنی بچی کو گود میں لیے آ کر کھڑی ہو گئی ۔ نرملا نے پوچھا، کیا یہ بہت روتی تھی؟

رکمنی: ’’نہیں، یہ بولی تک نہیں، رات بھر چپ چاپ پڑی رہی ۔ سدھا نے تھوڑا دودھ بھیج دیا تھا، وہی پلا تھا۔‘‘

نرملا: ’’اہیرن دودھ نہ دے گی تھی‘‘

رکمنی: ’’کہتی تھی کہ پچھلے پیسے دے دو تو دودھ دوں ۔ تمہارا جی اب کیسا ہے؟‘‘

نرملا: ’’مجھے کچھ نہیں ہوا ہے ۔ کل بدن کچھ گرم ہو گیا تھا‘‘

رکمنی: ’’ڈاکٹر صاحب کا تو برا حال ہو گیا‘‘

نرملا نے گھبرا کر پوچھا ’’کیا ہوا؟ سب خیریت ہے نہ؟‘‘

رکمنی: ’’خیریت ہے کہ لاش اٹھانے کے لیے تیاری ہو رہی ہے ۔ کوئی کہتا ہے، زہر کھا لیا ۔ کوئی کہتا ہے دل کی چال بند ہو گئی بھگوان جانے کیا ہوا‘‘

نرملا نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور روندھے ہوئے گلے سے بولی ''ہائے ایشور سدھا کی کیا حالت ہوگی! وہ کیسے جیے گی؟''

یہ کہتے ہوئے وہ رو پڑی۔ دیر تک سسکتی رہی پھر پلنگ سے اتر کر سدھا کے پاس جانے کو تیار ہوگئی۔ پاؤں تھر تھر کانپ رہے تھے۔ دیوار تھامے کھڑی تھی، مگر دل نہ مانتا تھا۔ نہ جانے سدھا نے یہاں سے جا کر شوہر کو کیا کہا؟ میں نے اس کو کچھ کہا بھی نہیں، نہ جانے میری باتوں کا وہ کیا مطلب سمجھی؟ ہائے ایسے شکل وصورت والے، ایسے مہربان، ایسے نیک شخص کا یہ حال! اگر نرملا کو معلوم ہوتا کہ اس کے غصے کا یہ عبرت ناک نتیجہ ہوگا تو زہر کا گھونٹ پی کر بھی اس بات کو ہنسی میں اڑا دیتی۔

یہ سوچ کر میری ہی بے دردی کے سبب ڈاکٹر صاحب کا یہ حال ہوا۔ نرملا کا دل پاش پاش ہو گیا۔ ایسی تکلیف ہوئی گویا دل میں شدت کا درد ہو رہا ہو۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے گھر چلی۔

لاش اٹھ چکی تھی۔ باہر سناٹا چھایا ہوا تھا گھر میں عورتیں جمع تھیں۔ سدھا زمین پر بیٹھے رو رہی تھی۔ نرملا کو دیکھتے ہی وہ زور سے چلا کر رو پڑی۔ اور آ کر اس کے سینے سے لپٹ گئی۔ دونوں دیر تک روتی رہیں۔

جب عورتیں چلی گئیں تو تنہائی میں نرملا نے پوچھا ''یہ کیا ہو گیا بہن! تم نے کچھ کہہ دیا؟''

سدھا اپنے دل کو ایسے سوال کا جواب آج کتنی ہی بار دے چکی تھی۔ اس کا دل جس جواب سے تشفی پا چکا تھا، وہی جواب اس نے نرملا کو دیا بولی ''چپ بھی تو نہ رہ سکتی تھی، بہن غصے کی بات پر غصہ آتا ہی ہے''

نرملا: ''میں نے تو تم سے کوئی ایسی بات بھی نہیں کہی تھی''

سدھا: ''تم کیسے کہتیں۔ کہہ نہیں سکتی تھیں! مگر انہوں نے جو بات ہوئی تھی، کہہ دی۔ اس پر میں نے جو منہ میں آیا کہا۔ جب ایک بات دل میں آ گئی تو اسے ہوا ہی

سمجھنا چاہیے۔ موقع ملے تو وہ ضرور ہی پوری ہو۔ یہ کہہ کر کوئی نہیں نکل سکتا کہ میں نے تو ہنسی کی تھی۔ تنہائی میں ایسا لفظ زبان پر لانا ہی کہہ دینا ہے کہ نیت بری تھی۔ میں نے تم سے کبھی کہا نہیں بہن، مگر میں نے انہیں کئی بار تمہارے طرف تاکتے دیکھا۔ اس وقت میں نے بھی یہی سمجھا کہ شاید مجھے دھوکا ہو رہا ہے۔ اب معلوم ہوا کہ اس تاک جھانک کا کیا مطلب تھا۔ اگر میں نے دنیا زیادہ دیکھی ہوتی تو تمہیں اپنے گھر نہ آنے دیتی۔ کم سے کم تم پر ان کی نگاہ نہ پڑنے دیتی۔ لیکن کیا جانتی تھی کہ مردوں کی زبان پر کچھ اور ان کے دل میں کچھ اور رہتا ہے؟ ایشور کو جو منظور ہوا ایسے سہاگ سے تو میں بدھوا ہونا برا نہیں سمجھتی۔ غریب اس امیر سے کہیں زیادہ سکھی ہے جسے اس کی دولت سانپ بن کر کاٹنے دوڑے۔ فاقہ آسان ہے مگر زہریلا کھانا کھا لینا اس سے بدرجہا مشکل!''

27

ایک مہینہ گزر گیا۔ سدھا اپنے شوہر کے بھائی کے ساتھ تیسرے ہی روز چلی گئی۔ اب نرملا تنہا تھی۔ پہلے ہنس بول کر دل بہلا لیا کرتی تھی۔ اب صرف رونے سے کام تھا۔ اس کی صحت روز بروز ابتر ہوتی گئی۔ پرانے مکان کا کرایہ زیادہ تھا۔ دوسرا مکان کم کرایہ پر لیا۔ یہ ایک تنگ گلی میں تھا۔ اندر ایک کمرہ تھا اور چھوٹا سا صحن نہ روشنی کا گزر تھا نہ ہوا کا بدبو پھیلی ہوئی تھی کھانے کا یہ حال کہ پیسے ہوتے بھی اکثر فاقہ کرنا پڑتا تھا۔ بازار سے لاوے کون؟ پھر اب گھر میں کوئی مرد نہیں، کوئی لڑکا نہیں، تو روز کھانا پکانے کی زحمت کون اٹھائے۔ عورتوں کے لیے روز کھانے کی ضرورت ہی کیا؟ اگر ایک وقت کھا لیا تو دو روز کے لیے فراغت مل گئی۔ بچی کے لیے تازہ حلوہ یا روٹیاں بن جاتی تھیں۔ ایسی حالت میں صحت کیوں نہ خراب ہوتی؟ تفکر، رنج، تباہی ایک ہوتی ہو تو کہے، یہاں تین تین بلائیں نازل ہوئی تھیں۔ اس پر نرملا نے دوا نہ کھانے کی قسم کھا لی تھی۔ کرتی ہی کیا؟ تھوڑے سے روپیوں میں دوا کی گنجائش کہاں

تھی؟ جیاں کھانے کا ٹھکانہ نہ تھا۔ وہاں دوا کھانے کا ذکر ہی کیا؟ روز بروز خشک ہوتی جارہی تھی۔

ایک روز رکمنی نے کہا ''بہو! اس طرح کب تک گھلا کرو گی؟ جان ہے تو جہان ہے۔ چلو کسی وید کو دکھا لاؤں''

نرملا نے بے پروائی سے کہا ''جسے رونے ہی کے لیے جینا ہو اس کا مر جانا ہی بہتر''

رکمنی: ''بلانے سے تو موت نہیں آتی''

نرملا: ''موت تو بغیر بلائے آتی ہے۔ بلانے پر کیوں نہ آئے گی۔ اس کے آنے میں اب بہت دن نہ لگیں گے۔ بہن، جتنے روز چلتی ہوں، اتنے ہی برس سمجھ لیجیے''

رکمنی: ''دل ایسا چھوٹا مت کرو بہو! ابھی تم نے سنسار کا سکھ ہی دیکھا ہے''

نرملا: ''اگر سنسار کا یہی سکھ ہے۔ جو اتنے دنوں سے دیکھ رہی ہوں تو اس سے جی بھر گیا۔ سچ کہتی ہوں بہن، اس بچی کا منہ مجھے باندھے ہوئے ہے۔ ورنہ اب تک کبھی کی چلی گئی ہوتی۔ نہ جانے اس بے چاری کے بھاگ میں کیا لکھا ہے''

دونوں عورتیں رونے لگیں۔ ادھر جب سے نرملا نے چارپائی پکڑی ہے، رکمنی کے دل میں رحم کا چشمہ ابل پڑا ہے۔ نفرت کا نام بھی نہیں رہا۔ کوئی کام کرتی ہو۔ مگر نرملا کی آواز سنتے ہی دوڑتی ہے۔ گھنٹوں اس کے پاس بیٹھ کر کتھا پوران سنایا کرتی ہے۔ کوئی ایسی چیز پکانا چاہتی ہے جسے نرملا رغبت سے کھائے۔ نرملا کو کبھی ہنستا دیکھ لیتی ہے تو خوش ہو جاتی ہے۔ اور بچی کو تو اپنے گلے کا ہار بنائے رہتی ہے اس کی نیند جاگتی ہے وہی بچی اب اس کی زندگی کا سہارا ہے۔

رکمنی نے ذرا دیر بعد کہا ''بہو، تم اتنی نراس کیوں ہوتی ہو؟ بھگوان چاہیں گے تو تم دو چار روز میں اچھی ہو جاؤ گی۔ میرے ساتھ آج وید جی کے پاس چلو، بڑے بھلے آدمی ہیں''

نرملا: ''دیدی جی اب مجھے کسی وید حکیم کی دوا فائدہ نہ کرے گی۔ آپ میری فکر نہ

کریں۔ بچی کو آپ کی گود میں چھوڑے جاتی ہوں۔ اگر جیتی جاگتی بچے تو کسی اچھے گھرانے میں بیاہ دینا۔ میں اس کے لیے اپنی زندگی میں کچھ نہ کر سکی، صرف جنم دینے بھر کے لیے گنہگار ہوں۔ چاہے کنواری رکھیے۔ چاہے زہر دے کر مار ڈالیے گا، مگر نااہل کے گلے نہ باندھیے گا۔ اتنی ہی آپ سے میری بنتی ہے میں نے آپ کی کچھ خدمت نہ کی اس کا مجھے بڑا رنج ہو رہا ہے۔ مجھ ابھاگن سے کسی کو سکھ نہیں ملا۔ جس پر سایہ بھی پڑ گیا، وہ بالکل تباہ ہو گیا۔ اگر سوامی جی کبھی گھر آویں تو ان سے کہے گا کہ بدنصیب کا قصور معاف کریں''

رکمنی روتی ہوئی بولی'' بہو تمہارا کوئی قصور نہیں۔ ایشور کی ساکھی دے کر کہتی ہوں کہ تمہاری طرف سے میرے دل میں ذرا بھی میل نہیں ہے۔ ہاں میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ برائی کی ہے۔ اس کا مجھے مرتے دم تک رنج رہے گا''

نرملا نے آزردہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا'' دیدی جی! کہنے کی بات نہیں، مگر بنا کہے نہ رہا جاتا۔ سوامی جی نے ہمیشہ مجھے بے اعتباری کی نظر سے دیکھا مگر میں نے دل میں ان کی بے عزتی کا خیال بھی نہیں آنے دیا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا، ادھرم کر کے اپنا پرلوک کیوں بگاڑتی؟ اس جنم میں نہ جانے کون سے پاپ کیے تھے جن کا یوں بدلا چکانا پڑا۔ اس جنم میں کانٹے بوتی تو کیا گت ہوتی؟''

نرملا کی سانس بڑی تیزی سے چلنے لگی۔ پھر پلنگ پر لیٹ گئی اور بچی کی طرف ایسی نگاہ سے دیکھا جو اس کی ساری زندگی کی مصیبت بھری داستان کی **مفصل** تنقید تھی۔ الفاظ میں اس کے اظہار کی قدرت کہاں؟

تین روز تک نرملا کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھا رہا۔ وہ نہ کسی سے بولتی تھی اور نہ کسی کی طرف دیکھتی تھی اور نہ کسی کی کچھ سنتی تھی۔ بس روئے چلی جاتی تھی! اس کی دلی تکلیف کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

چوتھے روز شام کے وقت یہ درد دکھ کی کہانی ختم ہو گئی۔ اسی وقت جب چرند پرند

اپنی اپنی جائے قیام کو واپس ہو رہے تھے۔ نرملا کا طائر روح بھی تمام دن شکاریوں کی نشانہ بازیوں، شکاری چڑیوں کے پنجوں اور ہوا کے تیز جھونکوں سے مضروب و مجروح ہو کر اپنے بسیرے کی طرف اڑ گیا۔

محلّہ کے لوگ جمع ہو گئے۔ لاش باہر نکالی گئی کون داہ (جلانے کی رسم) کرے گا، یہ سوال اٹھا۔ لوگ اسی فکر میں تھے کہ دفعتاً ایک بڈھا مسافر ایک بقچہ لٹکائے وہاں جا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ منشی طوطا رام تھا!

اختتام